

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ
کی شہرہ آفاق تالیف عقیدہ واسطیہ کا ترجمہ
عقیدہ
اہل سنت والجماعت
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ
www.KitaboSunnat.com
شارح
فضیلۃ الشیخ خلیل ہراس حفظہ اللہ
ترجمہ
فضیلۃ الشیخ محمد صادق خلیل رحمہ اللہ
مکتبہ اہل حدیث

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی

کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے

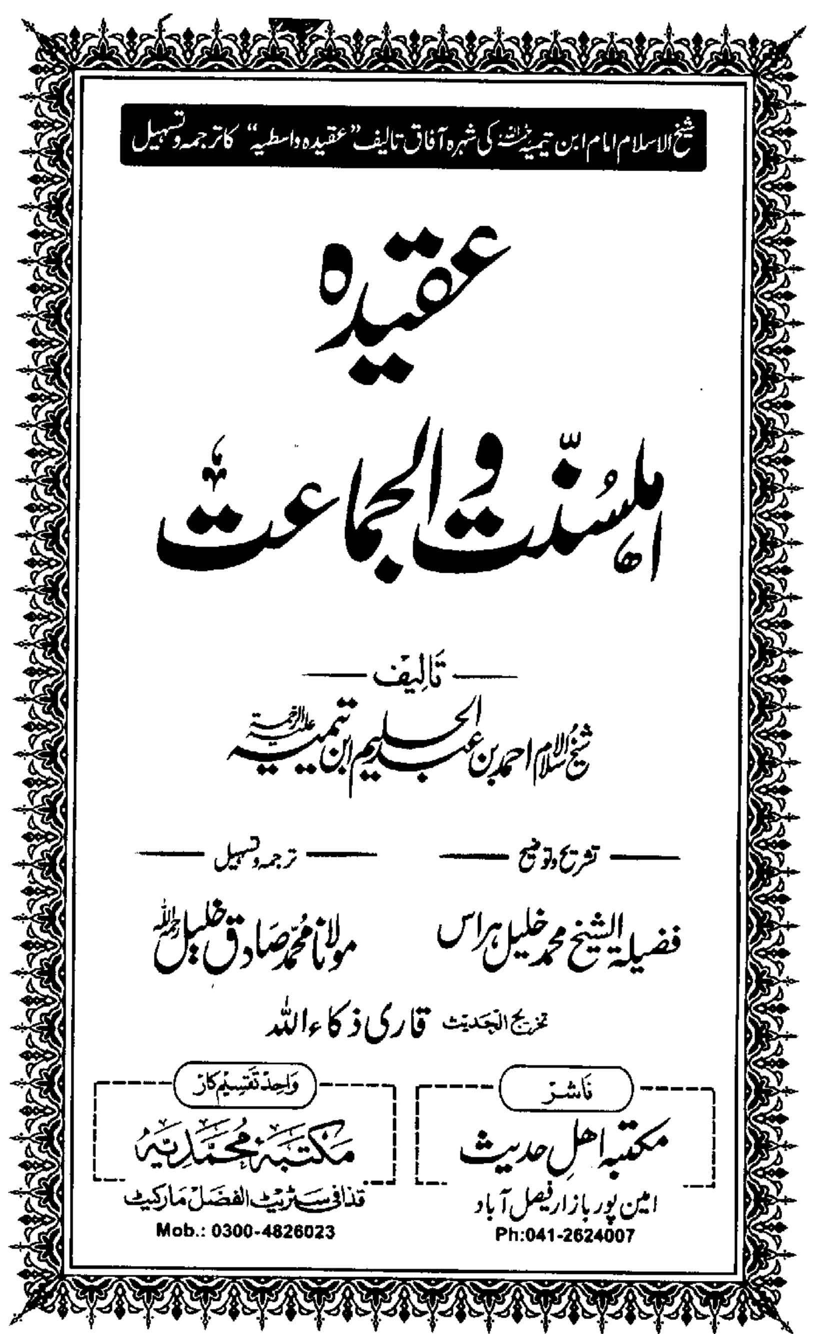
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com



عقیدہ
اہلسنّت والجماعت



شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق تالیف "عقیدہ واسطیہ" کا ترجمہ و تسہیل

عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ

تالیف

شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ

تشریح و توضیح

فضیلۃ الشیخ محمد خلیل ہراس

ترجمہ و تسہیل

مولانا محمد صادق خلیل رحمہ اللہ

تخریج الحدیث قاری ذکاء اللہ

ناشر

مکتبہ اہل حدیث

امین پور بازار فیصل آباد

Ph:041-2624007

واحد تقسیم کار

مکتبہ محمدیہ

قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ

Mob.: 0300-4826023

نام کتاب: عقیدہ اہلسنت والجماعت

طابع ---------------- حافظ محمد ابوبکر

---------------- اکتوبر 2010ء

تعداد ---------------- 1100

قیمت ---------------- روپے

استاکسٹ: طیبہ قرآن محل، مکہ سنٹر گلی نمبر 5 منشی محلہ امین پور بازار فیصل آباد
Ph: 041-2629292,2624007

مکتبہ ضیاالسنۃ (حاجی آباد) رحمت آباد فیصل آباد

- دارالکتب السلفیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ دارالفرقان الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
- کتاب سرائے الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ اہل حدیث زیریں مسجد اہل حدیث امین پور بازار فیصل آباد
- والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ۔ فضلی سنٹر اردو بازار کراچی
- اشفاق کیسٹ ھاؤس نزد جامعہ عزیزیہ پل بازار ساہیوال
- مکتبہ تفہیم السنۃ غازی آباد روڈ شیر ربانی ٹاؤن اوکاڑہ





متصل سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
0300-4826023
E-mail.maktabah_muhammadia@yahoo.com & maktabah_m@hotmail.com

اسلامی کتب خانہ ڈاکخانہ بازار چیچہ وطنی ضلع ساہیوال
Mob:0301- 4085081- 0346-7467125



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ از مترجم

دین اسلام میں کائنات کے خالق اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنا ایمان کا بنیادی نظریہ ہے ہر انسان فطرتی طور پر اللہ کے وجود کا اقرار کرتا ہے جب کہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی عظیم ذات ضرور ہے جو مخلوق کو عدم سے وجود کا زیور عطا کرتی ہے اور زندگی بھر اس کے رزق کے اسباب مہیا کرتی ہے۔

ایک بدوی نے کتنی عمدہ بات کہی کہ اگر اونٹ کا گوبر اونٹ پر دلالت کر سکتا ہے اگر کسی کے نقوش قدم چلنے والے پر دلالت کر سکتے ہیں رات آتی ہے تو فضا پر تاریکی چھا جاتی ہے اور سورج طلوع ہوتا ہے تو زمین پر روشنی پھیل جاتی ہے تو کیا یہ اثرات تغیرات اسی ذات بے مثال پر دلالت نہیں کرتے جو کائنات کو وجود بخشنے والا ہے اور ہر لحہ کائنات کے بارے میں مکمل علم اور خبر رکھتا ہے پس وہی ذات پاک ہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اس سے غایت درجہ محبت کی جائے۔

اللہ پاک کے وجود پر قرآن پاک میں مشرکین کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے کہ وہ مشکل وقت میں اللہ کی ذات کا ہی سہارا ڈھونڈتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ج لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ٥﴾ (یونس: ۲۲)

''اللہ وہ ذات ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ اپنے مسافروں کو لے

کر چلتی ہیں اور وہ موافق ہوا کے سبب خوش ہوتے ہیں کہ اچانک ان کشتیوں کو ناموافق ہوا پہنچتی ہے اور ہر جانب سے ان کے پاس موجیں پہنچتی ہیں اور وہ اس خیال میں ہوتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے گھراؤ میں ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں اللہ کے لئے خالص عبادت کرنے والے ہوتے ہیں [اور وہ دعا کرتے ہیں] اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا کی تو ہم ضرور شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے''

اللہ پاک کے وجود کے اثبات کے بعد اہل سنت والجماعت اس عقیدہ کے حامل ہیں کہ اللہ پاک کے ننانوے نام ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے: ((جس شخص نے ان کو شمار کیا وہ جنت کا مستحق ہے)) ❶

قرآن پاک میں بھی ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف:۱۸۰)

''اور اللہ کے لئے حسن وخوبی کے نام ہیں یعنی صفات ہیں سو تم انہی ناموں سے اسے پکارو''

پس اللہ پاک کے اسماء مبارکہ پر ایمان رکھنا ضروری ہے مسئلہ توحید باری تعالیٰ کا تقاضا بھی یہی ہے اور پروردگار عالم کی معرفت کیلئے بھی اللہ کے اسماء پر ایمان لانا ضروری ہے ان سے زائد اسماء کے بارے میں جو احادیث میں وارد ہیں انہیں بھی اسماء الٰہیہ میں شامل کرنا چاہیے، چنانچہ امام بیہقی بھی رقمطراز ہیں: ((فَاَسْمَاءُ اللّٰهِ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ تُحْصٰى)) ❷ ''اللہ پاک کے اسماء مبارکہ کا شمار کرنا ممکن نہیں''

پس جس طرح اللہ پاک کے اسماء مبارکہ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اللہ پاک کے اوصاف مبارکہ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اللہ پاک کے اوصاف کی دو قسمیں ہیں۔

---

❶ صحیح بخاری (۷۳۹۲)

❷ البیهقی و موقفه من الالهیات، دکتور احمد بن عطیه ،ص:۱۳۱

پہلی قسم: اللہ پاک کے ذاتی اوصاف جن کے ساتھ وہ ہمیشہ موصوف ہے اور مستقبل میں ہمیشہ ان سے موصوف رہے گا۔ مثلاً زندگی، قدرت، علم، ارادہ، سننا دیکھنا کلام کرنا وغیرہ۔

دوسری قسم: اللہ پاک کے فعلی اوصاف ہیں ان کے ساتھ وہ ہمیشہ مستقبل میں موصوف رہے گا ازل میں نہیں تھا مثلاً پیدا کرنا، رزق عطا کرنا، زندہ کرنا، فوت کرنا معاف کرنا، سزا دینا وغیرہ۔

البتہ اللہ پاک کی بعض ایسی صفات ہیں جو ذاتی ہیں اور بعض فعلی ہیں جن کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے خبر دی ہے۔ ذاتی صفات میں اللہ کا چہرہ دونوں ہاتھ اور آنکھیں ہیں جبکہ فعلی اوصاف میں اللہ پاک کا عرش پر مستوی ہونا اللہ کا آنا، اللہ کا نزول کرنا اسی طرح کی بعض دیگر صفات فعلی ہیں۔ (الاسماء والصفات للبیهقی، ص ۱۱۰)

صفات الٰہیہ کی اہمیت اور سلف صالحین کا نقطہ نظر

شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ قصیدہ نونیہ کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جس قدر کوئی شخص اسماء الٰہیہ اور اوصاف الٰہیہ سے بہرہ ور ہوگا اسی قدر اس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اور جس قدر کوئی شخص اس مبارک علم سے ناواقف ہوگا اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے دور ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ پاک اپنے بندوں کے ساتھ ان کی محبت اور وابستگی کے مطابق سلوک کرتا ہے پس جو شخص اللہ پاک کے اسماء اور صفات کے ذکر میں محو نہیں رہتا بلکہ نفرت کا جذبہ رکھتا ہے تو اللہ پاک اس شخص سے شدید ناراض ہوتے ہیں بلکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے وہ ایک شاعر کی زبان سے اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں:

وَإِذَا تَقَاضَيْتُ الْفُؤَادَ تَنَاسِيًا اَلْفَيْتُ اِحْشَائِيْ بِذَاكَ شُحَّاحًا

اِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَيْنَا بِذِكْرِكُمْ وَنَتْرُكُ الذِّكْرَ اَحْيَانًا فَنَنْتَكِسُ

”جب میں دل سے محبوب کو فراموش کرنے کا مطالبہ کرتا ہوں تو میرا دل اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے بخل کرتا ہے، ہم جب بیمار ہوتے ہیں تو تمہاری یاد سے

اس کا علاج کرتے ہیں لیکن جب کبھی ہم تمہاری یاد چھوڑ دیتے ہیں تو گویا کہ ہم اپنی فطرت کے خلاف کام کرتے ہیں''

پس تندرست دل وہ ہے جو اللہ پاک کی معرفت اور اس کے اسماء اور افعال کی جانب تمام چیزوں سے زیادہ مشتاق ہو بلکہ اس قدر اسے کسی چیز سے فرحت وانبساط حاصل نہ ہو جس قدر کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے اسے حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ وہ صفات کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان کی کیفیت کو اللہ پاک کے سپرد کرتے ہیں چنانچہ **استواء علی العرش** کے بارے میں جب سوال ہوتا ہے تو ان کا مؤقف یہ ہوتا ہے کہ **استواء علی العرش** معلوم ہے جب کہ اس کی کیفیت کا علم نہیں اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

جب کہ وہ فرقے جو بدعتی ہیں جو اللہ پاک کے اوصاف کو مخلوق کے اوصاف کے مطابق کہتے ہیں جن کا نام مشبہ ہے اور وہ لوگ جو اوصاف کا انکار کرتے ہیں اس لئے کہ صفات تسلیم کرنے سے توحید پر ضرب کاری لگتی ہے ان کا نام **معطلہ** ہے جب کہ اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کے اوصاف کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اوصاف کو تشبیہ سے منزہ قرار دیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ ''اللہ کی ذات کے مماثل کوئی چیز نہیں''

چنانچہ اہل سنت والجماعت اور اہل بدعت کے درمیان امتیاز قائم کرتے ہوئے اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ (آل عمران:١٠٦)

''چنانچہ قیامت کے دن میدان حشر میں اہل سنت والجماعت کے چہرے روشن اور خوش وخرم ہوں گے جب کہ اہل بدعت گروہ کے چہرے سیاہ اور گرد وغبار سے اٹے ہوئے ہوں گے''

یہ خیال رہے کہ اہل سنت والجماعت کا گروہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بے مثال اور بے نظیر گردانتا ہے اس کو مشابہت سے پاک صاف قرار دیتا ہے اسی طرح اللہ پاک کی صفات اور افعال کو وہ بلا تاویل تسلیم کرتا ہے اور صفات وافعال کو مخلوق کی صفات اور افعال کے مشابہ قرار نہیں دیتا اس کے ساتھ ساتھ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دشمنی اور بغض نہیں رکھتے، اللہ پاک کی تقدیر کا انکار

نہیں کرتے، نہ اللہ تعالیٰ کی کمال مشیت اور قدرت کا انکار کرتے ہیں نہ اللہ کی صفات کا انکار کرتے ہیں اس وجہ سے جھمیہ ،معتزلہ فرقہ کے لوگ اہل سنت کو مشبھہ حشویہ قرار دیتے ہیں چنانچہ ایک سلفی شاعر کہتا ہے ؎

فَإِنْ كَانَ تَجْسِيمًا ثُبُوتُ صِفَاتِهِ فَإِنِّي بِحَمْدِ اللّٰهِ لَهَا مُثْبِتُ

''اگر صفات الٰہیہ کو تسلیم کرنا اللہ تعالیٰ کے جسم کو ثابت کرنے کے مترادف ہے تو میں اللہ پاک کی حمد وتوصیف کے ساتھ اللہ پاک کے جسم کا قائل ہوں''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر آل محمد سے محبت کرنا رافضیت ہے تو تمام انسان اور جن گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((إِنْ كَانَ نَصْبًا حُبُّ صَحْبِ مُحَمَّدٍ فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّي نَاصِبِيٌّ))

''اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا ناصبیت ہے تو انسان اور جن گواہ بن جائیں کہ میں ناصبی ہوں یعنی خارجی ہوں''

چونکہ اعمال کی صحت کا دارومدار عقائد کی صحت پر ہے اگر اسلام میں داخل ہونے کے بعد یعنی اللہ پاک کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم المرسلین ہونے پر یقین ہے اور اس کے تقاضا کے مطابق جبریل علیہ السلام کی حدیث میں ایمان کے بارے میں جو تفصیلات مذکور ہیں اور اس مختصر رسالہ میں بھی ان کی وضاحت موجود ہے ان پر ایمان ہے تو اس شخص کے اسلام وایمان میں ہرگز کوئی شک وشبہ نہیں ہے لیکن عملی زندگی بھی کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی عملی تصویر ہو تو ایسا شخص دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور آخرت میں اللہ پاک کی مہمانی کے شرف سے ہم کنار ہوگا اگر عقائد میں پختگی نہیں ہے جھول ہے یا عقائد میں شرک کی آمیزش ہے تو ایسے شخص کا کوئی عمل صالح اس کو اخروی سعادتوں سے ہم کنار نہیں کر سکتا بلکہ کتاب وسنت کی وضاحت کی روشنی میں مشرک اور ملحد انسان پر اللہ کی ناراضگی ہوگی اور اس کے غیض وغضب کا نشانہ ہوگا۔

اس حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے اہل اسلام کی خیر خواہی اور ہمدردی کے پیش نظر اس سے قبل الشیخ ابی العز الحنفی کی کتاب شرح العقیدۃ الطحاویۃ کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ پیش کرنے کی سعادت سے ۱۴۰۶ھ میں ہم کنار ہوا جس سے اہل علم اور عام مسلمانوں کو عقائد اسلامی کے بارے میں صحیح رہنمائی حاصل ہوئی اور ان کی اخروی زندگی بھی بحمداللہ ان کیلئے خوشیوں اور مسرتوں کی بھرپور نوید ثابت ہوگی اس کو اسلامی عقائد کے نام سے متعارف کرایا گیا۔ بحمداللہ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور فرط مسرت کے عالم میں زبان پر ذیل کی آیت مبارکہ جاری ہے: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ﴾ (الاعراف:۴۳)

”ہر قسم کی حمد وثنا اللہ پاک کی ذات کیلئے لائق ہے جس نے اس کی جانب ہمیں توفیق عطا کی ہم ہرگز اس علمی کام سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اگر توفیق الٰہی ہمارے شامل حال نہ ہوتی“

مدارس عربیہ کے عزیز طلبہ کے اصرار پر کہ شرح العقیدۃ الواسطیۃ کو بھی آپ سلیس اردو زبان میں پیش فرمائیں تو میں نے ان کے اصرار پر انکار کرنا مناسب نہ سمجھا توفیق الٰہی کے ساتھ مجھے ہی اس کو سلیس اردو زبان میں منقح (غلطیوں سے پاک) کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اس پر میرا سر فرط جذبات کے عالم میں بارگاہ الٰہی میں جھکا جا رہا ہے جب کہ آنکھیں نم آلود ہیں اور دل کی کیفیات کو قلم احاطہ تحریر میں لانے سے قاصر ہے نہایت فرحت و مسرت کے عالم میں بے ساختہ زبان پر ذیل کا شعر جاری ہو گیا ؎

بعد از وفات تربت ما در زمین مجو

در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

اس کا مسودہ تقریباً عرصہ سات سال سے کاغذات کے ڈھیر میں بے یار و مددگار پڑا رہا باوجود اسے اشاعت کے لئے پریس کے حوالے نہ کر سکا اب عزیزی برخوردار عبدالحفیظ مدنی (سلمہ اللہ) کے اصرار پر اس کی اشاعت کے اسباب فراہم ہوئے انہوں نے مسودہ کو صاف کرنے میں معمول سے بڑھ کر دلچسپی لی اور جذباتی انداز میں اس کی اشاعت کے تمام مراحل طے کرنے میں وہ

کامیاب ہوئے وہ ضیاء السنة کی دیگر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں رات دن مصروف رہتے ہیں اور اس میدان میں ان کی محنت کدو کاوش کو راقم الحروف ان کے روشن مستقبل کی کلید تصور کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ مستقبل میں وہ زندگی بھر ضیاء السنة کی مطبوعات کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھیں گے اللہ پاک ان کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور ضیاء السنة کی جانب سے تمام مطبوعات کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور ان سے استفادہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔

وَلَيْسَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

عقیدہ واسطیہ کے مؤلف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ان کی علمی شخصیت کا مقام ان کی تالیفات سے واضح ہے انہوں نے تصنیف وتالیف کے میدان کے ساتھ ساتھ حکومت وقت کی بے راہ رویوں، کتاب وسنت کی تعلیمات کے خلاف رونما ہونے والے فتنوں کا سختی سے نوٹس لیا اور ان کے مقابلہ کے لئے تن تنہا کوہ استقامت بن کر ڈٹے رہے حکمرانوں کے ظلم وستم کے سامنے انہوں نے خاموش رہنے کو بزدلی قرار دیا اور میدان عمل میں دیوانہ وار اترے اور باطل کے مقابلہ میں زندگی بھر صف آراء رہے ان کی زندگی کے حالات پر متعدد کتابیں عربی اردو زبان میں موجود ہیں اہل علم کی لائبریریوں میں انہیں نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ رکھا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام آٹھویں صدی ہجری کے مجدد بلند پایہ شخصیت کے اعزاز سے جانے پہچانے جاتے ہیں مثلاً۔

(۱) حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ (اردو) تالیف ابوزہرہ مترجم رئیس احمد جعفری

(۲) امام ابن تیمیہ سیرت وحیات (اردو) تالیف ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

(۳) صاحب السيف والقلم ابن تیمیہ (اردو) تالیف سید حسین ندوی

(۴) الشهادة الزكية في ثناء الأئمه على ابن تيميه (عربی) تالیف نجم عبدالرحمٰن خلف

(۵) ابن تيميه السلفي (عربی) تالیف الاستاذ محمد خلیل ہراس مصری

(۶) العقود الدريه في مناقب ابن تيميه (عربی) تالیف شیخ عبدالہادی



(۷)شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ(عربی)

تالیف علامہ محمد یوسف کوکن عمری وغیرہ ہیں۔

ان کے مطالعہ سے یہ حقیقت اجاگر ہوکر سامنے آتی ہے کہ وہ متبحر عالم حق گو باطل نظریات کے مٹانے والے صف اول کے علمائے حقہ کے ہراول دستہ میں شمار ہوتے ہیں اوران کی شخصیت قابل صدافتخار ہے اگر چہ وہ مستعار زندگی نہایت کٹھن حالات میں ایک مجاہد کی طرح گزار کر راہی ملک بقاہوئے ،انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔

لیکن اسلامی تاریخ میں ایک مجاہد امام اہل سنت اسلام کے خلاف رونما ہونے والے تمام فتنوں کا جس پامردی اور جنون کے ساتھ ان کو مٹانے کی جو بھر پور مساعی کیں ان کا نام ہمیشہ تابندہ رہے گا اور وہ عالم برزخ میں زبان حال سے کہہ رہے ہوں گے ؎

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

عقیدہ واسطیہ نہایت مختصر اور عقائد کی نسبت کے لحاظ سے نہایت مشکل اور اصطلاحات کے لحاظ سے نہایت مغلق ومختصر رسالہ تھا اس کی تشریح علامہ محمد خلیل ہراس السلفی نے نہایت سلیس شگفتہ انداز میں پیش فرما کرامت مسلمہ پر احسان فرمایا بحمد اللہ وہ اس وقت بقید حیات ہیں راقم الحروف ان کی علمی جلالت کا معترف ہے قصیدہ نونیہ تالیف علامہ ابن قیم جوزی(رحمہ اللہ) کی شرح ان کے قلم سے دو مجلدات میں شائع ہو چکی ہے۔

۱۹۸۷ء میں جب راقم الحروف اہلیہ محترمہ ﷾ کی معیت میں حج وعمرہ کی سعادت کے حصول کیلئے عازم حرمین شریفین ہوا تو وہاں مجھے کچھ عرصہ رہنے کا اتفاق ہوا تو مجھے قصیدہ نونیہ کی شرح کا معتد بہ حصہ کا اردو زبان میں ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی میرے دل ودماغ پر ان کی علمی ثقاہت کا گہرا نقش مرتسم ہوا اگر چہ ابھی تک بوجوہ اس کی تکمیل نہیں کر سکا ہوں تاہم اگر زندگی میں اس کی تکمیل ہو جائے تو مجھے انتہائی خوشی ہوگی ،چندروز ہوئے میں نے مسودہ کے جستہ جستہ مقامات کو دیکھا تو بار بار شیخ محمد خلیل ہراس (حفظہ اللہ) کے بارے میں دعائیہ کلمات زبان پر کچھ عرصہ تک مسلسل جاری رہے اللہ پاک ان کی علمی کاوشوں کو قبولیت عطا فرمائے اور ان کی

زندگی میں برکت فرمائے، آمین۔

آخر میں بارگاہ الٰہی میں ملتجی ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو قبولیت تامہ عطا فرمائے قارئین عوام الناس طلبہ کرام سے استدعا ہے کہ وہ اس کتاب سے استفادہ کرتے وقت بندہ گناہ گار تقصیر کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ میں اس کتاب کا انتساب الاستاذ امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہ (رحمہ اللہ) بانی مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ، ماموں کانجن جو میرے والد مکرم مولوی احمد دین (رحمہ اللہ) کے بعد میرے دوسرے استاد ہیں جن سے میں نے ناظرہ قرآن پاک شروع کیا اور پھر چار سال پرائمری کے بعد ان کے مدرسہ میں چھ سال تک تعلیم حاصل کرتا رہا، ۱۹۴۴ء میں پاکستان بننے سے پہلے مجھے وہاں استاذ کے منصب پر تقرری کا شرف حاصل ہوا، ۱۹۶۱ء کو محترم بزرگوارم سید محمد داؤد غزنوی (رحمہ اللہ) کے حکم اور مشورہ کے مطابق کئی سال تک جامعہ سلفیہ میں کتاب وسنت کی تدریس کے منصب پر استوار ہونے کے دوران مزید مطالعہ اور استفادہ کا موقعہ فراہم ہوا۔

والحمد لله على ذلك وبنعمته تتم الصالحات۔

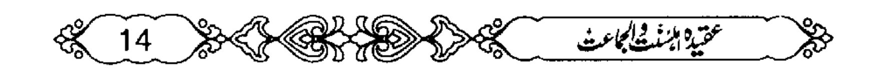
راقم الحروف اللہ پاک کے اس احسان کا شکر یہ ادا نہیں کر سکتا کہ اس نے اپنے خاص فضل و کرم سے مجھے علم کی وادی میں ہی رکھا، راقم الحروف کو عربی زبان میں جنون کی حد تک محنت کرنے کا شوق تھا بحمد اللہ مسلسل محنت کا نتیجہ ہے کہ راقم الحروف کے قلم سے متعدد ضخیم کتابوں کے تراجم منصہء شہود پر استفادہ کیلئے رواں دواں رہتے ہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب **الرد على الاخنائی، الرد على البکری** اور **الکلم الطیب** کو اردو کے لباس سے مزین کیا، **الرد على الاخنائی** کا ترجمہ روضہء اقدس کی زیارت کے نام سے عرصہ ہوا متعدد بار اشاعت پذیر ہوا ہے اور **الکلم الطیب** کا اردو ترجمہ مفید علمی مقدمہ کے ساتھ "اذکار مسنونہ" کے نام سے ابھی تک ایک بار اشاعت پذیر ہوا ہے جب کہ **الرد على البکری** کے ترجمہ کی اشاعت ابھی تک بوجوہ نہیں ہو سکی ہے، وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لَا سِوَاهُ۔

الراجی الی رحمة ربه عبده الفقير الى الله محمد صادق خلیل

خادم ومؤسس ضياء السنة ادارة الترجمة والتاليف والاشاعة والتبليغ

رحمت آباد (حاجی آباد) فیصل آباد، ۱۹ جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ بروز اتوار بعد از نماز فجر



مقدمہ از شارح

الحمدلله رب العالمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين والصلوة والسلام على اشرف المرسلين نبينا محمد عبدالله ورسوله وعلى اله وصحبه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين۔ امابعد:

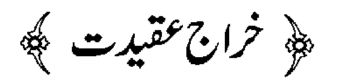
اہل سنت والجماعت کے عقائد کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب عقیدہ واسطیہ بلحاظ اختصار اور دقیق الفاظ کے دیگر عقائد کی کتب سے زیادہ جامعیت والی ہے لیکن اس کے بہت سے مقامات حل طلب تھے اس بناء پر ایسی شرح کی ضرورت محسوس ہوئی جو اس کے مشکل مقامات کو قابل فہم بنائے اور اس کے چھپے ہوئے موتیوں سے نقاب اتارے بایں ہمہ وہ تطویل وغیرہ سے خالی ہو اور تھکاوٹ پیدا کرنے والی بلاضرورت عبارات سے بھی معری ہو اس طرح ممکن ہے کہ اس فن میں دلچسپی رکھنے والوں کے ادراکات کو جلا عطاء فرمائے اور انہیں آسانی کے ساتھ موضوع کی جوہریت کا علم حاصل ہو جائے میں نے اس کام کے لئے استخارہ کیا کثرت مشاغل اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود میں نے اس کا آغاز کر دیا اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اس کے جملہ قارئین کو فوائد علمیہ سے نوازے اور میری اس حقیر کوشش کو خالصتاً اپنی رضا کا سبب بنائے یقیناً اللہ عزوجل نزدیک ہے اور دعا قبول فرماتا ہے۔

محمد خلیل ہراس مدرس کلیہ اصول الدین

الجامعۃ الاسلامیہ بالمدینۃ المنورہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



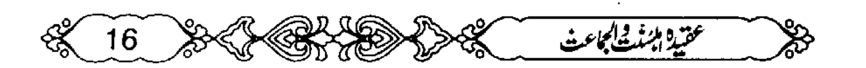
خراج عقیدت

الحمد لله رب العالمين واشهد ان لا اله الا الله قيوم السمٰوٰت والارضين واصلى واسلم على رسوله محمد خاتم الانبياء والمرسلين وبعد:

عقیدہ واسطیہ کی وہ شرح جو فضیلۃ الاستاذ الشیخ محمد خلیل ہراس نے تحریر فرمائی ہے وہ تمام شروح سے زیادہ واضح لیکن مختصر اور نہایت عمدہ ہے میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کا خواستگار ہوں کہ وہ عقیدہ واسطیہ اور اس کی شرح کو منفعت بخش بنائے، آمین۔

عبدالرزاق عفیفی

رئیس انصار السنه المحمدیه



استدراک

توفیق الٰہی کے سبب مجھے اس نعمت سے واسطہ ہوا کہ برادر مکرم السید شیخ محمد عبدالمحسن (جن کی غیرت دینی ان کا خاص وصف ہے) نے مجھ پر ذمہ داری عائد کی کہ مجھے سلف صالحین کے عقائد اور صحیح سنن پر مشتمل کتب کو شائع کرنا چاہیے اور ان کی تصحیح اور طباعت کی بالخصوص نگرانی کرنی چاہیے، نیز عقیدہ واسطیہ جو حجم کے لحاظ سے مختصر رسالہ ہے لیکن موضوع کے لحاظ سے عظیم کتاب ہے، مزید برآں مقاصد کے لحاظ سے جن کی شان فائق ہے جسے امام ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) نے مرتب فرمایا اللہ پاک ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، آمین

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ذکر کردہ کتابچہ اللہ تعالی کی صفات اور عقائد صحیحہ پر مشتمل ہے بلکہ نبی ﷺ کی رسالت میں فہم سلیم جن عناصر کو اہمیت دیتی ہے کثرت سے اس رسالہ نے ان کو اپنے ضمن میں سمویا ہوا ہے چونکہ رسالہ واسطیہ میں اختصار تھا ضرورت تقاضا کرتی تھی کہ اس میں جس قدر عمدہ باتیں بظاہر نظر سے پوشیدہ ہیں انہیں وضاحت کے ساتھ منظر عام پر پیش کیا جائے جو محاسن الفاظ میں مستور تھے اور فوائد کے لحاظ سے عظمت شان کو سموئے ہوئے تھے انہیں علامہ شیخ خلیل ہراس جیسے صاحب بصیرت اہل قلم کی تشریحات کی روشنی میں واضح کیا جائے۔

نیز انہوں نے اس کتاب کی تشریح کرتے ہوئے اسے الم نشرح کر دیا ہے مزید برآں قرآن پاک کی آیات اور سنت مطہرہ کے دلائل سے ان کی تائید فرماتے ہوئے انہیں قابل رشک بنا دیا ہے اللہ پاک انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور جس طرح انہوں نے اس کتابچہ کو تصنیف فرما کر اسلام اور اہل اسلام پر احسان کیا اللہ پاک بھی ان پر احسانات فرمائے نیز ہمارے برادر مکرم کو بھی اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے جب کہ اللہ پاک صالح افراد کو جو اس میدان میں رواں دواں ہیں انہیں اپنی رحمت سے نوازے جنہوں نے توفیق الٰہی کے ساتھ اس کی اشاعت کی ہے مستقبل میں انشاء اللہ اس ایڈیشن کے بعد مزید ایڈیشن شائع ہوتے رہیں گے۔

عبدالرحمٰن محمد عثمان



بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا مختصر تعارف

آپ کا نام احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام اور لقب تقی الدین کنیت ابوالعباس مجتہد العصر مفتی اعظم شیخ الاسلام رحمہ اللہ تھے۔

آپ ابن تیمیہ کنیت کے ساتھ عوام وخواص میں علمی عظمت اور شہرت کے ساتھ معروف ہیں۔ سکونت کے لحاظ سے حرانی تھے۔ آپ دس ربیع الاول بروز سوموار سن ۶۶۱ھ کو حران شہر میں تولد پذیر ہوئے سن ۶۶۷ھ میں جب تاتاریوں کو حران شہر پر تسلط حاصل ہوا تو ان کے والدان کو ان کے دو بھائیوں کی معیت میں دمشق شہر میں لے آئے وہاں انہوں نے صغر سنی میں اپنے والد مکرم سے فقہ اور اصول کی کتابوں کا درس لیا اور ان کے علاوہ کثیر تعداد میں شیوخ سے استفادہ کیا جن میں شیخ شمس الدین، شیخ زین الدین اور شیخ محمد بن عساکر خاص شہرت کے حامل تھے۔

جب کہ شیخ ابن عبدالقوی (مؤلف عقد الفرائد) سے عربی علوم کی تحصیل کی علم حدیث کے حصول کی جانب توجہ کی صحاح ستہ اور حدیث میں مستند کتابوں اور قرآن پاک کی تفسیر پر بالخصوص اپنی توجہ کو مرکوز کیا چنانچہ اس فن میں ان کی مساعی قابل قدر ہیں، اصول فقہ، علم الفرائض اور دیگر علوم میں دسترس حاصل کی حتی کہ آپ مسند تدریس پر تشریف فرمانے کی اہلیت سے ہم کنار ہوئے ابھی ان کی عمر بیس سال سے کم تھی۔

علم حدیث اور احادیث کے حفظ کرنے میں انہوں نے اس قدر جانفشانی اور محبت کے ساتھ کوشش کی کہ ان کے بارے میں یہ قول زبان زد عوام وخواص ہو گیا کہ جس حدیث کا علم ابن تیمیہ کو نہیں ہے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ انہوں نے مختلف فنون میں بے شمار تالیفات کو مرتب کیا۔ اہل بدعت کے رد میں کتابیں تالیف فرمائیں۔ شیخ الاسلام کے فتاوی پر مشتمل کتابیں نیز مشکل مسائل کے حل پر ان کی تالیفات سے درج ذیل کتابیں مشہور ومعروف ہیں۔

۱۔ الصارم المسلول ۲۔ موافقہ صحیح المنقول بصریح المعقول

۳۔ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح

۴۔ منهاج السُّنَّةِ النَّبَوِيَّةِ فِيْ نَقْضِ كَلَامِ الشِّيْعَةِ وَالْقَدَرِيَّةِ

۵۔ الاختيارات الفقهيه ۶۔ الرد على المنطقيين ۷۔ الفتوى الحمويه

۸۔ الفرقان بين اولياء الرحمن واولياء الشيطان ۹۔ الفتاوى

۱۰۔ التوسل والوسيله ۱۱۔ معارج الوصول

ان کے علاوہ ان کی تالیفات میں سے عقیدہ واسطیہ ہے اس کا نام واسطیہ اس لئے رکھا گیا کہ واسط شہر کا قاضی جب اپنے شہر واسط سے حج کے موسم میں آیا تو اس نے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے عقیدہ سلفیہ کے عنوان پر کتاب مرتب کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ عصر کی نماز کے بعد ایک ہی نشست میں شیخ الاسلام نے اس کو مرتب فرمادیا اس کا نام بعد میں عقیدہ واسطیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو زندگی بھر مصائب اور ان گنت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ عقیدہ حمویہ کی تالیف اور طلاق ثلاثہ کے فتوی کے سبب ان پر ابتلاء کا دور آیا ۷۲۶ھ میں اس مسئلہ نے عظیم شہرت حاصل کی کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی قبروں کی زیارت کیلئے شد رحال کرنا کیسا ہے؟ جب کہ شیخ الاسلام (رحمہ اللہ) نے اس کو ناجائز قرار دیا اس فتوی کے بعد اس دور کے علماء ان کے مخالف ہو گئے ان کے خلاف حسد اور بغض کی آگ مشتعل ہوگئی چنانچہ اسی دور کے بادشاہ کے فرمان پر انہیں دمشق کے قلعہ میں محبوس کر دیا گیا۔ تقریباً سوا دو سال جیل میں رہے، آپ اس عرصہ میں تلاوت قرآن، عبادت اور تہجد میں ہی مصروف رہے حتی کہ ۷۲۸ھ میں جب آپ رحمہ اللہ

﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝﴾

(القمر ٥٤: ٥٥) ”جو پرہیزگار ہیں وہ باغوں اور نہروں میں ہوں گے (یعنی) پاک مقام میں ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں“

آیت کی تلاوت فرمارہے تھے کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اللہ پاک ان کی قبر پر اپنی رحمت کی موسلا دھار بارش ہمیشہ برساتا رہے اور اسلام اور مسلمانوں کی جانب سے اللہ پاک انہیں اخروی انعامات اور نوازشوں سے سرفراز فرماتا رہے۔ آمین

عبدالحفیظ مدنی فاضل مدینہ یونیورسٹی

مدیر ضیاء السنۃ رحمت آباد فیصل آباد



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام کے ساتھ ابتداء کررہا ہوں جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے۔

سوال: کیا بسم اللہ ہر سورت کی جز ہے جس کے ساتھ سورت کا افتتاح ہورہا ہے، یا اس کو (مستقل آیت کی صورت میں سورتوں کے درمیان امتیاز قائم کرنے اور شروع میں حصول برکت کے لئے) نازل کیا گیا ہے؟

جواب: بسم اللہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ دوسرے قول کو ترجیح حاصل ہے تاہم اس بات پر کہ بسم اللہ سورۃ النمل کی آیت کا جز ہے اور سورۂ برأت کے آغاز میں اس کے ترک پر تمام علماء کا اتفاق ہے اس لئے کہ سورۂ برأت اور انفال دونوں ایک سورت ہیں۔

سوال: بسم اللہ کی (ب) جارہ کا متعلق کون ہے؟

جواب: بسم اللہ کی ''با'' جارہ مدد طلب کرنے کا معنی ادا کررہی ہے اس کا متعلق محذوف ہے بعض نے فعل اور بعض نے اسم کو مقدر مانا ہے دونوں قول صحیح ہیں اور ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ قرآن پاک میں دونوں کا ثبوت ہے۔

ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں

﴿اِقْرَءْ بِاسْمِ﴾(العلق۔ ۱) نیز ﴿بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرِیْهَا﴾(هود۔ ۴۱)

پہلی مثال میں فعل متعلق ہے اور دوسری میں اسم متعلق ہے۔

سوال: متعلق مقدم ہوگا یا مؤخر؟

جواب: بہتر یہ ہے کہ متعلق کو مؤخر تسلیم کیا جائے اس لئے کہ اللہ کا نام اس لائق ہے کہ اس کو مقدم کیا جائے نیز (ب) جارہ کے مقدم کرنے کی صورت میں اللہ کے نام کو اختصاص حاصل ہوتا ہے کہ صرف اسی سے برکت حاصل کی جارہی ہے۔

سوال: اسم کی تعریف کریں؟

جواب: وہ لفظ ہے جو کسی معنی کے لئے وضع ہوتا ہے معنی کو معین کرتا ہے یا اس کو تمیز دیتا ہے۔



سوال: اسم کا اشتقاق کس سے ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کا اشتقاق سِمَةٌ ❶ سے ہے جس کا معنی علامت ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا اشتقاق سِمُوٌّ سے ہے یہ قول زیادہ درست معلوم ہوتا ہے اس قول کے لحاظ سے اس کے همزہ ❷ کو همزہ وصل کہا جائے گا، خیال رہے کہ اسم نفس مسمی نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو دلالت کرنے والا ہے اور مسمّٰی سے مراد وہ معنی ہے جس پر یہ اسم دلالت کر رہا ہے۔ لیکن تسمیة (نام رکھنا) اس طرح استعمال نہیں ہوتا بلکہ تسمیہ تو نام رکھنے والے کے فعل کو کہتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے: کہ میں نے اپنے لڑکے کا نام محمد رکھا

سوال: کیا بسم اللہ میں لفظ اسم زائد ہے؟

جواب: یہ قول کہ اسم کا لفظ یہاں زائد ہے اس لئے کہ مدد طلب کرنا تو اللہ عزوجل کے ساتھ ہے اس کے اسم کے ساتھ نہیں ہے، ناقابل اعتبار ہے جب کہ مقصود زبان کے ساتھ اللہ کے نام کا ذکر کرنا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (الاعلی۔۱) میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے معنی اس طرح ادا کریں گے کہ آپ اپنے رب کا نام لے کر اس کی تسبیح بیان کریں، مقصود یہ ہوا کہ شروع میں اللہ کا نام ذکر کر کے اس کے ساتھ برکت حاصل کی جائے۔

سوال: لفظ اللہ جامد ہے یا مشتق؟

جواب: اس نام کے بارے میں اختلاف ہے ایک قول ہے کہ یہ نام جامد غیر مشتق ہے، اس لئے کہ اشتقاق ایسے مادے کا متقاضی ہے جس سے اس کا اشتقاق ہو سکے جب کہ اللہ کا اسم قدیم ہے اور قدیم کا مادہ نہیں ہوتا، یہ تو ان اعلام کی طرح ہے جو محض اعلام ہیں جو ان صفات کو متضمن نہیں جن کا قیام ان کے مسمیات کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اسم مشتق ہے، اس کا اشتقاق کس سے ہے اس میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کا اشتقاق اَلَهَ يَاْلَهُ اُلُوْهَةً سے

---

❶ سِمَةٌ اصل میں وِسْمٌ تھا واو حذف کر کے اس کے عوض آخر میں ت لگادی۔

❷ لفظ همزہ اصل میں امزۃ تھا، چونکہ اس کے پڑھنے میں ثقل تھا تو رفع ثقل کے لیے (ء) کو (ھ) سے بدل دیا۔

ہے جس کا معنی عبادت کرنا ہے، دوسرا قول اِلَــــهَ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کا معنی حیران ہونا ہے، پہلا قول درست ہے، اس لئے کہ پہلے قول کی صورت میں الہ کا معنی معبود کا ہوگا۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول: اللہ کی اپنی تمام مخلوق پر معبودیت اور عبودیت ثابت ہے جو اس کی موافقت کر رہا ہے [1] اور اشتقاق کی صورت میں وصف ہے، لیکن اس پر علمیت غالب ہے پس اسی قاعدہ پر اللہ کے تمام نام، اخبار اور اوصاف کے لحاظ سے منطبق ہوں گے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اللہ رحمان ہے رحیم ہے سمیع ہے علیم ہے یہ خبر کی مثالیں ہیں۔ لیکن اللہ جو رحم کرنے والا مہربان ہے وصف کی مثال ہے۔

سوال: رحمان رحیم کن معانی پر دلالت کرتے ہیں؟

جواب: یہ دونوں اللہ کے عزت والے نام ہیں جو اس کی صفت رحمت پر دلالت کر رہے ہیں، خیال رہے کہ رحمت اللہ پاک کی حقیقی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ (جس طرح لائق ہے) قائم ہے لیکن رحمت سے اس کا لازم معنی مراد لینا درست نہیں جیسا کہ معطلہ اس سے احسان کا معنی لیتے ہیں اس کا مزید ذکر آئندہ اوراق میں آئے گا ان شاء اللہ۔

سوال: رحمان رحیم کو باہم ملا کر لانے کا سبب کیا ہے؟

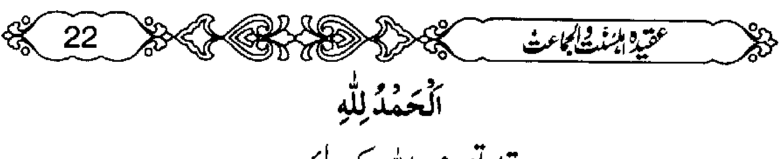
جواب: ایک قول یہ ہے کہ رحمان سے مراد وہ ذات ہے جس کی رحمت تمام دنیا پر وسیع ہے، اس لئے کہ فَعْلَانٌ کا صیغہ امتلاء اور کثرت پر دلالت کرتا ہے، اور رحیم سے مراد وہ ذات ہے جس کی رحمت کے خاص طور پر حق دار آخرت میں ایمان دار ہوں گے دوسرا قول اس کے خلاف ہے یعنی رحمان کی تعریف وہ ہے جو رحیم کی گئی ہے اور رحیم کی تعریف وہ ہے جو رحمان کی گئی ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کا قول: ۔رحمان سے مراد وہ صفت ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے ،اور رحیم سے مراد وہ صفت ہے جس کا تعلق مرحوم کیساتھ ہے، یہی وجہ ہے کہ رحمان کا لفظ قرآن پاک میں متعدی استعمال نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ (الاحزاب ۴۳) ''اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے''

---

[1] روى هذا الاثر ابن جرير ١/ ١٢٣ فى تفسير بسملة وقال احمد شاكر اسناد هذا الخبر ضعيف.



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے۔

یہاں رحیم کی جگہ پر رَحْمَانًا کا لفظ نہیں آیا خیال رہے کہ ان دونوں میں اس لحاظ سے جو فرق بیان ہوا ہے وہ نہایت مناسب ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول: یہ دونوں اللہ کے نام ہیں جن میں رحمت یعنی رقت پائی جاتی ہے ایک میں دوسرے سے زیادہ رقت ہے [1]، خیال رہے کہ بعض علماء نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں رحمان کو اللہ کی صفت قرار نہیں دیا بلکہ اس کو دوسرا علم کہا ہے کہ اس کا اطلاق اللہ کے غیر پر نہیں ہوتا اور علم کو صفت نہیں لایا جا سکتا۔

صحیح قول: یہ ہے کہ رحمان اللہ کی صفت ہے اس لئے کہ اس میں وصف کا معنی پایا جاتا ہے اس لحاظ سے رحمان اللہ کا اسم بھی ہے اور اس کی صفت بھی ہے، ان دونوں میں منافات نہیں ہے، اس لحاظ سے کہ یہ صفت لفظ اللہ کے بعد آتی ہے اس لحاظ سے یہ اللہ کا نام ہے قرآن پاک میں اس کا ذکر بلا صفت بھی موجود ہے، ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ: ۵) ''رحمان عرش پر مستوی ہوا''

سوال: حمد کا ذکر کس لئے کیا گیا ہے؟

جواب: نبی ﷺ سے مروی ہے، ارشاد گرامی ہے: ''ہر وہ کلام جس کو اللہ کی حمد اور مجھ پر درود کے ساتھ شروع نہ کیا گیا ہو وہ بے برکت ہے [2]۔ نیز بسم اللہ کے بارے میں بھی اس طرح کی حدیث مروی ہے یہی وجہ ہے کہ مؤلف نے دونوں کا ذکر کیا ہے تاکہ دونوں روایتوں پر عمل ہو جائے، ہاں! دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں اس لئے کہ ابتداء کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی دوسری اضافی بسم اللہ ابتداء حقیقی کے دائرہ میں ہے جب کہ الحمدللہ ابتداء اضافی کے ضمن میں ہے۔

---

[1] موضوع رواہ البیھقی فی الاسماء والصفات ص: ۷۱۔ وھو مسلسل بالکذابین فقد رواہ محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس بہ۔

[2] ضعیف ابوداود، کتاب الادب، باب الھدی فی الکلام ح: ۴۸۴۰۔ ابن ماجہ: ۱۸۹۴۔ حسنہ النووی فی الاذکار: ۳۳۹۔ وایضاً او ردہ الالبانی فی السلسلۃ الضعیفۃ: ۹۰۲۔

سوال: حمد کے معنی کی وضاحت کریں؟

جواب: حمد ذم کی ضد ہے' حمد مجرد سے بھی آتا ہے اور مزید فیہ باب تفعیل سے بھی مستعمل ہے جس کا معنی بار بار تعریف کرنا ہے، زبان کے ساتھ کسی کے اختیاری اوصاف پر اس کی تعریف کرنا عام ہے اس سے کہ تعریف کسی احسان کے بدلے میں ہے یا بلا احسان ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اس کے انعام پر اور اس کی شجاعت پر اس کی تعریف کی، لیکن شکر نعمت کے مقابلہ میں ہوتا ہے البتہ دل، زبان، اعضاء سبھی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

أَفَادَتْكُمُ النَّعْمَاءَ مِنِّي ثَلٰثَةٌ
يَدِيْ وَلِسَانِيْ وَالضَّمِيْرُ الْمُحَجَّبَا

''تمہارے احسانات کا میری جانب سے تین چیزوں نے بدلہ دیا ہے میرے ہاتھ میری زبان اور میرے دل نے جو چھپا ہوا ہے''

سوال: حمد اور شکر میں کیا نسبت ہے؟

جواب: اس لحاظ سے حمد اور شکر میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے کہ احسان کے مقابلہ میں زبان کے ساتھ تعریف کرنے میں دونوں موجود ہیں' کسی شخص کے اختیاری اوصاف پر زبان کے ساتھ تعریف کرنا جب کہ اس کی طرف سے احسان نہیں ہے صرف حمد ہے، اور احسان کے مقابلہ میں دل اور اعضاء وغیرہ کے ساتھ تعریف کرنے میں صرف شکر ہے۔ پس حمد متعلق کے لحاظ سے عام اور آلہ کے لحاظ سے خاص اور شکر آلہ کے لحاظ سے عام اور متعلق کے لحاظ سے خاص ہے۔

سوال: حمد اور مدح میں کیا فرق ہے؟

جواب: حمد اور مدح میں فرق بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں حمد میں محمود کے محاسن کے بارے میں بتایا جاتا ہے اس کی محبت اور تعظیم بھی مقصود ہوتی ہے اس لحاظ سے اس میں خبر کے ساتھ ارادہ کی شرط ہے جب کہ مدح میں صرف خبر دینا مقصود ہوتا ہے [1] یہی وجہ ہے کہ مدح کا میدان وسیع ہے مدح زندوں، مرے ہوئے بلکہ جمادات تک کی بھی ہوتی ہے۔

[1] بدائع الفوائد: ٢/ ٩٣.



الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ (الفتح: 28)

''وہ ذات جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور سچا دین عطا کر کے بھیجا''

سوال: الحمد کا الف لام کونسا ہے؟

جواب: الف لام استغراق کا ہے حمد کے تمام افراد خواہ وہ حقیقی ہوں یا تقدیری سبھی کو شامل ہے ایک قول یہ ہے کہ الف لام جنس کا ہے معنی یوں ہوگا کہ کامل مکمل حمد اللہ کے لئے ہے اس صورت میں ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ اللہ میں کمالیت اور جلالیت کے تمام اوصاف موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ قابل حمد ہے، ظاہر ہے اگر اس میں کمالیت کے اوصاف موجود نہیں ہیں تو وہ بالا طلاق قابل حمد نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جو ذات کمال کے تمام اوصاف پر حاوی ہے اس کی ہر لحاظ سے تعریف کی جائے اور تعریف کی جتنی قسمیں ممکن ہیں ان سب کا اعتبار کیا جائے۔

سوال: رسول کی لغوی اور شرعی تعریف کریں۔؟

جواب: لغت عرب میں رسول وہ ہے جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہو۔ چنانچہ (ارسلہ بکذا) اس وقت کہا جاتا ہے جب اس سے مطالبہ ہو کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچائے، رسول کی جمع سین پر جزم کے ساتھ نیز را اور سین پر پیش کے ساتھ رُسُلٌ مستعمل ہے شریعت میں رسول اس آزاد مرد کو کہا جاتا ہے جس کی جانب شریعت کی وحی کی گئی ہو اور اس کو پہنچانے کا حکم دیا گیا ہو لیکن اگر اس کی جانب وحی تو کی جاتی ہو لیکن اسے تبلیغ کا حکم نہ دیا گیا ہو تو اسے نبی کہا جائے گا، پس ہر رسول تو نبی ہے لیکن اس کا عکس نہیں ظاہر ہے کہ جو صرف نبی ہے وہ رسول نہیں ہے۔ اس جملہ میں لفظ رسول سے مراد (جو رب العالمین کی ضمیر کی طرف مضاف ہے) محمد ﷺ ہیں۔

سوال: ہدایت سے کیا مراد ہے۔؟

جواب: لغۃ اس کا معنی بیان کرنا رہنمائی کرنا ہے ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾

(حم السجدہ: ۱۷)

''اور قوم ثمود کو ہم نے سیدھا راستہ دکھا دیا تھا مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھا دھند راہ پسند کیا''

اس آیت میں ''بیان'' کرنے کا معنی ہے نیز ارشاد ربانی ہے۔

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝﴾ (الدھر:۳)

''ہم نے اسے راستہ بھی دکھا دیا اب وہ شکر گذار ہوں یا نہ ہوں''

اس معنی کے لحاظ سے ہدایت تمام لوگوں کے لئے عام ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کو ذیل کی آیت میں ہدایت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ (بنی اسرائیل:۹)

''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔''

اور اللہ پاک کے اس قول میں پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت کیساتھ موصوف کیا گیا ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (الشوریٰ:۵۲)

''اور بے شک ان کو تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو''

بعض اوقات ہدایت کا معنی توفیق اور الہام بھی ہوتا ہے اس صورت میں ہدایت اس شخص کے ساتھ خاص ہوگی جس کو اللہ پاک ہدایت عطا کرنے کا ارادہ فرمائے ارشاد ربانی ہے :

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ (الانعام: ۱۲۵)

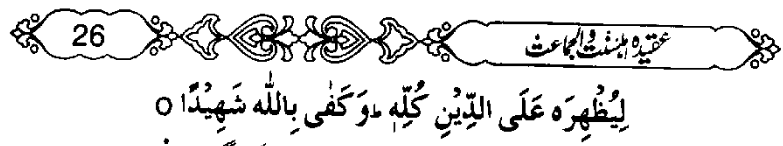
''تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے اس ہدایت کی نفی کی ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (القصص: ۵۶)

''(اے محمد ﷺ!) تم جس کو دوست رکھتے ہو اسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔''

اس مقام پر ہدایت سے مراد صحیح ایمان نفع بخش علم اعمال صالحہ اور بہترین کارہائے نمایاں ہیں۔



لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

تا کہ اس کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے اور اللہ پاک گواہ کافی ہے۔

سوال: لفظ دین کی تشریح کریں؟

جواب: لفظ دین کے متعدد معنی ہیں دین کا معنی بدلہ ہے ارشادِ ربانی ہے۔

"مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" (الفاتحہ: ۳) "بدلے کے دن کا مالک ہے"

اس معنی میں یہ ضرب المثل ہے: ((كَمَا يَدِيْنُ الْفَتٰى يُدَانُ)) [1]

"جس طرح کوئی شخص کرتا ہے اس طرح کا اس کو بدلہ ملتا ہے"

دین کا معنی ذلیل ہونا فرمان بردار ہونا ہے اگر اس کا صلہ لام ہے تو معنی ذلت کا ہے اگر صلہ "با" یا "علی" ہے تو معنی ہوگا کہ اللہ نے فلاں چیز کو دین بنایا کہ اس کے مطابق اللہ کی عبادت کی جائے۔ اس مقام پر دین سے مراد تمام وہ احکامِ شریعت ہیں اعتقادی ہوں یا قولی اور فعلی جن کو عطا کر کے اللہ پاک نے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا اور لفظ دین کی اضافت حق کی طرف جو ہے وہ موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اس سے مراد سچا دین ہے اس کے بالمقابل جو دین ہے اس کی کچھ حقیقت نہیں۔

سوال: لِيُظْهِرَهٗ کا لام کیسا ہے نیز اس کا متعلق کون ہے اور الدین سے کیا مقصود ہے؟

جواب: لِيُظْهِرَهٗ کا لام تعلیل کے لئے ہے اس کا متعلق ارسل ہے ظہور کا معنی بلندی اور غلبہ ہے، مقصود یہ ہے کہ دین اسلام کو دیگر تمام ادیان پر دلائل و براھین کے ساتھ بلندی اور غلبہ عطا فرمائے گا' خیال رہے کہ لفظ الدین پر الف لام جنسی ہے' اس میں تمام ادیان باطلہ داخل ہیں' دین اسلام داخل نہیں ہے۔

---

[1] اخرجه البيهقى فى الشعبص: ۲۹۷۔ وابن عدى فى الكامل: ۲/ ۲۱۶۹۔ من حديث ابن عمر مرفوعا ((البر لا يبلى والاثم لا ينسى والديان لا ينام فكن كما شئت كما تدين تدان)) اسناده ضعيف رواه احمد فى الذهد ص: ۱۷۶۔ موقوفا على ابى الدرداء باسناد ضعيف ايضا وانظر ضعيف الجامع: ٤٢٧٤۔ والدرر المنتشره فى الاحاديث المشتهره للسيوطى تحقيق الصباغ: ۳۲۸۔

وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔

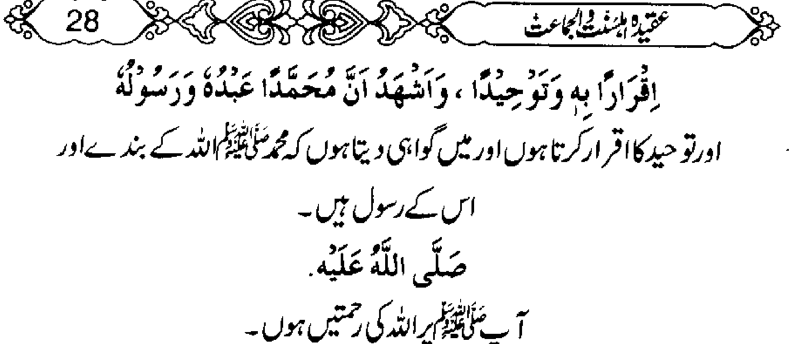
سوال: شہید سے کیا مقصود ہے؟

جواب: شہید مبالغہ کا صیغہ ہے، اس کا معنی خبر دینا اطلاع دینا ہے، یا اس کا معنی حاضر ہونا ہے مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک رسول اکرم ﷺ کی صداقت کی خبر دے رہے ہیں یا اللہ پاک حاضر ہیں تمام پر اسے اطلاع ہے اس سے کوئی چیز پردے میں نہیں ہے۔

اجمالاً مقصد یہ ہے کہ تمام کمالیت کے اوصاف اکمل اور اتم انداز میں اللہ پاک کے لئے ہیں ہم اللہ پاک کی حمد وثناء اس کی ان نعمتوں کی وجہ سے کرتے ہیں جو اس کے بندوں پر عام ہیں کوئی شخص ان کا شمار نہیں کرسکتا' اور سب سے بڑی نعمت اور احسان یہ ہے کہ اس نے رسول اکرم ﷺ کو ہدایت اور دین حق عطا کر کے بھیجا وہ ذات عالمین کیلئے باعث رحمت ہے پرہیزگاروں کے لئے خوشخبری ہے، کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر دلائل اور براہین کے ساتھ غالب فرمائے گا اسے غلبہ اور حکومت عطا کرے گا، اور رسول اکرم ﷺ کی صداقت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی صداقت پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ چنانچہ اللہ پاک کی گواہی جہاں قولی شکل میں ہے وہاں عملاً بھی رسول اکرم ﷺ کو معجزات اور مختلف قسم کے دلائل سے نوازا اور اسے غلبہ عطا فرمایا جن سے ان کی صداقت معلوم ہوتی ہے۔

سوال: شہادت کی تعریف کریں؟

جواب: کسی بات کا علم اور اس کی صحت کا اعتقاد رکھتے ہوئے خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں، خیال رہے شہادت اس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ اقرار نہ ہو اور دل زبان کی موافقت نہ کرے' کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ پاک نے منافقین کو ان کے اس قول کی وجہ سے جھوٹا کہا کہ انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں۔ کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں حالانکہ انہوں نے یہ بات صرف زبان سے کہی تھی۔



اِقْرَارًا بِهٖ وَتَوْحِيْدًا ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اور توحید کا اقرار کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ.

آپ ﷺ پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔

سوال: کلمہ توحید کی وضاحت کریں؟

جواب: لاالہ الااللہ کلمہ توحید ہے جس پر تمام انبیاء (اللہ کی رحمتیں اور سلام ان سب پر ہوں) کا اتفاق ہے بلکہ یہ کلمہ ان کی دعوت کا نچوڑ اور ان کی رسالت کا اصل مقصود تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر نبی نے اس کلمہ کو آغاز دعوت میں پیش کیا اور اس کو دعوت کا مرکز قرار دیا جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام لوگوں سے لڑائی کروں جب تک کہ وہ لاالہ الااللہ نہ کہیں جب وہ اس کا اقرار کرلیں گے تو وہ اپنے خون اور مال کو مجھ سے محفوظ کرلیں گے ہاں اگر ان کے خون اور مال پر شرعاً کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہوگی تو پھر ان سے اس کو حاصل کیا جائیگا اور ان کا حساب اللہ کے ہاں ہوگا۔ [1]

یہ کلمہ توحید پر دلالت کر رہا ہے اس سبب سے کہ یہ کلمہ نفی اور اثبات دونوں پر مشتمل ہے جس سے حصر کا معنی پیدا ہو رہا ہے اس انداز میں بنسبت صرف اثباتی صورت کے مبالغہ زیادہ ہے مثلاً اگر ہم کہیں: اَللّٰـهُ وَاحِدٌ اللہ ایک ہے لیکن کلمہ توحید کا شروع کا حصہ ماسوی اللہ کی الوھیت کے باقی سب کی نفی کرتا ہے اور آخر کا حصہ صرف اللہ کی الوہیت کو ثابت کر رہا ہے البتہ اس میں خبر مقدر ہے اصل یوں ہے (لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ مَوْجُوْدٌ اِلَّا اللّٰهُ) ''اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق موجود نہیں ہے۔'' وحدہ لا شریك له'' کے الفاظ کلمہ توحید کے معنی کی تاکید کے لئے آئے ہیں اور اقرار اکا لفظ اَشْهَدُ کے معنی کی تاکید کے لئے ہے مقصود دل اور زبان سے اقرار کرنا ہے۔

---

[1] بخاری کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ ح: ۱۳۹۹، ۱۴۵۷، ۶۹۲۴۔ مسلم کتاب الایمان، باب قاتل الناس الی ان یوحدوا اللہ ویلتزموا شرائع دینہ ابوداود: ۱۵۵۶، ۲۶۴۰۔ وترمذی: ۲۶۱۰.

رسول اللہ ﷺ کے لئے رسالت اور عبودیت کی گواہی دینے کو اللہ کی توحید کی گواہی کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے مقصود یہ ہے کہ دونوں کی گواہی ضروری ہے صرف ایک کی گواہی کافی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اذان میں ''شھادتین'' کے کلمات اور تشہد میں دونوں کی گواہی ہے۔

نیز بعض مفسرین نے ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (الم نشرح: ٤) ''اور ہم نے تمہارا ذکر بلند کیا ہے'' کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ تیرا بھی ذکر ہوگا۔ [1]

رسول اکرم ﷺ کو رسالت اور عبودیت کے اوصاف میں جمع کیا ہے، اس لئے کہ کسی انسان کے یہ دونوں اعلیٰ درجے کے اوصاف ہیں اور عبادت ہی ایسی عظیم نعمت ہے جس کے لئے اللہ پاک نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○﴾ (الذاريات: ٥٩)

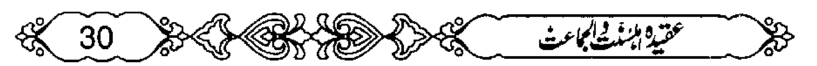
''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

پس مخلوق کا کمال یہ ہے کہ اس میں عبودیت موجود ہو اور جس قدر بھی کسی انسان میں عبودیت زیادہ ہوگی اسی قدر اسے زیادہ کمال حاصل ہوگا اور اس کے درجات بلند ہوں گے یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے رسول اکرم ﷺ کو ان کے اعلیٰ مراتب اور اشرف مقامات بیان فرماتے ہوئے اسراء و معراج دعوت الی اللہ کے میدان میں ان کی جانب وحی کرتے ہوئے اور ان کو قرآن پاک کے بارے میں چیلنج کرتے ہوئے عبودیت کے لقب سے نوازا ہے، نیز آپ نے ایسے غالی قسم کے لوگوں کی تردید کرتے ہوئے (جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے آپ کو الوہیت کے مقام پر بٹھایا) اپنی عبودیت کا اعتراف کیا جیسا کہ گمراہ صوفیاء کا طرز عمل بھی یہی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو اللہ سمجھتے ہیں۔ (اللہ پاک انہیں تباہ و برباد کرے)

صحیح سند کے ساتھ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: تم میری تعریف میں

---

[1] الدر المنثور: ٨/ ٥٤٩۔ صح من مجاهد انه قال فی تفسير هذه الاية لا اذكر الا ذكرت معی اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله وقال الالبانی فی فضل الصلاة علی النبی ﷺ لابن اسحاق القاضی ص: ٨٦۔ اسناده مرسل صحيح فهو حديث قدسی مرسل وهذا اخرجه ابو يعلی فی مسنده: ٢/ ٥٢٢۔ باسناده ضعيف من حديث ابی سعيد الخدری (رفعه) اذا ذكرت ذكرت معی.



مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح ابن مریم کی تعریف میں غلو اختیار کیا، میں تو صرف اس کا بندہ ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔ ❶

پس مقصود یہ ہے کہ ہر بندہ رسول اکرم ﷺ کی کمال عبودیت اور کمال رسالت کی گواہی دے اور اس کا اعتراف کرے، نیز اقرار کرے کہ آپ اپنے کمال اخلاق کی وجہ سے تمام بندوں پر فائق ہیں، لیکن یہ گواہی اس وقت قابل قبول ہوگی جب ہر بندہ آپ کے تمام ملفوظات کی تصدیق کرے اور آپ کے تمام مامورات میں آپ کی اطاعت کرے اور جن کاموں سے آپ نے روکا ہے ان سے رک جائے۔

سوال: صلوۃ سے کیا مراد ہے؟

جواب: صلوۃ کا لغوی معنیٰ دعا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (التوبة: ۱۰۳)

''اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لئے موجب تسکین ہے''

رسول اکرم ﷺ پر اللہ کے صلوٰۃ بھیجنے کا زیادہ صحیح وہ معنی ہے جس کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ابو العالیہ سے کیا ہے کہ اللہ کے صلوٰۃ بھیجنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک فرشتوں کی مجلس میں رسول اکرم ﷺ کی تعریف فرماتے ہیں۔ ❷

اور یہ بات بہت مشہور ہے کہ اگر صلوٰۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس سے مراد استغفار ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتے تمہارے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں جب تک کہ تم اس مجلس میں رہو جس میں تم ہو۔ فرشتے کہتے ہیں: اے اللہ! اس کو معاف کر! اس پر رحم کر! ❸ اور جب صلوٰۃ کی نسبت انسانوں کی طرف ہو تو اس کا معنیٰ تضرع اور دعا کرنا ہے۔

---

❶ اخرجه البخاری الحدود، باب رجم الحبلی فی الزنا اذا احصنت ح: ٦٨٣٠۔ واحمد فی مسنده: ١/ ٣٠٢ (١٦٤)

❷ اخرجه البخاری معلقاً بصيغة الجزم كتابه تفسير القرآن باب قوله تعالى ان الله وملئكته يصلون على النبی يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما.

❸ بخاری كتاب الاذان باب من جلسه فی المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد: ٦٥٩۔ مسلم كتاب المساجد باب فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة: ٦٤٩.



وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا مَزِیْدًا

آپ ﷺ کی آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت زیادہ سلامتی ہو۔

سوال: آل کی تعریف کریں؟

جواب: کسی شخص کی آل سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا اس کے ساتھ مضبوط قرابت وغیرہ کا رشتہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کی آل سے مراد کبھی وہ لوگ ہوتے ہیں جن پر صدقہ خیرات حرام ہے۔ وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔ اور کبھی ان سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔

خیال رہے کہ لفظ آل کا اصل اہل تھا ھاء کو ھمزہ سے بدل دیا گیا تو دو ھمزے جمع ہو گئے دوسرے ھمزہ کو الف سے بدل دیا۔

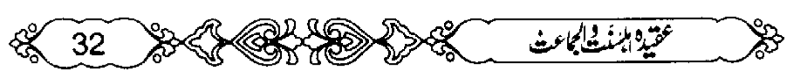
چنانچہ تصغیر اصل کے لحاظ سے اُھَیْلٌ اور قلب کے لحاظ سے اُوَیْلٌ استعمال ہوتی ہے۔ آل سے مراد اشراف ہیں چنانچہ آل کا لفظ (اسکاف موچی اور حجام سنگی لگانے والا) کے ساتھ نہیں آتا، اور صَحْبٌ سے مراد آپ (ﷺ) کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) ہیں جن کی آپ سے ایمان کی حالت میں ملاقات ہوئی اور ایمان پر ہی ان کی وفات ہوئی۔

سوال: سلام کا معنی بیان کریں؟

جواب: لفظ سلام اسم مصدر ہے (سَلَّمَ تَسْلِیْمًا عَلَیْہِ) ''اس نے اس پر سلام کہا'' سے مشتق ہے یعنی اس نے اس کے لئے ہر مکروہ چیز سے صحیح سالم رہنے کی دعا کی۔

لفظ السلام اللہ پاک کا نام ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک تمام عیوب اور نقائص سے محفوظ ہے اور یہ معنیٰ بھی ہے کہ اللہ پاک آخرت میں ایماندار بندوں پر سلام بھیجے گا۔

اور لفظ مزید تسلیم کی صفت ہے اسم مفعول ہے۔ اس کا اصل یہ ہے کہ اس پر بہت زیادہ سلام ہو۔



أَمَّا بَعْدُ فَهٰذَا اِعْتِقَادُ الْفِرْقَةِ النَّاجِيَةِ الْمَنْصُوْرَةِ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ

حمد وصلوٰۃ کے بعد اس جماعت کا عقیدہ بیان ہو رہا ہے جسے نجات حاصل ہوگی قیامت تک اسے غلبہ حاصل ہوگا۔

أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

وہ اہل سنت والجماعت ہے۔

سوال: اما بعد کا استعمال کیسے ہوتا ہے؟

جواب: مقصود میں شروع ہونے کی علامت ہے، رسول اکرم ﷺ اکثر و بیشتر اپنے خطبوں اور خطوط میں اسے تحریر فرمانے کا حکم دیتے۔ ❶ نحویوں کے نزدیک اس کا اصل (مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ) ہے جس کا معنیٰ ہے: ”جو کچھ بھی ہے“

سوال: هٰذَا سے مقصود کیا ہے؟

جواب: اس سے مقصود وہ عقائد ایمانیہ ہیں جن کا اس رسالہ میں اجمالاً ذکر ہے۔ اعتقاد مصدر ہے مقصود عقیدہ اختیار کرنا ہے یعنی دل و دماغ کو اس پر پختہ کر دیا اور اللہ کا مطیع ہو گیا' اس کا اشتقاق عقد الحبل سے ہے یعنی اس نے رسی کو گرہ دی، بعدازاں اس کا استعمال پختہ عقیدے اور مصمم ارادے پر ہوتا ہے۔

سوال: فرقہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: فرقہ سے مراد لوگوں کا گروہ ہے المنصورة اس کی صفت ہے یعنی وہ گروہ جو نجات پانے والا اور غالب ہے اس کی دلیل رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”کہ میری امت سے ہمیشہ ایک جماعت حق پر اور غالب رہے گی جو اس کو چھوڑ دے گا وہ اس کو کچھ تکلیف نہ دے سکے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی“ ❷ نیز ایک دوسری حدیث سے بھی استدلال ہے ”آپ ﷺ نے

---

❶ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان النبی ﷺ خطبهم فقال اما بعد! نبی مکرم علیہ السلام نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا اما بعد! (حمد وصلاۃ کے بعد) ابو داود كتاب الادب باب في الرجل يقول في خطبته اما بعد رقم الحديث: ٤٩٧٣۔ "اما بعد" کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ کلمہ داود علیہ الصلاۃ والسلام نے استعمال کیا۔ مرقاۃ: ١/ ٤٧.

❷ بخاری كتاب الاعتصام بالكتاب والسنه: ٧٣١١۔ مسلم كتاب الامارة باب قوله صلى الله عليه وسلم لاتزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق لا يضر هم من خالفهم، رقم: ١٩٢٠.

وَهُوَ الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْإِيْمَانِ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔

اور وہ عقیدہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانا، اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا، اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لانا۔ اور تقدیر پر ایمان لانا خواہ وہ اچھی ہے یا بری۔

فرمایا مستقبل میں یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ایک کے سوا سب دوزخی ہوں گے ایک سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو اس راہ پر چلیں گے جس راہ پر آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم چل رہے ہیں''۔ [1]

سوال: اہل سنت والجماعت کون ہیں؟

جواب: سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رواں دواں رہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) بھی اسی طریقہ پر بدعات وغیرہ کے شروع ہونے سے قبل چلتے رہے۔ اور جماعت سے مراد گروہ ہے پس اہل سنت والجماعت سے مقصود امت محمدیہ کے سلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام مراد ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول کے واضح برحق راہ پر گامزن رہے۔

سوال: عقائد ایمان سے کیا مقصود ہے؟

جواب: جن چھ عقائد کا متن میں ذکر ہے یہ ایمان کے ارکان ہیں کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ صحیح طور پر ان چھ عقائد ایمانیہ کو تسلیم نہیں کرتا جن کا ذکر کتاب وسنت میں موجود ہے جو شخص کسی ایک عقیدہ کا انکار کرے یا جس طرح اس پر ایمان لانا چاہیے اس طرح ایمان نہ لائے وہ کافر ہے ان سب کا ذکر جناب جبریل علیہ السلام کی مشہور حدیث میں ہے جب وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی کی شکل میں تشریف لائے تھے، اس نے آپ سے

---

[1] ترمذی، ابواب الایمان باب افتراق هذه الامة رقم: ٢٧٧٨ـ ٢٧٧٩.

اسلام، ایمان، احسان کے متعلق دریافت کیا تھا' آپ ﷺ نے فرمایا ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھے اور موت کے بعد حشر نشر' اور تقدیر اچھی بری نفع بخش اور نقصان رساں پر ایمان رکھے' کہ وہ اللہ کی جانب سے ہے'' ❶

سوال: فرشتوں کی تعریف کریں؟

جواب: فرشتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں آسمانوں پر ان کی رہائش ہے' کائنات کے کاموں پر یہ مقرر ہیں کتاب اللہ میں ان کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے اور جن کاموں کا انہیں حکم ہوتا ہے ان کو بجالاتے ہیں رات دن مسلسل اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان کے بارے میں جن اوصاف اور مشاغل کا ذکر کتاب وسنت میں ہے ان پر ایمان لائیں اور کتاب وسنت کے ماسوا سے دور رہیں' دراصل ان کی جن ذمہ داریوں سے ہمیں اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مطلع کیا ہے ان پر ہمارا ایمان ہو اس لئے کہ ان کی مصروفیات ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔

سوال: کتب سے کیا مراد ہے؟

جواب: کتب کتاب کی جمع ہے لغت عرب میں اس کا معنی جمع کرنا اور ملانا ہے مقصود وہ کتابیں ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں ان میں سے جو کتابیں ہمارے علم میں ہیں وہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے صحائف تورات جو جناب موسیٰ علیہ السلام پر تختیوں کی شکل میں نازل ہوئی انجیل جو جناب عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور زبور جو جناب داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی اور قرآن پاک جس کا سب سے آخر میں نزول ہوا، جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان کی محافظت کرتا ہے ان کے ماسوا دوسری کتابوں پر اجمالاً ایمان رکھنا ضروری ہے

---

❶ مسلم کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام، والاحسان ووجوب الایمان باثبات قدر الله سبحانه وتعالى، رقم الحديث: ١ ـ ابو داود: ٤٦٩٥ ـ ترمذی: ٢٦١٣.

سوال: رسل سے کون مراد ہیں؟

جواب: رسل رسول کی جمع ہے رسول کی تشریح پہلے گزر چکی ہے کہ رسول وہ ہے جس کی جانب اللہ نے شریعت کی وحی فرمائی اور اس کو اس کے پہنچانے کا حکم دیا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان رسولوں پر تفصیلاً ایمان رکھیں جن کا ذکر کتاب اللہ میں موجود ہے۔ ان کی تعداد پچیس ہے' ایک شاعر نے ذیل کے اشعار میں ان کا ذکر کیا ہے۔

فِـيْ تِـلْـكَ حُـجَّـتُـنَـا مِـنْـهُـمْ ثَـمَـانِيَةٌ

مِـنْ بَـعْـدِ عَشْـرٍ وَّ يَـبْـقَـى سَبْعَةٌ وَهُـمْ

اِدْرِيْــسُ هُـوْدٌ شُـعَـيْـبٌ صَـالِـحٌ وَكَـذَا

ذُوالْـكِـفْـلِ اٰدَمُ بِـالْـمُـخْـتَـارِ قَـدْخَـتَـمُـوْا

''ہم ان کو حجت مانتے ہیں ان میں سے آٹھ پیغمبروں کا دس پیغمبروں کے بعد ذکر ہے باقی سات پیغمبر ہیں ان کا نام ادریس، ھود، شعیب، صالح ذوالکفل، آدم (علیہم السلام) سب سے آخر میں سب سے بہتر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں'' ان کے علاوہ دیگر رسولوں اور پیغمبروں پر بھی ہم اجمالاً ایمان رکھتے ہیں ان کی رسالت اور نبوت کا اعتراف کرتے ہیں ہم تکلف نہیں کرتے کہ ان کے نام اور ان کی گنتی معلوم کریں، ان کا علم اللہ کو ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾ (النساء: ١٦٤)

''اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم تم سے بیشتر بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کئے''

نیز اس بات پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ پیغمبروں نے ان تمام احکام کو پہنچایا جن کا اللہ عزوجل نے حکم دیا نیز انہوں نے احکام کو کھلے انداز میں بیان کیا اب کسی شخص کا ان سے ناواقف ہونا عذر نہیں ہے نیز اس پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ تمام پیغمبر جھوٹ، خیانت سے بھی معصوم تھے نہ انہوں نے احکام شریعت کو چھپایا اور نہ ہی وہ کند ذہن تھے تمام پیغمبروں سے افضل اولوالعزم پیغمبر

ہیں، مشہور ہے کہ وہ محمد ﷺ ابراہیم موسیٰ عیسیٰ نوح علیہم السلام ہیں ان تمام کا اللہ تعالی کے اس قول میں ذکر ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ (الاحزاب: ۷)

''اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے''

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ﴾ (الشوریٰ: ۱۳)

''اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس کے اختیار کرنے کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی اے محمد ﷺ ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔''

سوال: بعث کا لغوی اور شرعی معنی بیان کریں؟

جواب: لغوی معنی اٹھانا اور حرکت دینے کا ہے' شرعاً'' مردوں کو قیامت کے دن ان کی قبروں سے زندہ اٹھانا تا کہ ان میں فیصلے کئے جائیں' جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اس کو پالے گا' اور جس شخص نے ذرہ برابر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا لوگوں کے اٹھائے جانے پر اس طرح ایمان ضروری ہے جس طرح اس کی وضاحت کتاب اللہ میں ہے، جسموں کے جواجزاء اپنی اصلیت کھو بیٹھیں گے ان سب کو جمع کیا جائے گا انہیں نشاۃ ثانیہ عطا ہوگی اور انہیں زندہ کر لیا جائے گا، فلاسفہ اور عیسائی جو حشر نشر کے قائل نہیں ہیں کافر ہیں۔ اور جو لوگ اجسام کے اٹھائے جانے کے تو قائل ہیں لیکن وہ اس نظریہ کے حامل ہیں کہ اللہ تعالی ان کو دوسرے اجسام میں اٹھائے گا دنیا میں جو اجسام تھے ان میں نہیں اٹھائے گا وہ بدعتی اور فاسق ہیں۔

وَمِنَ الْإِيمَانِ بِاللّٰهِ الْإِيمَانُ بِمَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ وَبِمَا وَصَفَهُ بِهِ رَسُولُهُ

اللہ کے ساتھ ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن اوصاف کے ساتھ اپنے آپ کو اپنی کتاب (قرآن) میں موصوف کیا ہے یا اس کے رسول ﷺ نے اس کی جو صفات بتائی ہیں

سوال: تقدیر کی وضاحت کریں؟

جواب: لفظ قدر مصدر ہے ''قدرت الشئی'' کا معنی کسی چیز کی مقدار کا احاطہ کرنا شرعاً اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ عز وجل کو ازل سے تمام چیزوں کی تقدیر کا اور ان کے اوقات کا علم ہے بعد ازاں اس نے اپنی قدرت اور مشیت کے ساتھ اپنے علم کے مطابق اس کو وجود میں لایا اس کو وجود میں لانے سے قبل اس کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

''کہ اولاً اللہ نے قلم کو پیدا فرمایا اس سے کہا کہ تحریر کر اس نے کہا میں کیا تحریر کروں اللہ نے فرمایا مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے اسے تحریر کردو''

ارشاد ربانی ہے۔

﴿مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا﴾ (الحديد: ٢٢)

''کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر بیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کردیں ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے''

مِنْ غَيْرِ تَحْرِيفٍ۔ وَلَا تَعْطِيلٍ وَمِنْ غَيْرِ تَكْيِيفٍ وَلَا تَمْثِيلٍ

ان کو بغیر تحریف کے ماننا اور نہ ہی ان صفات کا انکار کرنا۔ اور نہ ہی ان صفات کی کیفیات بیان کرنا اور نہ ہی ان صفات کو مخلوق کی صفات کے مماثل قرار دینا۔

سوال: بنیادی عقیدہ کیا ہے؟ تفصیل سے بیان کریں؟

جواب: عقائد کا اجمالا ذکر کرنے کے بعد اب ان کا تفصیلا ذکر کیا جاتا ہے لفظ (من) تبعیض کے لئے ہے، یعنی: ایمان کے چند اصول ذکر کیے جاتے ہیں چنانچہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک پہلا اور بنیادی اصول ایمان باللہ کا عقیدہ ہے، کہ وہ اللہ تعالی کے اوصاف پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں تشکیک کے مرتکب نہیں ہوتے نہ ہی وہ صفات بیان کرنے میں تمثیلات سے کام لیتے ہیں وہ اللہ تعالی کی ذات کو معانی باطلہ سے منزہ قرار دیتے ہیں لیکن صفات کا انکار نہیں کرتے۔

سوال: تحریف کیا ہے؟

جواب: کلام کو اس کے واضح معنی سے غیر واضح معنی کی طرف مرجوح احتمال کے پیش نظر پھیرنے کو کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں قرینے کا ہونا ضروری ہے جو اصل مقصود بتائے۔

سوال: تعطیل سے کیا مقصود ہے؟

جواب: اس کا مادہ (ع ط ل) جس کا معنی خالی ہونا اور چھوڑنا ہے، اسی معنی میں (بِئْرٌ مُعَطَّلَةٌ بہت سے کنوئیں بیکار) پر استعمال ہوا ہے یعنی وہ کنوئیں جن کو ان کے مالکوں نے بیکار بنا رکھا ہے اس سے پانی نہیں نکالتے اس مقام پر اس سے مراد صفات الٰہیہ کا انکار ہے، مزید کے وہ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہیں۔

پس تحریف اور تعطیل میں فرق واضح ہے تعطیل ان صحیح اوصاف کی نفی کرتا ہے جن پر کتاب وسنت دال ہیں اور تحریف نصوص کی غلط معانی سے تفسیر کرنا جن پر نصوص کی دلالت نہیں ہے اس تحریف کے لحاظ سے ان دونوں میں عام اور خاص مطلق کی نسبت ہے تعطیل تحریف سے مطلقاً عام ہے یعنی جہاں تحریف کا وجود ہے وہاں تعطیل بھی موجود ہے اس کا عکس نہیں معلوم ہوا جہاں باطل معنی کا

بَلْ يُؤْمِنُوْنَ بِاَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ o)۔(الشوریٰ:۱۱)

بلکہ وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اثبات ہے اور صحیح معنی کی نفی ہے، وہاں دونوں موجود ہیں اور جہاں صفات کی نفی ہیں اور ان کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے وہاں تعطیل ہے تحریف نہیں ہے البتہ اگر ان کا کوئی بھی معنی متعین نہیں تو اس کا نام تفویض ہے۔

سوال: کیا سلف تفویض کے قائل ہیں؟

جواب: یہ خیال درست نہیں ہے کہ سلف صفات الٰہیہ میں تفویض کے قائل تھے جیسا کہ متأخرین اشاعرہ نے سلف کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے، سلف صفات الٰہیہ کے بارے میں ہرگز تفویض کے قائل نہ تھے اور نہ ہی وہ اللہ کے کلام کے معانی سے ناواقف تھے، وہ صحیح معنی میں کتاب وسنت کے نصوص کے معانی کا فہم رکھتے تھے وہ صفات الٰہیہ کا اللہ کے لئے اثبات کرتے تھے، البتہ صفات کی کیفیات اور حقیقت کے سلسلہ میں تفویض کے قائل تھے جیسا کہ جب امام مالک سے اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ''اللہ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے البتہ کیفیت مجہول ہے۔''[1]

سوال: تکییف اور تمثیل میں کیا فرق ہے؟

جواب: ان دونوں میں فرق واضح ہے تکییف سے مراد یہ ہے کہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کیا ہے۔ اور تمثیل سے مراد اللہ کی صفات کے بارے میں اعتقاد رکھنا کہ وہ مخلوق

---

[1] اخرجه البيهقى فى الاسماء والصفات: ٥١٥۔ عن الامام مالك باسنادٍ جوده الحافظ فى الفتح: ١٣/ ٤٠٧ ورد ايضاً عن ام سلمة موقوفاً و مرفوعا۔ وقال ابن تيميه فى الفتاوى:٥/ ٣٦٥۔ وقدروى هذا الجواب عن ام سلمةؓ موقوفاً ومرفوعاً ولكن ليس اسناده بتعمد عليه وقال الالبانى عن المرفوع فى شرح العقيدة الطحاوية، ص ٢٨١۔ لا يصح۔ ثم قال والصواب عن مالك او ام سلمة اشهر الاول.



کی صفات کی مانند ہیں لیکن صفات کی کیفیات کی مطلقاً نفی کرنا درست نہیں جب کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی کیفیت ضرور ہوتی ہے بلکہ کیفیت کے علم کی نفی ہے' اس لئے کہ اس کی ذات اور اس کی صفات کی کیفیت کو اللہ سبحانہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

سوال: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کی وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت کا شمار محکمات سے ہوتا ہے صفات کے باب میں یہ آیت اہل سنت والجماعت کے نزدیک دستور کی حیثیت رکھتی ہے اس آیت میں اللہ عزوجل نے نفی اور اثبات کو جمع کر دیا ہے، اللہ پاک نے جہاں اپنی ذات سے مثلیت کی نفی کی ہے وہاں اپنی ذات کے لئے سمع وبصر کا اثبات بھی کیا ہے' معلوم ہوا کہ یہی مذہب درست ہے جس میں صفات کی مطلق نفی نہیں ہے جیسا کہ معطلہ نے صفات کی مطلقاً نفی کی ہے اور نہ مطلقاً اثبات ہے، جیسا ممثلہ نے مطلقاً اثبات کیا ہے بلکہ بلا تمثیل اثبات کیا ہے۔

سوال: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کے اعراب بتائیں؟

جواب: اس میں اختلاف ہے صحیح صورت یہ ہے کہ (ک) تاکید کے لئے زائد ہے جیسا کہ شاعر کے شعر میں زائد ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِ الْفَتٰى زُهَيْرٌ ○ خَلْقٌ يُوَازِيْهِ فِي الْفَضَائِلِ

''زہیر نوجوان جیسا کوئی انسان نہیں جو فضائل میں اس کے برابر ہو''



فَلَا يَنفُوْنَ عَنْهُ مَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهٗ وَلَا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَّاضِعِهٖ۔ وَلَا يُلْحِدُوْنَ فِيْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ وَاٰيَاتِهٖ ، وَلَا يُكَيِّفُوْنَ وَلَا يُمَثِّلُوْنَ صِفَاتِهٖ بِصِفَاتِ خَلْقِهٖ۔

وہ (اہل سنت والجماعت) اللہ تعالیٰ سے ان صفات کی نفی نہیں کرتے ہیں، جن کا اس نے اپنی ذات کے لئے اثبات کیا ہے اور نہ وہ کلمات کو ان کے اصل مقام سے پھیرتے ہیں۔

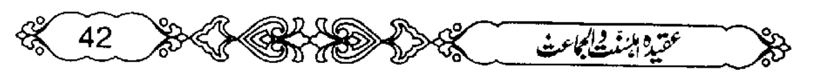
اور وہ اللہ کے اسماء اور اس کی آیات میں کجروی اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مثل قرار دیتے ہیں۔

فَلَا يَنفُوْنَ: جملہ ماقبل کے جملہ کا نتیجہ ہے، کہ جب وہ اللہ پر اس طرح ایمان رکھتے ہیں تو وہ نہ تو اللہ کی ذات سے صفات کی نفی کرتے ہیں نہ تحریف کرتے ہیں نہ کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی مثلیت کے قائل ہیں۔ وہ تو صفات کی آیات کا وہی معنی کرتے ہیں جو الفاظ سے مترشح ہوتا ہے اس سے وہ ہرگز انحراف نہیں کرتے۔

سوال: الحاد سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس کا مادہ (ل ح د) ہے اس کا معنی جھکاؤ ہے اسی سے لفظ (لحد) ہے قبر کے ایک جانب گڑھے کو کہتے ہیں جو قبر کے درمیان سے کنارے کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے اسی سے لفظ مُلْحِدٌ ہے وہ انسان جو سیدھے راستے سے پھر گیا ہے دین میں ایسی باتوں کو داخل کر رہا ہے جو داخل نہ تھیں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی وضاحت: فرماتے ہیں اللہ کے ناموں اور اس کی آیات میں الحاد سے مراد ان کو اصل حقائق اور معانی سے پھیرنا ہے۔ خیال رہے کہ الحاد کا لفظ مفہوم کے لحاظ سے وسیع ہے چنانچہ آیات صفات کا بالکلیہ انکار کرنا یا ان کے معانی کا انکار کرنا' یا ان میں تحریف کرنا صحیح



تاویل کی بجائے فاسدانہ تاویلات کرنا، بدعات ایجاد کر کے ان کو کتاب وسنت کے بتائے ہوئے نام دینا جیسا کہ وحدۃ الوجود نظریہ کے قائلین کا طرز عمل ہمارے سامنے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سلف صالحین اللہ کی ان تمام صفات پر ایمان رکھتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے اور رسول ﷺ نے قرآن پاک میں خبر دی ہے آیات واحادیث صفات میں وہ تحریف تعطیل تکییف اور تمثیل سے کنارہ کش رہتے ہیں، ان کا نقطہ نظر اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں یکساں ہے اللہ کی صفات کے بارے میں وہی راہ اختیار کرتے ہیں جو اس کی ذات کے بارے میں اختیار کرتے ہیں جب اللہ کی ذات کا اثبات بلا تکییف ہے تو صفات کا اثبات بھی بلا تکییف ہوگا چنانچہ اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ صفات کا ذکر جس طرح کتاب وسنت میں آیا ہے اس طرح ان کو ذکر کیا جائے، ان کی تاویل کرنے کی جسارت نہ کی جائے۔

جو لوگ ان کے کلام کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ سلف صالحین کا مقصد صرف الفاظ کی قراءت ہے معنی سمجھنا مقصد نہیں ان کا خیال باطل ہے اس لئے کہ سلف صالحین صرف یہ کہتے ہیں ان آیات کے معنی کا تو ہمیں علم ہے لیکن ان کی ممکنہ حقیقت یا کیفیت وغیرہ کا علم نہیں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے:

(لَا يُوْصَفُ اللّٰهُ اِلَّا بِمَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهٗ اَوْ وَصَفَهٗ بِهٖ رَسُوْلُهٗ لَا يَتَجَاوَزُ الْقُرْاٰنُ وَالْحَدِيْثُ)

"اللہ تعالی کے وہی اوصاف بیان کیے جائیں جن اوصاف کے ساتھ اللہ پاک یا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی ذات کو موصوف کیا ہے پس قرآن پاک اور حدیث صحیحہ سے تجاوز نہ کیا جائے"

نعیم بن حماد (رحمہ اللہ) کا قول: نعیم بن حماد امام بخاری (رحمہ اللہ) کے استاذ ہیں فرماتے ہیں کہ

(مَنْ شَبَّهَ اللّٰهَ بِخَلْقِهٖ كَفَرَ وَمَنْ جَحَدَ مَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهٖ نَفْسَهٗ كَفَرَ وَ لَيْسَ فِيْمَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهٖ نَفْسَهٗ اَوْ وَصَفَهٗ بِهٖ رَسُوْلُهٗ تَشْبِيْهٌ وَلَا

تمثیل)

''جس شخص نے اللہ کو اس کی مخلوق کے مشابہ قرار دیا وہ کافر ہے اور جس شخص نے ان صفات کا انکار کیا جن کے ساتھ اللہ نے اپنی ذات کو موصوف کیا ہے وہ کافر ہے اور اللہ کی جن صفات کا اللہ نے یا اس کے رسول ﷺ نے ذکر کیا ہے ان کی تشبیہ اور تمثیل نہیں دی جا سکتی۔'' ❶

سوال: اہل سنت والجماعت کے اللہ کے بارے میں کیا عقائد ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی کوئی نظیر نہیں نہ اس کے کوئی برابر ہے نہ اس کا کوئی ہمسر ہے جو اللہ کے ناموں کا مستحق ہو نہ اس کا کوئی مقابل ہے اس کی نفی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہو رہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝﴾ (مریم: ٦٥) ''بھلا تم اس کا کوئی ہم نام جانتے ہو''

اس آیت میں استفہام انکاری ہے جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ جیسا کوئی نہیں تو اس سے مقصود ہرگز یہ نہیں کہ اللہ کے غیر کا وہ نام نہیں ہو سکتا جو اللہ کا نام ہے، جب کہ اللہ اور اس کی مخلوق کے ناموں میں تشارک ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب ان ناموں کے ساتھ اللہ پاک کے نام رکھے گئے تو یہ نام اپنے مخصوص معنی کے ساتھ اللہ کے ساتھ خاص ہو گئے یعنی اس معنی میں اللہ کا غیر شریک نہیں اس لئے کہ یہ اشتراک تو اسم کلی کے مفہوم میں ہوتا ہے اور کلی کا وجود ذہن میں ہوتا ہے خارج میں تو جزئی معنی خاص ہوتا ہے اور اختصاص مضاف الیہ کے لحاظ سے ہے اگر نام کی اضافت اللہ کی طرف ہو تو وہ نام اللہ کے ساتھ خاص ہوگا اللہ کا غیر اللہ کے ساتھ شریک نہ ہوگا تو اختصاص انسان کے ساتھ ہوگا اللہ اس میں شریک نہ ہوگا۔ اللہ کا کوئی کفو یعنی برابر نہیں ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ ''اللہ کا کوئی ند یعنی مساوی اور مقابل نہیں''

ارشاد ربانی ہے: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرة: ٢٠)

''پس کسی کو اللہ کا ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے تو ہو''

❶ اسنادہ صحیح اخرجه الذهبی باسناده فی کتابه العلو وایضاً الالبانی فی مختصر العلو ص: ١٨٤.

لِاَنَّہٗ سُبْحَانَہٗ لَا سَمِیَّ لَہٗ، وَلَا کُفُؤَ لَہٗ، وَلَا نِدَّ لَہٗ۔

وَلَا یُقَاسُ بِخَلْقِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی۔

اس لئے کہ اللہ رب العزت کا کوئی ہم نام نہیں نہ اس کا کوئی ہمسر ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے۔

اور نہ اللہ پاک کو اس کی مخلوق پر قیاس کیا جا سکتا ہے وہ بہت پاک اور بلند ہے۔

وَلَا یُقَاسُ سے مقصود یہ ہے کہ کسی قسم کا قیاس جائز نہیں جس سے مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان امور الٰہیہ میں مماثلت اور مساوات ہو۔

سوال: قیاس تمثیل کیا ہے؟

جواب: علماء اصول کے ہاں معروف ہے کہ جامعیت میں فرع کو اصل کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے جیسے نبیذ کو حرمت میں شراب کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے اس لئے کہ وہ دونوں علت حکم نشہ دینے میں مشترک ہیں، پس قیاس تمثیل کی بنیاد فرع اور اصل کے درمیان مماثلت کے وجود پر ہے، جب کہ اللہ عزوجل کو اس کی مخلوق کے ساتھ کسی طرح بھی برابر قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

سوال: قیاس شمول کی تعریف کریں؟

جواب: منطقیوں کے ہاں اس کی وضاحت یوں ہے کہ کلی سے جزئی پر استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ جزئی بھی دیگر جزئیات کی طرح اس کلی کے تحت مندرج ہے یعنی کلی کے تحت تمام افراد برابر ہیں اور تمام جزئیات پر ایک جیسا حکم ہے جب اللہ اور اسکی مخلوق کے درمیان مساوات نہیں تو اللہ کے حق میں قیاس اولی استعمال ہوتا ہے۔

سوال: قیاس اولی کیا ہے؟

جواب: ہر وہ کمال جو مخلوق کے لئے ثابت ہے اور اس کے ساتھ خالق کا موصوف ہونا بھی ممکن ہے خالق کے کمال میں اولیت ہوگی، اور ہر وہ عیب جس سے مخلوق منزہ ہے، خالق اس سے بالا ولی منزہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کی مخلوق میں ہرگز مساوات نہیں ہے۔

سوال: قاعدہ کمال کیا ہے؟

جواب: کمال یہ ہے کہ جب ایک شخص کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ وہ کمال کے ساتھ موصوف ہے لیکن دوسرے شخص پر کمال کا اطلاق نہیں ہوتا اس مثال سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اللہ کی صفات کامل اکمل ہیں اگر کامل تسلیم نہ کریں تو اللہ کی ذات میں عیب لازم آتا ہے۔

فَاِنَّهٗ اَعْلَمُ بِنَفْسِهٖ: اللہ کی وہ صفات جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں، سلف کا ان پر ایمان ہے وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کا علم اس کی ذات اور اس کے غیر کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کی سب باتیں سچی ہیں اور اچھی ہیں مخلوق خدا ان اوصاف میں اللہ کے برابر نہیں ہے اور اللہ کے پیغمبروں نے اللہ کی جانب سے جو پیغامات اس کی مخلوق تک پہنچائے ہیں' ان کے پیغامات سچے ہیں وہ جھوٹ بولنے اور خلاف واقعہ بات کرنے سے معصوم ہیں۔ پس صفات الٰہیہ کے باب میں نَفْیًا وَاِثْبَاتًا ان تمام باتوں پر ہمارا اعتقاد ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمائی ہیں اس لئے کہ تمام مخلوق میں سے رسول اللہ ﷺ زیادہ علم والے ہیں' اور ان لوگوں کی باتوں کی طرف ہرگز التفات نہ کیا جائے جو اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں اور بلا علم باتیں کرتے ہیں۔

وضاحت: کلام کا صرف اپنے مرادی معنی پر بند رہنا تین اسباب میں سے کسی ایک سبب کے پیش نظر ہے۔

اولاً: متکلم جاہل ہے جو کلام وہ کر رہا ہے اس کا وہ علم نہیں رکھتا

ثانیاً: متکلم فصاحت و بلاغت سے عاری ہے وہ بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتا

ثالثاً: متکلم کذاب دھوکے باز اور حقائق چھپانے والا ہے لیکن کتاب وسنت کی نصوص ان تینوں سے ہر طرح الگ ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کتاب وسنت میں غایت درجہ وضاحت اور تبیین ہے جیسا کہ وہ صداقت اور واقعہ کے مطابق ہونے میں نہایت اونچے مقام پر ہے اس لئے کہ کتاب و سنت اس ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے جس کا علم اکمل ہے اور تمام خارجی اشیاء پر حاوی ہے۔ مزید برآں اس میں غایت درجہ شفقت اور خیر خواہی موجود ہے اور یہ جذبہ شدت سے کارفرما ہے کس طرح اللہ کی مخلوق کو رشد و ہدایت سے نوازا جائے۔

کتاب وسنت کے علوم میں یہ تینوں بنیادی چیزیں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کو سمجھانے اور راہ راست کی جانب لانے میں مدد ملتی ہے۔

فَإِنَّهُ أَعْلَمُ بِنَفْسِهِ وَبِغَيْرِهِ وَأَصْدَقُ قِيلاً وَأَحْسَنُ حَدِيثًا مِنْ خَلْقِهِ، ثُمَّ رُسُلُهُ صَادِقُونَ مُصَدَّقُونَ بِخِلَافِ الَّذِينَ يَقُولُونَ عَلَيْهِ مَالَا يَعْلَمُونَ)

کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو بھی اور دوسروں کو بھی سب سے زیادہ جانتا ہے وہ ذات اپنی باتوں میں سب سے زیادہ سچی ہے اس کا قول تمام مخلوق سے بہتر ہے۔ اللہ کے بعد اس کے رسول سچے ہیں ان کی تصدیق کی گئی ہے نہ کہ وہ لوگ سچے ہیں جو اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں جن کو وہ جانتے ہی نہیں ہیں۔

سوال: رسول اکرم ﷺ کا مقام کیا ہے؟

جواب: رسول اکرم ﷺ کا مقام تمام پیغمبروں سے بلند ہے وہ لوگوں کو جس علم سے بہرہ ور فرما رہے ہیں، اس کے بارے میں انہیں زیادہ علم ہے اس کے بیان پر بھی انہیں زیادہ قدرت حاصل ہے۔ مزید برآں اس کو فصاحت و بلاغت سے مزین فرما کر ادا کرنے کا ملکہ تامہ رکھتے ہیں، اس کیساتھ ساتھ وہ تمام انسانوں سے اس لحاظ سے بھی فائق ہیں کہ وہ انسانوں کو حق کی رہنمائی کرنے میں بھرپور داعیہ رکھتے ہیں اور عزم واستقلال کے ساتھ موصوف ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں ہرگز کوئی ادبی فروگذاشت راہ نہیں پاسکتی ہے اور نہ ہی افہام وتفہیم کے لحاظ سے کوئی رخنہ موجود ہے لیکن جب ہم آپ کے علاوہ دیگر لوگوں کا کلام سنتے ہیں اور اس کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں من کل الوجوہ نقص ہوتا ہے یا کسی نہ کسی وجہ سے ضرور سقم موجود ہوتا ہے۔ تو اس لحاظ سے ہرگز اس بات کو صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کے علاوہ کسی انسان کے کلام کو بھی رسول اکرم ﷺ کے کلام کے برابر سمجھا جائے چہ جائیکہ آپ کے کلام سے اعراض کرتے ہوئے آپ کے غیر کے کلام کی طرف التفات کیا جائے اگر کوئی شخص یہ انداز اختیار کرے گا تو وہ غایت درجہ گم گشتہ راہ اور خذلان الٰہی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

وَلِهٰذَا قَالَ (سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ) ○ (الصّٰفّٰت ۱۸۰ تا ۱۸۲)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "تیرا پروردگار ان چیزوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں وہ عزت وغلبہ کا مالک ہے اور سلامتی ہو پیغمبروں پر اور تمام تعریفات اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

چونکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سچائی وضاحت اور تبیین میں عالی مقام رکھتا ہے اور ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے اس لئے اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تیرا پروردگار پاک ہے۔

خیال رہے کہ لفظ سبحان تسبیح سے اسم مصدر ہے جس کا مفہوم منزہ کرنا اور عیب سے دور کرنا ہے اصل مادہ (س، ب، ح) ہے جس کا مفہوم تیز چلنا اور دور کرنا ہے چنانچہ جو گھوڑا تیز رفتار ہے اس کو عربی میں فَرَسٌ سَبُوْحٌ کہتے ہیں اور لفظ رب کی اضافت لفظ عزۃ کی طرف موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے، اور یہ پہلے رب سے بدل ہے پس مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک اپنی ذات کو ان عیوب اور نقائص سے پاک قرار دے رہے ہیں جن کی مشرکین آپ کی طرف نسبت کر رہے ہیں کہ اللہ کی جورو اور اولاد ہے۔

سوال: پیغمبروں کی سلامتی سے کیا مقصود ہے؟

جواب: آیۃ مبارکۃ میں اللہ عزوجل کی پاکیزگی کے ذکر کے بعد پیغمبروں کی سلامتی کا جو ذکر ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ عزوجل کو ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک رکھنا ضروری ہے اسی طرح پیغمبروں کی سلامتی کا اعتقاد بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے اقوال وافعال میں ہر قسم کے عیب سے پاک ہیں نہ وہ اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں اور نہ لوگوں سے دھوکہ کرتے ہیں اور اللہ کے بارے میں ہرگز زیادتی کی بات نہیں کہتے۔

﴿والحمد﴾ میں اللہ پاک اپنی تعریف فرماتے ہیں کہ وہ ذات کمال اور جلال کے اوصاف کے ساتھ متصف ہے اور اس کے افعال پر اس کی تعریف ہو رہی ہے، حمد کی تشریح پہلے گزر چکی ہے اب دوبارہ اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

فَسَبَّحَ نَفْسَهُ عَمَّا وَصَفَهُ بِهِ الْمُخَالِفُوْنَ لِلرُّسُلِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ لِسَلَامَةِ مَا قَالُوْهُ مِنَ النَّقْصِ وَالْعَيْبِ ۔ وَهُوَ سُبْحَانَهُ قَدْ جَمَعَ فِيْمَا وَصَفَ وَسَمّٰى بِهِ نَفْسَهُ بَيْنَ النَّفْيِ وَالْاِثْبَاتِ۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ان تمام اوصاف سے پاک ٹھہرایا جن کو انبیاء کرام کے مخالفین اس کی طرف منسوب کرتے تھے پھر رسولوں پر سلام کہا کیونکہ ان کی بیان کردہ صفات نقص اور عیب سے پاک اور محفوظ ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء اور صفات میں نفی اور اثبات دونوں کو جمع کیا ہے۔

سوال: اسماء الٰہیہ اور اوصاف الٰہیہ سے کیا مقصود ہے؟

جواب: سابقہ اوراق میں ذکر ہو چکا ہے کہ اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جن کے ساتھ خود کو اللہ نے اور اس کے پیغمبروں نے موصوف کیا ہے ، اللہ کے اوصاف کلی طور پر اثباتاً ہیں نہ کہ نفیاً۔ اس اجمال کی وضاحت یوں ہے کہ اسماء الٰہیہ اور اوصاف الٰہیہ میں نفی اور اثبات مجمل بھی ہے اور مفصل بھی ہے مجمل نفی: یہ ہے کہ اللہ کی ذات سے تمام عیوب نقائص کی نفی کی جائے جو اس کی کمالیت کے مخالف ہیں جیسے ارشاد ربانی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے''

نیز فرمایا: ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ ''کیا تو اس کے مثل کا علم رکھتا ہے''

نیز فرمایا: ﴿سبحان الله عما يصفون﴾ ''اللہ ان نقائص سے پاک ہے جو وہ بیان کر رہے ہیں''

اور مفصل نفی یہ ہے کہ اللہ کو مخصوص عیوب اور نقائص سے پاک قرار دیا جائے مثلاً کہا جائے کہ وہ باپ بیٹے شریک، بیوی مثل، مقابل، جہالت، عجز، گمراہی، نسیان، اونگھ، نیند، بے فائدہ کام کرنے اور باطل سے پاک ہے۔ ظاہر ہے کہ کتاب وسنت میں نفی محض نہیں ہے اس لئے کہ نفی محض میں مدح کا پہلو نہیں ہوتا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن اوصاف کی بالخصوص نفی ہے ان کے مخالف

اوصاف کو کمالیت کیساتھ ثابت کیا جائے ،جیسا کہ شریک اور مثل کی نفی سے اس کی کمال عظمت ثابت ہوتی ہے اور کمالیت کیساتھ صرف وہی موصوف ہے اسی طرح عجز کی نفی بھی اسکی قدرت کاملہ کو ثابت کرتی ہے اور جہالت کی نفی اس کے علم کی وسعت اور ہمہ گیری کو ثابت کرتی ہے اور ظلم کی نفی اس کے کمال عدل پر دال ہے ،اور بے فائدہ کام کرنے کی نفی اس کی حکمت کاملہ کو ثابت کرتی ہے اونگھ، نیند اور موت کی نفی اس کی کمال حیات اور قیومیت کو ثابت کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت میں نفی اکثر استعمالات میں بالا جمال ہے۔

البتہ اثبات میں تفصیل بنسبت اجمال کے زیادہ ہے اس لئے کہ اثبات مقصود بالذات ہے اثبات کی بالا جمال مثال مطلق کمالیت مطلق حمد اور مطلق بزرگی وغیرہ ہے اشارۃً اس کا ذکر ذیل کی آیت میں موجود ہے، ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''تمام حمد اللہ کے لئے سزاوار ہے جو جہانوں کا پالنے والا ہے''

نیز فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾ ''اور اللہ کے لئے بلند مثال ہے''

البتہ اثبات بالتفصیل ہر اس نام اور صفت کو متناول ہے جو کتاب وسنت میں وارد ہے اس کا ذکر اتنی کثرت کے ساتھ ہے کہ کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس کو شمار کر سکے ان میں سے بعض اسماء اوصاف ایسے ہیں جو اس کے علم کے ساتھ خاص ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

((سُبْحَانَكَ لَا نُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ))

''تو پاک ہے، ہم تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتے تیری تعریف تو وہ ہے جو تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔'' [1]

نیز مصیبت زدہ انسانوں کے بارے میں جس دعا کا حدیث میں ذکر ہے ملاحظہ فرمائیں:

((اَسْأَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَلَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ اِسْتَاثَرْتَ بِهِ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ))

''میں تجھ سے تیرے ایسے نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جس نام کو تو نے خود اپنی

---

[1] مسلم، كتاب الصلاة باب ويقال في الركوع والسجود: ٤٨٦ـ من حديث عبدة بن سليمان به ابو داود، كتابه الصلوة باب الدعاء في الركوع والسجود: ٨٧٩.

فَلَا عُدُوْلَ لِأَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَمَّا جَآءَ بِهِ الْمُرْسَلُوْنَ فَإِنَّهُ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ۔

اہل سنت والجماعت اس راہ سے انحراف نہیں کر سکتے جن کو رسولوں نے پیش کیا ہے اور یہی راستہ سیدھا راستہ ہے۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین کا راستہ۔

ذات کے لئے مقرر کیا ہے یا جس نام کو تو نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے یا جس کو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلایا ہے یا جس کو تو نے علم غیب میں اپنے ہاں پسند فرمایا ہے''۔

قَوْلُهُ فَلَا عُدُوْلَ: میں اس عبارت کا انطباق ماقبل کے ساتھ نہایت مناسب ہے۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام نے اللہ کی ذات کے بارے میں جن تفاصیل کو پیش فرمایا ہے وہ برحق ہیں ان کی اتباع واجب ہے ان سے اعراض درست نہیں اس لئے کہ وہ صراط مستقیم ہے جس میں انحراف ہے نہ اعوجاج، بالکل سیدھی راہ ہے۔ خیال رہے کہ صراط مستقیم صرف ایک ہی راہ کو کہا جا سکتا ہے جو شخص اس راہ سے انحراف اختیار کریگا وہ ایسی راہ پر چل رہا ہے جو گمراہی والی ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

''اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور رستوں پر نہ چلنا کہ ان پر چل کر اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے''

صراط مستقیم معتدل راہ ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صراط مستقیم کو اختیار کریں اور ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم نماز کی ہر رکعت میں اللہ عزوجل سے سوال کریں کہ وہ ہمیں راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اس لئے کہ یہی وہ راہ ہے جس پر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام صدیقین شہداء اور سلف صالحین چلتے رہے ہیں جن پر اللہ پاک کے خاص احسانات ہیں پس ان کی رفاقت قابل ستائش ہے۔

وَقَدْ دَخَلَ فِي هٰذَا الْجُمْلَةِ مَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهِ نَفْسَهُ مِنْ سُوْرَةِ الْإِخْلَاصِ الَّتِيْ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔

اس جملہ میں وہ تمام صفات داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے سورۃ الاخلاص میں بیان فرمائی ہیں سورۃ الاخلاص فضیلت کے لحاظ سے ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

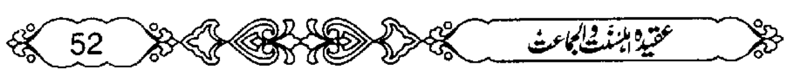
وَقَدْ دَخَلَ: میں کتاب وسنت کے وہ نصوص جو نفیاً اور اثباتاً اللہ کے اسماء اور اس کی صفات پر دلالت کرتی ہیں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ ان پر اس کا ایمان ہو، دلائل کے آغاز میں سورۃ اخلاص کا ذکر کیا ہے اس لئے کہ اس مسئلہ کی جس قدر وضاحت اس صورت میں ذکر ہوئی ہے دوسری سورتوں میں نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا نام سورۃ اخلاص ہے مقصود یہ ہے کہ یہ سورت توحید کو شرک اور بت پرستی کی آلائشوں سے دور کر دیتی ہے۔

مسند احمد میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس کے سبب نزول کے بارے میں منقول ہے کہ مشرکین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اپنے پروردگار کا نسب نامہ بتائیں، تو ان کے جواب میں سورۃ اخلاص نازل ہوئی [1] نیز صحیح حدیث میں ہے کہ سورۃ اخلاص ثلث قرآن کے برابر ہے [2]۔

---

[1] حسن، ترمذی، ابواب التفسیر، باب سورۃ الاخلاص: ۳۵۸۷۔ ومسند الالبانی فی صحیح سنن الترمذی: ۳۶۸۰۔ مسند احمد: ۱۵/ ۴۵۱ (۲۱۱۱۸)

[2] بخاری کتاب التوحید، باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ الی توحید اللہ تبارك و تعالی: ۷۳۷۴



حَيْثُ يَقُوْلُ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ ہی وہ خود جنا گیا۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ (الاخلاص)

سورۃ اخلاص ثلث قرآن کے برابر ہونے کی دلیل: اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، اقرب الی الصحۃ وہ قول ہے جس کا ذکر شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''جواب اھل العلم والایمان'' میں ابوالعباس سے کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک تین بنیادی مقاصد پر مشتمل ہے۔

اولاً: اس میں اوامر اور نواہی مذکور ہیں جو احکام الٰہیہ اور شرائع عملیہ کو متضمن ہیں جو علم فقہ اور اخلاق کا موضوع ہیں۔

ثانیاً: وہ واقعات جن میں پیغمبروں اور ان کی امتوں کے درمیان واقع ہونے والے احوال کا ذکر ہے اور مکذبین کی تباہی و بربادی کے مختلف مناظر کی عکاسی کی گئی ہے نیز پیغمبروں کی اطاعت کرنے والوں کو کیا جزا ملے گی اور نافرمانی کرنے والوں کو کس قسم کی سزا سے دوچار ہونا ہوگا۔

ثالثاً: علم توحید کا ذکر ہے نیز اللہ کے بندوں پر اللہ کی معرفت اس کے اسماء اور صفات کے بارے میں کیا جاننا ضروری ہے تیسری قسم کا علم تمام علوم سے اشرف ہے۔ پس جب سورۃ اخلاص اس علم کے اصول پر اجمالاً مشتمل ہے تو یہ کہنا درست ہے کہ سورۃ اخلاص ثلث قرآن کے برابر ہے۔

سوال: سورۃ اخلاص علوم توحید پر کیسے مشتمل ہے؟

جواب: یہ جاننا ضروری ہے کہ سورۂ اخلاص کس بنا پر توحید کے تمام علوم پر حاوی ہے اور ان اصولوں کو متضمن ہے جن کو توحید علمی اعتقادی کا مرکز کہا جا سکتا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں: کہ اس صورت میں اللہ کا قول کہ وہ ایک ہے۔ سے اللہ کے شریک فی الذات والصفات وَالْاَفْعَال کی عمومی طور پر نفی ہے، جیسا کہ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ عظمت

کمال بزرگی اور جلال اور کبریائی میں منفرد ہے، یہی وجہ ہے کہ احد کے لفظ کا اثبات صرف اللہ کی ذات پر اطلاق ہوتا ہے نیز لفظ احد میں واحد سے زیادہ مبالغہ ہے۔

اور اللہ کے قول ﴿اللہ الصمد﴾ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور ہے کہ اللہ ایسا سردار ہے جو اپنی سرداری میں کمال کے درجہ پر فائز ہے ایسے شرف والا ہے جو اپنے شرف میں اعلیٰ ہے ایسا عظیم ہے جس کی عظمت کو ناپا نہیں جا سکتا' ایسا حلیم ہے جس کا حلم بے پایاں ہے، ایسا غنی ہے جس کا غنیٰ ناقابل تصور ہے، ایسا جبار ہے جو اپنے جبروت میں بے مثال ہے، ایسا علیم ہے جو اپنے علم میں لاثانی ہے، ایسا حکیم ہے جو حکمت کے بلند منصب پر فائز ہے، ہاں وہ ذات شرف اور سیادت کے جملہ انواع واقسام کے لحاظ سے کامل واکمل ہے ان صفات کا مظہر صرف اللہ کی ذات ہے کسی دوسرے کیلئے یہ اوصاف ثابت نہیں ان صفات میں اس کا کوئی ہمسر ہے نہ کوئی مثل ہے۔ ❶

لفظ الصمد کی تفسیر یوں بھی کی جاتی ہے کہ الصمد اس ٹھوس چیز کو کہتے ہیں۔ جس میں خلا نہ ہو ❷ نیز اس ذات پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو تمام مخلوق کا مقصود ہو اور کائنات کی تمام ضرورتوں اور حاجات کا مرکز محور ہو ❸۔ پس احادیث کو اللہ کے لئے ثابت کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی ذات مشارکت اور مماثلت سے پاک ہے اور صمدیت کے اثبات سے مقصود اللہ کے لئے ان اسماء حسنیٰ اور اوصاف عالیہ اور ان کے مضمرات کو ثابت کرنا ہے اسی کا دوسرا نام توحید الاثبات ہے۔

توحید کی دوسری قسم توحید التنزیہہ ہے یعنی اللہ کو منزہ کیا جائے کہ وہ ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے پاک ہے اس کا استنباط اللہ پاک کے اس قول ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ سے ہو رہا ہے جیسا کہ اجمالاً تو اَللّٰهُ اَحَدٌ سے بھی ہو رہا ہے مقصود یہ ہے کہ نہ اس کی فرع ہے اور نہ وہ کسی کی فرع ہے اسکی برابری کرنے والا کوئی نہیں وہ مثیل اور نظیر سے پاک ہے۔

---

❶ اسناده ضعيف، تفسير ابن مرير في تفسير سورة الاخلاص في هذا السند على بن ابى طلحة وهو صدوق و لم يلق، ابن عباس الى فيه انقطاع.

❷ العظمة لابى الشيخ: ١/ ٣٧٩.

❸ السنه لابن ابى عاصم رقم: ٦٨٧ ـ وورد عن ابن عباس باسناد ضعيف العظمة لابى الشيخ: ١/ ٣٨٠.

وَمَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهٗ فِیْ اَعْظَمِ اٰيَةٍ فِیْ كِتَابِهٖ حَيْثُ يَقُوْلُ:

اور جن اوصاف کو اس نے اپنے آپ کے لئے اپنی کتاب قرآن پاک کی سب سے عظیم آیت میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَوْلُهٗ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔

اللہ معبود برحق ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور قائم ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند۔

لَهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کسی کی سفارش کر سکے۔

پس غور کا مقام ہے کہ یہ عظیم سورت کس قدر اعتقاد اور توحید کی معرفت کو متضمن ہے نیز احدیت کے لحاظ سے اللہ کے لئے کیا واجب ہے جب کہ ظاہراً مشارکت کی نفی ہے اور صمدیت کا وصف اللہ تعالیٰ کے لئے تمام صفات کاملہ کو ثابت کرتا ہے کہ اللہ کی ذات میں ہرگز کسی قسم کا کچھ نقص نہیں ہے اور لڑکے اور باپ کی نفی دراصل اس کے غنی کی بے نیازی اور احدیت کے لوازم سے ہے اس کی مثل کی نفی تشبیہ تمثیل اور نظیر کی نفی کو متضمن ہے، پس جو سورت اتنے بلند علوم و معارف کو متضمن ہے وہ اس لائق ہے کہ اس کو قرآن کے ثلث کے برابر قرار دیا جائے۔

امام مسلم اپنی صحیح مسلم میں حدیث لائے ہیں۔

((عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سَاَلَهٗ اَیُّ اٰيَةٍ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ اَعْظَمُ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَرَدَّدَهَا مِرَارًا ثُمَّ قَالَ اُبَیٌّ اٰيَةُ الْكُرْسِیِّ فَوَضَعَ النَّبِیُّ ﷺ يَدَهٗ عَلٰی كَتِفِهٖ وَقَالَ لِيَهْنِكَ هٰذَا الْعِلْمُ اَبَا الْمُنْذِرِ۔ وَفِیْ رِوَايَةٍ عِنْدَ اَحْمَدَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ اِنَّ لَهَا لِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ تُقَدِّسُ الْمَلِكَ عِنْدَ سَاقِ الْعَرْشِ))

”سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے نبی ﷺ نے دریافت

کیا: کتاب اللہ میں کونسی آیت زیادہ عظمت والی ہے؟ اس نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ علم والے ہیں۔''

آپ (ﷺ) نے اس سوال کو کئی بار دہرایا کچھ تاخیر کے ساتھ (سیدنا) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے عرض کیا: زیادہ عظمت والی آیت آیۃ الکرسی ہے اس پر نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے فرمایا اے ابوالمنذر تجھے علم مبارک ہو [1]۔ مسند احمد کی روایت میں ہے ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آیۃ الکرسی کو زبان اور دو ہونٹ عطا ہوں گے وہ عرش کے پائے کے قریب اللہ کی تقدیس بیان کرے گی۔'' [2]

پس ہمیں اس پر متعجب نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ آیۃ الکرسی ایسی عظیم آیت ہے جو اللہ کے ایسے اسماء اور صفات پر مشتمل ہے جن پر کوئی دوسری آیت مشتمل نہیں ہے۔ اس آیت میں تو اللہ پاک نے اپنی ذات کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنی خدائی میں یکتا ہے لہٰذا عبادات اپنی تمام قسموں اور صورتوں کے لحاظ سے صرف اسی کے لائق ہے۔

توحید کے ذکر کے بعد اس کے دلائل کے ضمن میں اللہ کی صفات کاملہ اور خصوصیتوں کا ذکر کیا چنانچہ اللہ کا وصف ذکر کیا کہ وہ زندہ ہے اس کی زندگی کمال کے ساتھ موصوف ہے اور اس میں ازلیت اور ابدیت موجود ہے، اور کمال زندگی تمام صفات کاملہ ذاتیہ کو مستلزم ہے صفات کاملہ سے مراد عزت، قدرت، علم، حکمت، سننے اور دیکھنے والی صفت ارادہ اور مشیت وغیرہ ہیں، اس لئے کہ ان صفات میں سے کوئی صفت اس وقت ذات باری تعالیٰ سے مفقود ہو سکتی ہے جبکہ اس کی کامل زندگی میں کچھ نقص نہ راہ پا سکے لیکن اس کی کامل زندگی میں تو کبھی بھی کچھ نقص پیدا نہیں ہو سکتا۔

پس کامل زندگی کے توابعات اور لوازمات سے تمام صفات کاملہ کا لازم ہونا ضروری ہے۔

اس صفت کے بعد لفظ قیوم کا ذکر ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات کے ساتھ قائم ہے اس میں تمام مخلوق سے استغناء موجود ہے اس میں احتیاج کا شائبہ تک موجود نہیں وہ اپنی ذات کے

---

[1] مسلم كتاب صلوة المسافرين، باب فضل سورة الكهف وآية الكرسي: ٨١٠۔ من حديث عبد الاعلى بن عبدالاعلى ابو داود، كتاب الوتر، باب ماجاء في آية الكرسي: ١٤٦٠.

[2] اسناده صحيح، مسند احمد: ٥/ ١٤١۔ شرح السنه: ٤/ ٤٩٥۔ شعب الايمان للبيهقي: ٥/٣٢٣۔ عبد بن حميد: ١/ ١٩٩.

لحاظ سے مستغنی ہے، تمام موجودات اس کے ساتھ قائم ہیں وہ ذاتی طور پر اس کی محتاج ہیں انہیں لمحہ بھر اس سے استغناء نہیں ہے، وجہ یہ ہے اللہ نے ہی ان کو اس طرح بنایا اور انہیں قوت اور پختگی عطا کی وہی ان کے تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور ان کی بقاء کے لئے جن چیزوں کی انہیں ضرورت ہے انہیں پہنچاتا ہے' اور ان کی تقدیر میں جس کمال پر پہنچنے کا فیصلہ موجود ہے وہاں وہ پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ کا یہ وصفی نام کمالات فعلیہ کے تمام صفات کو متضمن ہے۔ جیسا کہ اس کا وصفی نام **الحی** کمالات ذاتیہ کی تمام صفات کو حاوی ہے اسی لئے حدیث میں ہے کہ **الحی القیوم** دونوں اسم اعظم ہیں جب اللہ سے ان ناموں کے توسل سے سوال کیا جائے تو سوال پورا ہوتا ہے اور جب حاجت طلب کی جائے تو حاجت کی برآری ہوتی ہے۔

ان کے بعد ایسے اوصاف کا ذکر ہے جو اللہ کی کمال حیات اور قیومیت پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ اس پر فرمایا اس پر اونگھ اور نیند غالب نہیں اس لئے کہ ایسا ہونا اس کی قیومیت کے منافی ہے ظاہر ہے کہ نیند اور موت دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہیں، یہی وجہ ہے جنتیوں کو نیند نہیں آئے گی ، بعد ازاں ذکر فرمایا کہ اس کی تمام علوی سفلی جہانوں پر بادشاہت ہے، اور اس کے قبضہ قدرت میں مقید ہے چنانچہ فرمایا ''آسمانوں زمین کی ہر چیز پر اس کی ملکیت ہے'' اس کے بعد ایسے اوصاف کا ذکر فرمایا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بادشاہی مکمل ہے اس میں ذرہ برابر نقص نہیں ہے اور شفاعت اس کے قبضہ میں ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں کوئی سفارش نہیں کر سکتا' دراصل اس مقام پر نفی اور استثناء دو باتوں کو متضمن ہے۔

اولا: شفاعت صحیحہ ثابت ہے، اللہ پاک کی اجازت سے اس شخص کو حاصل ہوگی جس کے قول اور عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا۔

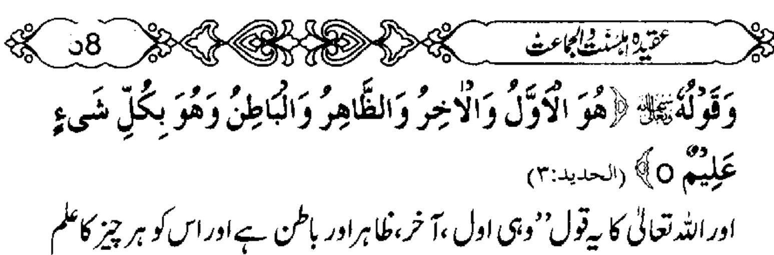
ثانیا: مشرکین جس شفاعت کے قائل ہیں کہ ان کے بت ان کی سفارش اللہ کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر کریں گے یہ شفاعت باطل ہے، اسکے بعد اللہ کے علم کی وسعت اور اسکے محیط ہونے کا ذکر کیا کہ اللہ پر مستقبل اور ماضی کی کوئی بات پوشیدہ نہیں لیکن موجودات اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے ، البتہ جس قدر اللہ کسی کو علم دینا چاہیے خواہ بواسطہ رسولوں کے یا غور وفکر کے ذریعہ یا تجربہ کے ساتھ حاصل ہو، خیال رہے کہ علم سے مراد معلومات ہیں یا اللہ کے اسماء اور صفات کا علم ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○﴾ (البقرہ:255)

وہ جانتا ہے جو لوگوں کے روبرو ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اسے سب معلوم ہے۔ اور وہ اس کے علم میں سے اس کی مشیت کے سوا کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین دونوں کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے اور زمین و آسمانوں کی حفاظت اللہ رب العزت کو تھکا نہیں سکتی وہ بڑے اعلیٰ رتبہ والا اور بہت عظیم ہے۔

اس کے بعد اللہ کے ایسے وصف کا ذکر کیا ہے جو اللہ کی عظیم بادشاہت اور وسیع سلطنت پر دال ہے چنانچہ بتایا کہ اس کی کرسی تمام آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے، کرسی کے بارے میں صحیح مؤقف یہ ہے کہ وہ عرش کے علاوہ ہے اور کرسی اللہ کے پاؤں کی جگہ ہے وہ عرش کے مقابلے میں ایسے کڑے کی مانند ہے جو چٹیل میدان میں پڑا ہوا ہے۔ لیکن ابن کثیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کرسی کی تفسیر جو علم سے کی ہے وہ درست نہیں ہے اس طرح آیت میں تکرار لازم آتا ہے پھر اللہ پاک نے اپنی عظیم قدرت اور کمال قوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمانوں زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے ان کی حفاظت اللہ پر بوجھ نہیں ہے چنانچہ شیخ (رحمہ اللہ) نے یہی تفسیر کی ہے۔

بعد ازاں آیت کریمہ کے آخر میں دو جلیل القدر اوصاف کے ساتھ اپنا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بلند اور عظمت والا ہے، پس العلی وہ ہے، جس میں تمام وجوہ کے لحاظ سے مطلق بلندی حاصل ہو یعنی اس کی ذات بلند ہے اور وہ تمام مخلوقات کے اوپر عرش پر مستوی ہے۔ اور وہ بلند مرتبت ہے اس لئے کہ کمالیت کے تمام اوصاف کا وہ مستحق ہے یہ وصف اس میں اعلیٰ مرتبہ کا ہے۔ وہ غالب ہے یعنی وہ اپنے تمام بندوں پر بلند اور غالب ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ حکیم بھی ہے اور خبر رکھنے والا بھی ہے، اور عظیم وہ ذات ہے جو عظمت کے ساتھ موصوف ہو، دوسری کوئی چیز اس سے زیادہ عظیم نہ ہو وہ نہ جلالت شان میں بڑی ہو پس اللہ پاک کی اس کے پیغمبروں اس کے فرشتوں اور اس کی برگزیدہ ہستیوں کے دلوں میں کامل تعظیم موجود ہے۔



وَقَوْلُهٗ تعالیٰ ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ (الحدید:۳)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول "وہی اول ،آخر، ظاہر اور باطن ہے اور اس کو ہر چیز کا علم ہے"

ھــو الاول: یہ جملہ طرفین کی معرفت کا پتہ دے رہا ہے کہ اللہ سبحانہ ان چار ناموں کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ اس کی عظمت اور جلالت شان کا تقاضا ہے یہ عظمت وجلالت اللہ کے سوا کے لئے ثابت نہیں ہے۔ متکلمین کی عبارتیں ان ناموں کی تفسیر میں واضح نہیں ہیں، لیکن حیرت ہے کہ جب ان کی تفسیر رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہے تو پھر ہم کیوں دیگر تفسیروں کی طرف التفات کریں۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ سے منقول ہے: کہ

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ "كَانَ يَقُوْلُ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ، اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ كُلِّ شَیْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِیْ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ، وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ، وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ، وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنِّی الدَّيْنَ وَاَغْنِنِیْ عَنِ الْفَقْرِ))

"رسول اکرم ﷺ جب اپنے بستر پر لیٹتے تو یہ دعا فرماتے' اے اللہ ساتوں آسمانوں اور زمین کے مالک اور ہر چیز کے مالک دانوں اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والے تورات انجیل قرآن کو نازل کرنے والے، میں تیرے ساتھ ہر شر والی چیز کے شر سے کہ جس کی پیشانی تیرے قبضہ میں ہے پناہ مانگتا ہوں، تو اول ہے کہ تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں، تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، تو باطن ہے

تیرے سوا کوئی چیز نہیں میرا قرض دور فرما اور مجھے فقیری سے بچا کر غنی کر دے۔“ ❶

پس اس تفسیر میں جامعیت اور وضاحت ہے جو اس کی کمال عظمت پر دال ہے اور من کل الوجوہ تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اللہ کا وصف اول و آخر اس کے زمانی احاطہ اور ظاہر و باطن اس کے مکانی احاطہ کو بیان کر رہا ہے۔ جیسا کہ اس کا اسم ظاہر دلالت کر رہا ہے کہ وہ اپنی تمام مخلوقات پر بلند ہے اس سے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔

ان چاروں اسماء کا دارومدار احاطہ پر ہے پس اس کی اولیت اور آخریت نے تمام اوائل و اواخر کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور اسکی ظاہریت اور باطنیت نے بھی ہر ظاہر اور ہر باطن کا احاطہ کیا ہوا ہے پس اس کا نام اول اللہ کے قدم اور ازلیت اور اس کا نام آخر اس کی بقا اور ابدیت اور اس کا نام ظاہر اس کی بلندی اور عظمت، اور اس کا نام باطن اس کے قریب اور اس کی معیت پر دال ہے آیت کے آخر میں جو وصف مذکور ہے وہ اس کے علم کے محیط ہونے کی خبر دیتا ہے کہ اس کا علم تمام گذشتہ موجودہ اور مستقبل کے امور کو حاوی ہے، نیز عالم سفلی، علوی، واجبات، مباحات، محالات سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس کے علم سے زمین آسمان کا ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔

پس یہ تمام آیت اللہ تعالیٰ کی شان بیان کر رہی ہے کہ اللہ سبحانہ اپنی تمام مخلوق کا ہر لحاظ سے احاطہ کئے ہوئے ہیں، اور تمام عالم اس کے قبضہ قدرت میں اس رائی کے برابر ہیں جو کسی انسان کے ہاتھ میں ہے اس سے کوئی چیز سبقت نہیں لے جا سکتی۔

خیال رہے کے ان تمام اوصاف میں لفظ واؤ ذکر کیا ہے حالانکہ تمام اوصاف ایک موصوف کے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ محض زیادہ تاکید اور پختگی کیلئے لفظ واؤ کو لایا گیا ہے، اور جب واؤ وصف متقدم کو پختہ کر رہی ہے تو اس کا لانا مستحسن ہے اس لئے کہ واؤ اوصاف متقابلہ کے درمیان واقع ہے جب کہ وہم ان میں اتصال کو بعید قرار دیتا ہے اس لئے کہ ظاہراً اولیت آخریت کے اور ظاہریت باطنیت کے منافی ہے اس تاکید کی وجہ سے انکار و وہم ختم ہو گیا ہے۔

---

❶ مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب الدعا عند النوم، ح:۲۷۱۳۔ من حدیث خالد به ابو داؤد، کتاب الادب باب ما یقول عند النوم، رقم: ۵۰۵۱.

وَقَوْلُهُ تعالی ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ﴾
وَقَوْلُهُ تعالی ﴿وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

اور اپنے رب پر بھروسہ رکھ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے وہ کبھی نہیں مرے گا
(الفرقان:58)

وہ جاننے والا اور حکمت والا ہے (التحریم:2)

وَتَوَكَّلْ میں یہ جملہ ان آیات سے ہے جن کا مؤلف نے اس لئے ذکر کیا ہے تا کہ اللہ کے بعض اسماء اور صفات کو ثابت کیا جائے' چنانچہ پہلی آیت میں اللہ پاک کے نام اَلْحَیُّ کو ثابت کیا گیا ہے یہ نام اللہ سے موت کے مسلوب ہونے کو متضمن ہے، ہم سابقہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ اللہ پاک زندہ ہے زندگی کی صفت اس کو لذاتہ لازم ہے اس کی ذات پر موت طاری نہیں ہو سکتی اور کبھی بھی اس کی ذات کو زوال نہیں ہے، اللہ کی زندگی اکمل زندگی ہے اور جب وہ اکمل ہے تو اس کے لئے ہر کمال ثابت ہے ظاہر ہے کہ کمال کی نفی سے کمال زندگی کی نفی ہوتی ہے۔

دیگر آیات سے علم اور اس کی مشتقات کی صفتیں ثابت ہوتی ہیں مثلاً وہ علیم ہے وہ علم رکھتا ہے اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے، علم اللہ کا ایسا وصف ہے جس کے ساتھ تمام معلومات کا اپنی اصل ماہیت کے لحاظ سے ایسا ادراک ہوتا ہے کہ کوئی چیز مخفی نہیں رہتی جیسا کہ پہلے بھی اس کا بیان گزر چکا ہے۔

نیز ان آیات سے اللہ پاک کا نام حکیم بھی معلوم ہو رہا ہے، یہ لفظ حکمت سے ماخوذ ہے، حکمت کا معنی یہ ہے کہ ہر بات درست اور ہر فعل درست ہے بلکہ اللہ پاک سے کوئی بے فائدہ اور غلط کام سرزد نہیں ہوتا، اس کا ہر قول ہر حکم بلکہ تمام قسم کا خلق اس کی حکمت کے تابع ہے۔ حکیم کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حکیم کا معنی محکم کا ہے کہ اللہ پاک اشیاء کو مضبوط بنانے والا ہے، چنانچہ اس کے خلق میں تفاوت نہیں اور نہ ہی کچھ نقص ہے۔ اسی طرح اس کی تدبیر میں کچھ خرابی نہیں اور نہ ہی اضطراب ہے۔ نیز آیات میں اس کے نام میں خبیر کا اثبات بھی ہے اس کا اشتقاق خِبْرَۃٌ سے ہے جس کا معنی علم کا کمال پختگی اور مخلوقات کا بالتفصیل احاطہ ہے یعنی اس کا علم ہر مخفی دقیق محسوسات اور معنویات پر بھی حاوی ہے۔

وَقَوْلُهُ ﷻ ﴿وَهُوَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ﴾ وَقَوْلُهُ ﷻ ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا﴾

اور وہ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے

جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے۔(الحدید:4)

وَقَوْلُهُ ﷻ ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝﴾

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے(الانعام:59)

اللہ پاک نے ان آیات میں بعض ایسے اوصاف کا ذکر کیا ہے جن میں اللہ کا علم اتنا حاوی اور شامل ہے کہ وہاں مخلوق کے علم کو رسائی حاصل نہیں، چنانچہ ذکر کیا کہ وہ ان دانوں بیجوں پانیوں کیڑوں مکوڑوں اور کانوں کا علم رکھتا ہے جو زمین کے اندر ہیں، نیز وہ ان کھیتوں، درختوں، چشموں اور زمین سے نکلنے والی مفید چیزوں کا بھی علم رکھتا ہے، نیز آسمان سے گرنے والی برف بارش بجلیوں اور نازل ہونے والے فرشتوں کو جانتا ہے اسی طرح آسمان پر چڑھنے والے فرشتے، اعمال ٹولیوں میں اڑنے والے پرندوں وغیرہ کا بھی علم رکھتا ہے اس کی شان بہت بلند ہے۔

ان آیات میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ اللہ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کا علم صرف اسی کو ہے بعض نے کہا کہ اس سے مراد غیب کے خزانے ہیں بعض نے کہا اس سے مراد وہ ذرائع اور اسباب ہیں جن کی وساطت سے غیب کے خزانوں تک پہنچا جا سکتا ہے۔اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا غیب کے خزانے پانچ ہیں اللہ کے علاوہ ان کا کسی کو علم

وَقَوْلُهُ تعالیٰ ﴿ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ﴾ (فاطر:١١)

اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر سب کچھ اس کے علم میں ہے۔

وَقَوْلُهُ تعالیٰ ﴿ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾ (الطلاق:١٢)

تا کہ تم لوگ جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔

نہیں ہے بعدازاں درج ذیل آیت کی تلاوت کی:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾ (لقمان:٣٤)

''اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی حاملہ کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے کہ نر ہے یا مادہ' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی بے شک اللہ ہی جاننے والا اور خبردار ہے۔''[1]

آخری دونوں آیتیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ پاک علم کی صفت کے ساتھ موصوف ہے علم اس کی ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے معتزلہ اس صفت کی نفی کرتے ہیں، بعض کا قول ہے کہ اللہ بذاتہ عالم بھی ہے اور قادر بھی، جبکہ بعض دیگر اللہ کے اسماء کی تفسیر میں سلبی معانی کے پہلو اختیار کرتے ہیں چنانچہ وہ اس نظریہ کے حامل ہیں کہ اللہ کے علیم ہونے سے مقصود یہ ہے کہ وہ جاہل نہیں ہے اور قادر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عاجز نہیں ہے۔

[1] بخاری، کتاب التفسیر باب "وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو: ٤٦٢٠.

تاہم آیات ان کے نظریہ کا رد کر رہی ہیں جبکہ ان آیات میں اللہ پاک نے اعلان فرمایا ہے کہ اس کا علم ہر مادہ کے حمل اور اس کے وضع حمل کے وقت اور جگہ سب پر حاوی ہے جیسا کہ اللہ پاک نے اپنی قدرت کے بارے میں اعلان فرمایا کہ اس کی قدرت کا تمام ممکن اشیاء کے ساتھ تعلق ہے نیز اس کا علم تمام اشیاء کو محیط ہے۔

امام عبدالعزیز کا قول: اس بارے میں امام عبدالعزیز مکی کا قول حقیقت کی بہترین عکاسی کرتا ہے انہوں نے اپنی کتاب (الحیدہ) میں بشر مریسی معتزلی کے ساتھ مناظرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''کہ اللہ عزوجل نے اپنے کلام پاک میں کسی مقرب فرشتے اولوالعزم پیغمبر پرہیزگار مومن انسان کی تعریف کرتے ہوئے اس سے جہالت کی نفی نہیں کی ہے تاکہ اس کے لئے علم ثابت ہو جائے، بلکہ ان کی تعریف کرتے ہوئے ان کے لئے اولاً ہی علم ثابت کیا جائے ظاہر ہے کہ ان کے لئے علم ثابت کرنے سے بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان میں جہالت نہ تھی' لیکن جہالت کی نفی سے تو علم ثابت نہیں ہوتا''

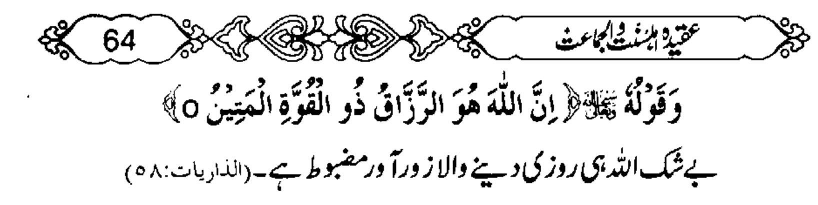
اللہ پاک کے علم پر عقلی دلیل: عقل باور نہیں کرتی کہ جہل کی موجودگی میں اشیاء کو معرض وجود میں لایا جا سکے اس لئے کہ اشیاء کو معرض وجود میں لانا ارادہ کے تابع ہے' اور ارادہ علم کو مستلزم ہے اسی لئے فرمایا: ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝﴾ (الملك۔١٤)

''کیا وہ نہیں جانتا جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور وہ بڑا باریک بین ہر چیز سے باخبر ہے''

دوسری عقلی دلیل: مخلوقات میں پختگی تعجب انگیز کاریگری اور دقیقہ سنجی اس بات پر گواہ ہے کہ ان کا صانع ان کا علم رکھتا ہے ورنہ علم کے بغیر تو ان حیران کن عجائبات کا معرض وجود میں آنا ممکن نہیں۔

تیسری عقلی دلیل: ہم دیکھتے ہیں کہ مخلوقات میں بھی وصف علم موجود ہے اور علم کامل اکمل وصف ہے، اگر اللہ پاک کو وصف علم کے ساتھ موصوف تسلیم نہ کیا جائے تو مخلوقات میں ایسے افراد ہیں جو اللہ سے زیادہ کامل ہیں جن میں علم موجود ہے۔ جب کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مخلوقات کا علم خالق سے اخذ کیا گیا ہے اور جو ذات مخلوق کو ایک کمال چیز کا عطیہ دیتی ہے وہ ذات خود بھی تو اس کمال کی حق دار ہوتی ہے۔

علم باری تعالیٰ کے بارے میں فلاسفہ کا نقطہ نظر اور ان کا رد: فلاسفہ کا نقطہ نظر اللہ پاک کے



وَقَوْلُهٗ تعالیٰ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴾

بے شک اللہ ہی روزی دینے والا زورآور مضبوط ہے۔(الذاریات:۵۸)

علم کے بارے میں یہ ہے کہ اللہ کو جزئیات کا علم نہیں البتہ کلیات کا علم ہے ان کے اس بوگس نظریہ کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کو کسی چیز کا علم نہیں اس لئے کہ خارج میں تو جزئیات ہی کا وجود ہے کلیات کا نہیں ہے وہ تو ذہن میں غالی نظریات کے علمبردار قدریہ بھی کہتے ہیں کہ جب لوگ کوئی کام کر لیتے ہیں تب اللہ کو ان کے کام کا علم ہوتا ہے پہلے نہیں ہوتا، دراصل وہ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ اگر اللہ نے ان کے کاموں کا ان کے کرنے سے پہلے علم ہو تو لازم آتا ہے کہ اللہ نے ان کو اس کام پر مجبور کیا' ان کا یہ خیال کسی بھی مذہب کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔

اللہ کا وصف رزاقیت: رزاق کا اشتقاق رزق سے ہے مبالغہ کے لئے ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو نہایت فراوانی اور کثرت کے ساتھ مسلسل رزق پہنچاتا رہتا ہے خیال رہے ہر وہ فائدہ جو اللہ پاک کی جانب سے بندوں کو پہنچ رہا ہے وہ رزق ہے عام ہے کہ وہ مباح ہو یا غیر مباح ہو مقصد یہ ہے کہ جس پر ان کی معیشت کا انحصار ہے' ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴾ (ق:۱۰)

''اور کھجور کے لمبے لمبے درخت جن کے خوشے (پھل) سے بندھے ہوتے ہیں''

نیز فرمایا:

﴿ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴾ (الذاریات:۲۲)

''اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے''

البتہ جس رزق کو استعمال میں لانا مباح ہے وہ حلال ہے دوسرا حرام ہے البتہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ پاک ہی اپنے بندوں کو رزق پہنچاتا ہے یہی وجہ ہے کہ متن میں جو آیت ذکر کی گئی ہے وہ جملہ اسمیہ ہے معرف باللام ہے نیز اس میں ضمیر فصل ہے جو اختصاص کے مفہوم کو ثابت کر رہی ہے۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ''مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ

وَقَوْلُهٗ تعالیٰ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ o﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (الشوری:11)

آیت یوں پڑھائی تھی ((اِنِّیْ اَنَا الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ o)) جب کہ قرآن پاک میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ o﴾ ہے۔[1]

اللہ کا وصف ذوالقوۃ اور متین: ذوالقوۃ اور قوی مترادف ہیں البتہ ذوالقوۃ کے معنی میں مبالغہ ہے. یعنی اللہ کی قوت میں کمی یا کمزوری راہ نہیں پا سکتی اور متین کا اشتقاق متانت سے ہے اس کا معنی مضبوط ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی شدید کیا ہے کہ وہ سخت مضبوط ہے۔[1]

اللہ پاک کے مثل کی نفی: یاد رہے کہ اللہ پاک کے مثل کی نفی کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ اس کی صفات نہیں ہیں جیسا کہ معطلہ اللہ پاک کی صفات کی نفی اسی اصل کی بنیاد پر کرتے ہیں لیکن ان کا استدلال درست نہیں ہے اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی صفات اور مخلوق کی صفات میں مماثلت نہیں ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا قول: اللہ پاک کے مثل کی نفی سے مقصود یہ ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں کوئی ایسا معبود بھی نہیں جو اللہ کی عبادت اور تعظیم کا مستحق ہو جیسا کہ مشبہ اور مشرکین اس کا شریک مانتے ہیں اس سے مقصود اللہ کی صفات کمال **علو علی الخلق** کی نفی نہیں ہے نہ ہی کتابوں کے ذریعہ اس کے کلام کرنے اور پیغمبروں کے ساتھ کلام کرنے اور قیامت کے دن ایمانداروں کے لئے اللہ کی رؤیت وغیرہ اس قدر واضح جیسا کہ جب مطلع صاف ہو گرد و غبار نہ ہو سورج چاند کو دیکھتے ہو کی نفی نہیں ہے۔

---

[1] صحیح اخرجه الترمذی القراءات عن رسول اللہ ﷺ باب ومن سورة الذاريات، ح: ۲۹۴۰۔ وقال حسن صحيح وقال الالبانی فی صحیح الترمذی: ۲۳۴۳۔ صحیح المتن وهذه قراءة شاذة.

[1] تفسیر ابن جریر، اس کی سند منقطع ہے کیونکہ ضعیف، علی بن ابی طلحہ کی (سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

[1] صحیح اخرجه الترمذی القراءات عن رسول اللہ ﷺ باب ومن سورة الذاريات، ح: ۲۹۴۰۔ وقال حسن صحيح وقال الالبانی فی صحیح الترمذی: ۲۳۴۳۔ صحیح المتن وهذه قراءة شاذة.

وقولہ ﷻ ﴿إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝﴾

(النساء:۵۸)

اللہ تعالیٰ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے دیکھنے کی صفت اللہ کے لئے ثابت ہے جیسا کہ اس کے کے لائق ہے۔

اللہ کا سمیع بصیر ہونا: اللہ پاک تمام آوازوں کا ادراک کرتا ہے خواہ وہ کتنی ہی پست کیوں نہ ہوں وہ پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو سنتا ہے اس کا سمیع ہونا ایسی صفت ہے جو مخلوق کی سننے کی صفت کے مماثل نہیں ہے۔ اللہ کے بصیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام مرئی چیزوں کا ادراک کرنے والا ہے خواہ وہ اشخاص ہوں یا رنگ ہوں خواہ وہ اپنے وجود کے لحاظ سے لطیف ہوں یا نظروں سے دور ہوں درمیان میں پردے حائل ہوں کہ پردے رکاوٹ نہیں بن سکتے متن میں مذکورہ آیت سے

سنن ابو داؤد میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ''نبی ﷺ نے درج ذیل آیت کی تلاوت کی: ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ اس کے بعد آپ نے اپنا انگوٹھا اپنے کان پر اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اپنی آنکھ پر رکھی۔''

اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک قوت سمع سے سنتا ہے آنکھ کے ساتھ دیکھتا ہے، اس حدیث سے ان اشاعرہ کے نقطۂ نظر کی تردید ہو رہی ہے جو اللہ کی قوت سمع سے مراد مسموعات کے بارے میں اللہ کا علم لیتے ہیں اور قوت بصر سے مراد مبصرات کے بارے میں اللہ کا علم مراد لیتے ہیں ان کی تفسیر غلط ہے، اس لئے کہ نابینا انسان بھی آسمان کے وجود کا علم تو رکھتا ہے لیکن دیکھتا نہیں ہے اور بہرہ انسان آوازوں کے وجود کا علم تو رکھتا ہے لیکن سنتا نہیں ہے گویا کہ ان لوگوں کے نقطۂ نظر سے اللہ پاک ان لوگوں کے برابر ہوا جو نابینا اور بہرے ہیں۔

ارادہ اور مشیئت: متن میں مذکورہ آیت سے اللہ پاک کی صفت ارادہ اور مشیئت ثابت ہو رہی ہے ان کے اثبات میں کثرت کے ساتھ نصوص موجود ہیں۔

اشاعرہ کا مذہب: صرف ایک ارادہ کے قائل ہیں جس کو قدیم کہتے ہیں اس معنی میں کہ وہ ارادہ ازل سے تمام ان چیزوں کے ساتھ متعلق ہے جن کا ارادہ کیا گیا ان کا مذہب باطل ہے اس

کے لئے ان کے مذہب کے مطابق جس چیز کا ارادہ کیا گیا ہے اس کا ارادہ سے پیچھے رہنا ثابت ہوتا ہے اور یہ ناممکن ہے۔

معتزلہ کا مذہب: چونکہ وہ صفات الٰہیہ کے منکر ہیں اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ حادث ہے اس کا محل نہیں ہے اس سے لازم آتا ہے کہ صفت ارادہ اپنے ساتھ قائم ہو جب کہ اس سے بڑھ کر شائد کوئی غلط چیز نہ ہو۔

اہل سنت والجماعت کا نقطہ نظر: یہ لوگ اللہ کی صفات تسلیم کرتے ہیں اور ارادہ کی دو قسمیں ثابت کرتے ہیں ایک قسم ارادہ کونیہ ہے لفظ مشیت اس کا ہم معنی ہے۔

ارادہ کونیہ اور مشیت: ان دونوں کا تعلق ہر اس چیز کے ساتھ ہے جس کے کرنے اور اس کو وجود میں لانے کا ارادہ اللہ کرتا ہے اور چاہتا ہے پس اللہ پاک جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے ارادہ کے بعد معرض وجود میں آ جاتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ o﴾ (یٰس: ۸۲)

''جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے''

صحیح حدیث میں ہے: ((جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا)) [1]

دوسری قسم ارادہ شرعیہ: اللہ کا ارادہ شرعیہ ان کاموں کے ساتھ متعلق ہے جن کاموں کے کرنے کا اللہ حکم دیتا ہے جن کو وہ محبوب جانتا ہے اور پسند کرتا ہے۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ۱۸۵)

''اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا''

خیال رہے کہ ارادہ کونیہ اور شرعیہ میں تلازم نہیں ہے ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔ ارادہ کونیہ اس لحاظ سے عام ہے کہ اس کا تعلق ان امور کے ساتھ بھی ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا جیسے کفر اور اللہ کے احکام کی نافرمانی کرنا وغیرہ، اور اس لحاظ سے خاص ہے کہ اس کا

[1] اسنادہ ضعیف، اخرجہ ابوداود، الادب، باب مایقول اذا اصبح، ح: ۵۰۷۵۔ والنسائی، فی الکبری، ح: ۹۸٤۰۔ وعمل الیوم واللیلہ، ح: ۱۲۱۔ من حدیث عبداللہ بن وھب بہ عبدالحمید مولی بنی ھاشم لم یوثقہ غیر ابن حبان.

وَقَوْلُهُ ﷻ ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (الکهف: ٣٩)

''اور بھلا جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کیوں نہ کہا''

وَقَوْلُهُ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ باہم جنگ وقتال نہ کرتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (البقرۃ: ٢٥٣)

تعلق کافر کے ایمان لانے اور فاسق کے اطاعت کرنے کے ساتھ نہیں ہے، اور ارادہ شرعیہ اس لحاظ سے عام ہے کہ اس کا تعلق ہر اس چیز کے ساتھ ہے جس کا حکم دیا گیا ہے خواہ وہ واقعتاً موجود ہے یا نہیں، اور اس لحاظ سے خاص ہے کہ ارادہ کونیہ کے تحت سرانجام پانے والا فعل کبھی ایسا فعل ہوتا ہے جس کا حکم نہیں دیا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ارادہ کونیہ اور شرعیہ دونوں مومن کے ایمان اور اطاعت کرنے والے کی اطاعت میں جمع ہیں اور کافر کے کفر میں نافرمان کی نافرمانی میں صرف ارادہ کونیہ ہے اور کافر کے ایمان لانے اور نافرمان کے اطاعت کرنے میں صرف ارادہ شرعیہ ہے۔

ارشاد ربانی: ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ﴾ کی مختصر تشریح: اس آیت میں ایک ایماندار شخص کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس نے اپنے کافر ساتھی کو وعظ کیا اور کہا جو دو باغات کا مالک تھا کہ وہ اللہ پاک کے احسانات کا شکریہ ادا کرے اور اللہ کی مشیت کا اعتراف کرے اپنی کوشش اپنی قوت پر فخر نہ کرے اس لئے کہ اس میں بھی جو قوت ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے۔

ارشاد ربانی: ''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا'' کی مختصر تشریح: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبروں کے پیروکاروں میں حسد اور دشمنی کی وجہ سے اختلاف کی دیوار حائل ہوگئی یہ سب اللہ کی مشیت سے ہوا اگر اللہ عزوجل نہ چاہتے تو نہ ہوتا لیکن اس نے چاہا تو اس کی چاہت کے مطابق ایسا ہوا۔

وقولہ تعالیٰ ﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾

تمہارے لئے چار پائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیئے گئے ہیں بجز ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں مگر احرام (حج) میں شکار کو حلال نہ جاننا اللہ جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے (المائدۃ: ۱)

وَقَوْلُهٗ تعالیٰ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ (الانعام: ۱۲۵)

تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا کہ وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے

ارشاد ربانی: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ﴾ کی مختصر تشریح: اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ کی مخلوق ہیں، جس شخص کو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کو توفیق دینا چاہتا ہے اس کے سینے میں انشراح پیدا فرماتا ہے یعنی اس کا دل منور ہو جاتا ہے اس میں انبساط کی لہر دوڑ جاتی ہے اس میں فراخی آ جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اور جس شخص کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے توفیق سے محروم رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اتنا تنگ کر دیتا ہے کہ اس میں ایمان کی روشنی داخل نہیں ہو سکتی اس کو اس شخص سے تشبیہ دی ہے۔ جو آسمان کی جانب بالائی کی طرف جا رہا ہے جیسا کہ اس کا سینہ تنگ ہوتا جاتا ہے۔

مذکورہ تین آیات کی وضاحت کے ضمن میں اللہ کی محبت کی وضاحت ان آیات سے اللہ تعالیٰ کے افعال کا ثبوت ملتا ہے اور افعال کا صدور محبت کی وجہ سے ہے محبت اللہ کی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور اختیاری ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ بعض انسانوں بعض اعمال اور بعض اخلاق کو محبوب جانتا ہے محبت کا تعلق بھی اس کی مشیت کے ساتھ ہے اس کی حکمت بالغہ جس چیز کو محبوب جاننے

کی متقاضی ہوتی ہے وہ اس کو محبوب جانتا ہے' لیکن اشاعرہ اور معتزلہ صفت محبت کا انکار کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ محبت سے نقص لازم آتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک شخص کسی چیز کو محبوب سمجھتا ہے تو اس کا اس کی طرف میلان ہوتا ہے اور وہ اس کو لذیذ سمجھتا ہے معلوم ہوا کہ محبت سے عیب لازم آتا ہے اور اللہ عیب اور نقص سے پاک ہے' لیکن اشاعرہ محبت سے ارادہ مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے محبت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اس کی عزت کرتا ہے اسے ثواب عطا کرتا ہے اسی طرح صفت رضا' غضب' کراہیت اور ناراضگی وغیرہ کا مفہوم بھی یہی ہے کہ وہ جزا اور سزا کا ارادہ کرتا ہے۔ البتہ معتزلہ محبت کی تاویل ارادہ سے نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ تو ارادہ کی بھی نفی کرتے ہیں' ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ محبت عین اس ثواب دینے کا نام ہے جو اللہ پر واجب ہے کہ اطاعت گزار لوگوں کو عطا کرے ان کے ہاں اللہ پر واجب ہے کہ وہ فرمانبردار کو انعامات عطا فرمائے اور نافرمانوں کو عذاب میں گرفتار کرے۔

اھل سنت والجماعت کا موقف: ان کے ہاں محبت اللہ کی حقیقی صفت ہے جیسا کہ اس کی ذات کے ساتھ لائق ہے اس کے اثبات سے نہ اللہ کی ذات میں کچھ نقص راہ پاتا ہے اور نہ ہی مماثلت کا خطرہ پیش آتا ہے۔ بعینہ اس طرح اھل سنت والجماعت محبت کے لازم کو بھی تسلیم کرتے ہیں لازم سے مراد اللہ پاک جن لوگوں کو محبوب جانتا ہے ان کے انعام واکرام کا ارادہ کرتا ہے پس کچھ سمجھ نہیں آتی کہ کس لئے اشاعرہ اور معتزلہ اللہ کی صفت محبت کا انکار کرتے ہیں جبکہ صحیح حدیث میں اللہ کی صفت محبت کا ذکر ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا قَالَ لِجِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنِّيْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ قَالَ فَيَقُوْلُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِاَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ رَبَّكُمْ عَزَّوَجَلَّ يُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ قَالَ فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ وَيُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْاَرْضِ وَاِذَا اَبْغَضَهُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ"

''بیشک اللہ عزوجل جب کسی بندے کو محبوب گردانتے ہیں تو جبریل علیہ السلام سے گویا ہوتے ہیں کہ میں فلاں نام کے انسان کو محبوب جانتا ہوں تو بھی اسے محبوب سمجھ (راوی بیان کرتے ہیں اس پر) جبریل علیہ السلام آسمان پر رہنے والوں سے کہتے ہیں تمہارا رب

وَقَوْلُهٗ ﷻ ﴿وَأَحْسِنُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝﴾ (البقرة:١٩٥)

اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَأَقْسِطُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾ (الحجرات: ٩)

اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

عزوجل فلاں انسان کو محبوب گردانتا ہے تم بھی اس کو محبوب سمجھو (راوی بیان کرتے ہیں) آسمان پر رہنے والے اس سے محبت کرتے ہیں اور زمین میں اس کی مقبولیت ہو جاتی ہے اور جب کسی شخص کو مبغوض سمجھتے ہیں اسی طرح اس کا ذکر ہے''[1]

ارشاد ربانی ''وَاَحْسِنُوْا'' الآیہ کی مختصر تشریح: اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ ہر کام میں احسان ملحوظ خاطر رہے خصوصاً علم کے ابلاغ میں کوتاہی نہ کرو پوری قوت کے ساتھ احکام الٰہیہ سے لوگوں کو روشناس کراؤ ہر گز بخل سے کام نہ لو نیز اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مال خرچ کرنے میں فضول خرچی سے بھی بچو اور بخل سے بھی کنارہ کش رہو اعتدال کی راہ اختیار کرو ایسے معتدلانہ رویے کے اپنانے کا ذکر سورۃ فرقان میں ہے ملاحظہ فرمائیں خیال رہے کہ ''فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' جملہ ''اَحْسِنُوْا'' کی علت ہے ظاہر ہے کہ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ احسان اللہ کی محبت کا متقاضی ہے تو وہ نہایت تیزی کے ساتھ اس کو اپنانے کی کوشش کریں گے۔

ارشاد ربانی وَاَقْسِطُوْا (الآیۃ) کی مختصر تشریح: اس آیت میں ایمانداروں کے دو جھگڑنے والے فریقوں کے درمیان انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے' خیال رہے کہ اقساط کا اشتقاق قسط (اس نے ظلم کیا) سے ہے باب افعال میں همزہ سلب کے لئے ہے ظاہر ہے کہ ظلم کا سلب عدل ہے چنانچہ اسی بنیاد پر اللہ کا نام مُقْسِطٌ (انصاف کرنے والا) ہے آیت مذکورہ میں عدل کی ترغیب موجود ہے اور اس کی فضیلت کا ذکر ہے نیز عدل اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب التوحید، باب کلام الرب مع جبریل و نداء الله الملائكة، ح: ٧٤٨٥۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب اذا احب الله عبدا حببه الى عباده، ح: ٢٦٣٧.

﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ○﴾

(التوبہ:۷)

اگر وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تو تم بھی اپنے قول وقرار (پر) قائم رہو بیشک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ○﴾ (البقرۃ: ۲۲۲)

کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ارشاد ربانی: ’’فما استقاموا‘‘ الایۃ کی تشریح: مقصود یہ ہے کہ جب تمہارا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو جائے جیسا کہ وہ لوگ ہیں جن سے تم نے مسجد حرام کے جوار میں معاہدہ کیا تو تم نے جتنی مدت کا معاہدہ کیا تھا اس مدت تک تم بھی ان کے ساتھ درست رہو اگر وہ تمہارے ساتھ درست رہیں، بعد ازاں اس امر کی علت بیان ہوئی کہ اللہ پاک تقوی اختیار کرنے والوں کو محبوب جانتا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام کاموں میں پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں تمام کاموں میں معاہدات کا نہ توڑنا بھی داخل ہے۔

ارشاد ربانی ’’إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ‘‘ الایۃ کی مختصر تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ پاک محبوب جانتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو کثرت کے ساتھ توبہ کرتے رہتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی مانگتے ہیں کثرت توبہ کی وجہ سے وہ معنوی نجاستوں سے پاک ہو جاتے ہیں اور ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔

نیز اس سے مراد وہ لوگ بھی ہیں جو ظاہری طہارت میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں ظاہری نجاستوں سے اپنے وجود کو پاک صاف رکھتے ہیں وضو اور غسل سے اپنے جسم کو معنوی اور حکمی نجاستوں سے پاک کرتے ہیں۔ صحیح مسلم میں سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

((إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ))

﴿قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (المائدہ: ۵۴)

(اے پیغمبر ﷺ لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا۔

تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝﴾ (الصف: ۴)

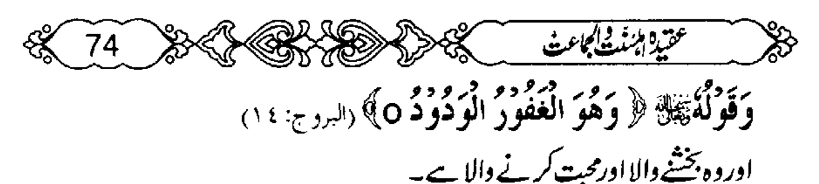
جو لوگ اللہ کی راہ میں (ایسے طور پر) پاؤں جما کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں وہ محبوب کردگار ہے۔

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق اللہ نے فرض قرار دیا ہے کہ ہر چیز کے ساتھ احسان روا رکھو جب تم کسی کو قتل کرو تو قتل میں بھی اچھا رویہ اختیار کرو' اور جب ذبح کرو تو ذبح کرنے میں بھی احسان کرو' (ذبح کرتے وقت) چھری تیز کر لیا کرو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔''[1]

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حیض کی حالت میں عورتوں سے دور رہتے ہیں۔ نیز عورتوں کے دبر سے بچاؤ اختیار کرتے ہیں لیکن مناسب یہ ہے کہ آیت کو عموم پر محمول کیا جائے۔

ارشاد ربانی: ''قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ'' الآیۃ کی مختصر تشریح: اس آیت کے شان نزول میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے دعوی کیا کہ وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں ان کے امتحان کے لئے اللہ نے اس آیت کو نازل فرمایا' اس آیت میں اللہ نے اپنے ساتھ محبت کی علامت اس بات کو قرار دیا کہ جو شخص اس کے پیغمبر کی اتباع کرے گا اس کی اللہ کے ساتھ صحیح محبت ہے پس اس محبت کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی جائے اور اس کی سنت پر عمل پیرا ہوا جائے۔

[1] مسلم، کتاب الصید باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرۃ، ح: ۱۹۵۵۔



وَقَوْلُهٗ تعالیٰ ﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝ ﴾ (البروج: ١٤)

اور وہ بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔

ارشاد ربانی: ''وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ'' الآیۃ کی مختصر تشریح: اس آیت میں اللہ کے اسماء حسنی میں سے دو ناموں کا ذکر ہے وہ غفور اور ودود ہیں۔

غَفُوْرٌ کا اشتقاق غفر سے ہے' غفور میں مبالغہ ہے یعنی اللہ وہ ذات ہے جو اپنے گناہ گار بندوں پر کثرت کے ساتھ پردہ پوشی کرتا ہے۔ اور ان کا مواخذہ نہیں کرتا۔ خیال رہے کہ غفر میں ڈھانپنے کا معنی پایا جاتا ہے چنانچہ عربی زبان میں عام محاورہ ہے ''اَلصَّبْغُ اَغْفَرُ لِلْوَسْخِ'' (رنگ میل وکچیل کو چھپا دیتا ہے) اس سے مغفر لوہے کی ٹوپی پر بولا جاتا ہے کہ وہ سر کو چھپا لیتی ہے۔

ودود کا اشتقاق ود سے ہے ود کا معنی خالص محبت جس میں لطافت کارفرما ہو جب ودود فاعل کے معنی میں ہوگا تو اس کا مفہوم ہوگا کہ اللہ پاک اطاعت کرنے والوں سے خلوص کی محبت فرماتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں ان کو اپنے مقربین میں شامل فرماتے ہیں اور جب ودود مفعول کے معنی میں ہوگا تو اس کا مفہوم ہوگا کہ اللہ پاک سے بہت زیادہ محبت کی جاتی ہے اس لئے کہ اس کے احسانات بہت ہیں اور اس لائق ہے کہ اسکی مخلوق اس سے محبت کرے اسکی عبادت کرے اور اسکی حمد وثناء کرے۔

اللہ کی صفت رحمت اور علم کا ذکر: بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اس کے بعد کی آیات میں اللہ کے دو ناموں رحمان اور رحیم کا ذکر ہے اور اللہ کی صفت رحمت اور علم کا ذکر ہے۔ ان دونوں ناموں کی تشریح اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے یہ بات واضح ہے کہ رحمان اللہ کی صفت ہے اور رحیم اس کی فعلی صفت ہے' لیکن اشاعرہ اور معتزلہ اللہ کی صفت رحمت کا انکار کرتے ہیں تو وہ اس کی توجیہ بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ مخلوق میں صفت رحمت ضعف اور کمزوری کا پتہ دیتی ہے اور مرحوم کی غمخواری کا نشان ہے' ان کی توجیہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کی طرف التفات کیا جائے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مضبوط توانا قسم کے لوگ کمزور لوگوں پر

﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا﴾ (المؤمن: ۷)

اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

رحم کھاتے ہیں اور ان کی دلجوئی کرتے ہیں ان میں ضعف اور کمزوری کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا بلکہ اس کے برعکس وہ نہایت قوی اور صاحب قدرت ہوتے ہیں کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ کس طرح ایک مضبوط قوی انسان اپنے خورد سال بچوں اور اپنے بوڑھے والدین اور اپنے سے کمزور لوگوں پر کس قدر شفیق اور رحیم ہوتا ہے خیال رہے کہ ضعف اور کمزوری تو مذموم اوصاف میں شمار ہوتے ہیں جب کہ رحمت و رافت ایسے اوصاف ہیں جن کے ساتھ اللہ پاک نے اپنی ذات کو موصوف قرار دیا ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جن میں یہ اوصاف موجود ہیں مزید براں انہیں حکم دیا ہے کہ وہ رحمت و رافت کی لوگوں کو وصیت کرتے رہیں۔

ارشاد ربانی "رَبَّنَا وَسِعْتَ" الآیۃ کی مختصر تشریح: اللہ پاک کے اس کلام میں دراصل حاملین عرش اور عرش کے ارد گرد متعین فرشتوں کے اس اعتراف کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کی ربوبیت، وسعت علمی، رحمت و رافت کا توسل اختیار کرتے ہوئے ایمانداروں کے لئے مغفرت کی دعا مانگ رہے ہیں، خیال رہے ان فرشتوں نے اپنی دعا میں جن اوصاف کو وسیلہ کی صورت میں پیش کیا ہے اس کو نہایت عمدہ وسیلہ سمجھا جاتا ہے جس سے دعا کی مقبولیت کی قوی امید کی جاسکتی ہے اس آیت میں رحمت اور علم تمیز کی بناء پر منصوب ہیں لیکن دراصل یہ دونوں فاعل ہیں مفہوم یہ ہے کہ تیری رحمت اور تیرا علم ہر ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہیں چنانچہ دنیا میں اللہ پاک کی رحمت مومن کافر نیکوکار بدکار سبھی پر ہے البتہ قیامت کے دن پرہیزگاروں کے ساتھ خاص ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

﴿فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَوٰةَ﴾ الأية (الاعراف: ۱۵۶)

"میں اس کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں"

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ (الاحزاب : ٤٣)

اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے۔

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف : ١٥٦)

اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام : ٥٤)

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔

﴿وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (یوسف: ٦٤)

اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (یونس: ١٠٧)

اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ الآية (الانعام: ٥٤)

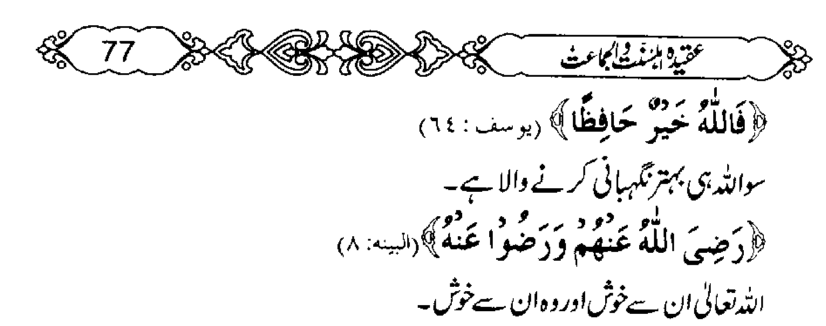
''یعنی اللہ پاک نے اپنی ذات پر مہربانی اور احسان کو واجب کرلیا ہے کسی نے اس پر واجب نہیں کیا۔''

صحیحین میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے

((إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا خَلَقَ الْخَلْقَ كَتَبَ كِتَابًا فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ أَوْ تَسْبِقُ غَضَبِي))

''بیشک اللہ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا اس نے تحریر کیا وہ تحریر اللہ کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی یا سبقت لے جائے گی۔''[1]

[1] مسلم، کتاب التوبة [illegible] في سعة رحمة الله وانها سبقت غضبه، ح: ٢٧٥١.



﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا﴾ (یوسف : ٦٤)

سو اللہ ہی بہتر نگہبانی کرنے والا ہے۔

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (البینہ: ٨)

اللہ تعالیٰ ان سے خوش اور وہ ان سے خوش۔

ارشاد ربانی ہے: "فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا" کی مختصر تشریح:

حافظ اور حفیظ کا اشتقاق حِفْظٌ سے ہے اس کا معنی حفاظت کرنا ہے، مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک اپنے بندوں کی حفاظت فرماتے ہیں ان کی روزی کے اسباب فراہم فرماتے ہیں انہیں تباہی و بربادی کے اسباب سے محفوظ رکھتے ہیں اسی لئے ان کے اعمال کی حفاظت فرماتے ہیں ان کی باتوں کا احصاء فرماتے ہیں اور اپنے مقربین اولیاء کی خصوصیت کے ساتھ حفاظت فرماتے ہیں انہیں گناہوں کے مواقع سے بچاتے ہیں اور شیطان کے مکروفریب سے انہیں حفاظت میں رکھتے ہیں اور ان تمام چیزوں سے جو انہیں دنیا وآخرت پر ضرر رساں ہوسکتی ہیں ان سے بچاتے ہیں' خیال رہے آیت مذکورہ میں حافظا تمیز اور خیر اسم تفضیل ممیز ہے۔

ارشاد ربانی: "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ" الآیۃ کی مختصر تشریح: ان آیات میں اللہ پاک کی بعض صفات فعلیہ کا ذکر ہے مثلاً اللہ کی رضا ناراض ہونا لعنت بھیجنا برا جاننا خشمگیں ہونا غصے میں آنا افسوس کرنا وغیرہ، اہل سنت والجماعت کے ہاں یہ تمام مذکورہ صفات اللہ عزوجل کی حقیقی صفات ہیں جیسا کہ اس کی ذات کے ساتھ لائق ہیں لیکن اللہ کی صفات کو مخلوق کی الصفات کے مشابہ قرار نہیں دیا جاسکتا اور ان صفات کی وجہ سے مخلوق پر جو کچھ لازم آتا ہے اللہ پاک کی ذات پر لازم نہیں آتا' اشاعرہ ان کا انکار کرتے ہیں لیکن انکار کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

دراصل وہ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ اگر اللہ پاک کے لئے ان صفات کو ثابت کر دیا گیا تو جس طرح یہ صفات مخلوق میں پائی جاتی ہیں اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ میں بھی پائی جائیں گی ان کا یہ خیال باطل ہے اس باطل خیال نے انہیں تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا بلکہ انہیں انکار صفات' اور تعطیل کے دلدل میں داخل کر لیا اور اشاعرہ ان تمام صفات سے مراد ارادہ لیتے ہیں جیسا کہ پہلے بھی

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ﴾ (النساء: ۹۳)

اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا۔

ذکر ہو چکا ہے چنانچہ ان کے نزدیک رضا سے مراد ارادہ ثواب اور غضب سے ارادہ عقاب ہے۔

جب کہ معتزلہ ان صفات سے نفس ثواب اور نفس عقاب مراد لیتے ہیں پس اللہ پاک اور اس کے بندوں کے درمیان اللہ کی رضا سے مراد اللہ کی ان کے ساتھ محبت ہے' خیال رہے کہ اللہ کی رضا تمام نعمتوں سے زیادہ اجل اور اعظم ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ" (التوبة: ۷۲) اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے، اور بندوں کی رضا اللہ سے بندوں کی اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے خوشی ہے یہاں تک کہ ایک جنتی سمجھے گا جو غایت درجہ کی خوشی مجھے حاصل ہے وہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔

اس آیت میں (لفظ) مومن کی قید سے کافر خارج ہو گیا اس لئے کہ اس کا قتل کرنا ممنوع نہیں ہے، اور متعمدا یعنی مومن کو ارادتاً قتل کرتا ہے یعنی جس شخص کو معصوم سمجھا جاتا ہے اس پر ایسے آلہ جارحہ سے حملہ آور ہوتا ہے جس کے بارے میں ایک کا غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ اس سے اس کی موت واقع ہو جائے گی اس کی قید سے وہ مومن شخص خارج ہو جاتا ہے جس کو اس نے خطاً قتل کیا ہے تو اس انداز سے کسی مومن شخص کو موت کے گھاٹ اتارنے والا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، بعض علماء کا قول ہے کہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے سے مقصود اس کا دوزخ میں لمبا عرصہ رہنا ہے ایسے شخص پر اللہ ناراض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے لعنت سے مقصود یہ ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے، خیال رہے لعین اور ملعون اس شخص کو کہتے ہیں جو لعنت کا مستحق ہو یا جسے لعنتی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: علماء نے اس آیت کے مفہوم پر غور کرنے کے بعد ان آیات کے بارے میں ایک اشکال پیش کیا ہے کہ ان آیات کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کر دیتا ہے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، جب کہ

یہ مفہوم اللہ تعالی کے اس ارشاد کے مفہوم کے خلاف ہے۔ ''کہ اللہ تعالی شرک کو معاف نہیں کرتا ہے شرک سے کم درجہ کے گناہ جس شخص کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے'' علماء نے اس اشکال کے درج ذیل جوابات دیئے ہیں۔

پہلا جواب: کسی مومن کو عمداً قتل کر کے وہ شخص ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا جس نے ارادتاً مومن کے قتل کرنے کو صحیح سمجھا۔

دوسرا جواب: یقیناً ایسے شخص کو اس جرم کی پاداش میں یہی سزا ملے گی اسی سزا کا وہ مستحق ہے اگر اسے سزا دی جائے جبکہ ممکن یہ ہے کہ اس کو یہ سزا نہ ملے اگر وہ تائب ہو جائے یا وہ اس کثرت کے ساتھ اعمال صالحہ کرے کہ وہ اس کے برے عمل پر غالب آ جائیں۔

تیسرا جواب: اس جرم کا مرتکب ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا یہ حکم تغلیظ پر مبنی ہے اور محض اس کو اس کام سے روکنے کے لئے سرزنش کی گئی ہے کہ وہ دوبارہ اس جرم کا مرتکب نہ ہو۔

چوتھا جواب: اس قسم کے مجرم کا دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے سے مقصود لمبا عرصہ دوزخ میں رہنا ہے جیسا کہ ہم اس کو پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول: ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اہل علم کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ جو شخص کسی مومن شخص کو عمداً قتل کرتا ہے اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی' اس لئے کہ یہ آیت دور نبوت کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا[1]۔

صحیح مسلک: یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرتا ہے تو اس نے تین جرم کئے ہیں اللہ کے حکم کی نافرمانی کی ہے' یہ گناہ تو توبہ کے ساتھ معاف ہو جائے گا۔ مقتول کے وارثوں کے ساتھ زیادتی کی ہے' یہ جرم ختم ہو سکتا ہے اگر وہ وارثوں کو دیت دے کر خوش کر لیتا ہے یا وہ اس کے جرم کو معاف کر دیتے ہیں اور اس سے دیت بھی وصول نہیں کرتے۔ البتہ مقتول شخص جس کی زندگی کے چراغ کو اس نے گل کیا ہے اس کا یہ جرم ساقط نہیں ہوگا' یہاں تک کے قیامت کے روز مقتول اپنے قاتل کے سر کو پکڑے ہوئے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوگا اور عرض کرے گا اے میرے پروردگار! اس سے دریافت کریں کہ اس نے مجھے ناحق کیوں قتل کیا تھا؟

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر باب ومن یقتل مومناً متعمدًا فجزاءہ جهنم، ح: ۴۵۹۰۔ مسلم، کتاب التفسیر تحت الآیة ومن یقتل مومنا متعمدًا الی اخرہ، ح: ۳۰۲۵.

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ﴾ (محمد:۲۸)

یہ اس لئے کہ جس چیز سے اللہ ناخوش ہے وہ اس کے پیچھے چلے اور اس کی خوشنودی کو اچھا نہ سمجھے تو اس نے بھی ان کے عملوں کو برباد کر دیا۔

﴿فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ (الزخرف: ۵۵)

جب انہوں نے ہم کو ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لے کر ان سب کو ڈبو کر چھوڑا۔

﴿وَلَٰكِن كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ﴾ (التوبہ: ٤٦)

اور لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (اور نکلنا) پسند نہ کیا تو ان کو ہلنے جلنے ہی نہ دیا۔

﴿كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ○﴾ (الصف: ۳)

اللہ تعالیٰ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾ (البقرۃ: ۲۱۰)

کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان پر اللہ (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آ نازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں) اور کام تمام کر دیا جائے۔

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ (الانعام: ۱۵۸)

یہ اس کے سوا اور کس کی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود تمہارا پروردگار آئے یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں۔

﴿كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا○ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا○﴾ (الحجر: ۲۱-۲۲)

تو جب زمین کی بلندی کوٹ کوٹ کر پست کر دی جائے گی اور تمہارا پروردگار (جلوہ فرما ہوگا) اور فرشتے قطار باندھ باندھ کر آ موجود ہوں گے۔

﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ۝﴾

(الفرقان : ۲۵)

اور جس دن آسمان ابر کے ساتھ پھٹ جائے گا۔اور فرشتے نازل کئے جائیں گے۔

آسف کا لفظ شدید قسم کے غم اور زبردست غصہ اور ناراضگی کے معانی میں آتا ہے چنانچہ آیت مذکورہ میں یہی مقصود ہے اور لفظ (انتقام) نـقـمـة سے مشتق ہے جس کا معنی شدید قسم کی کراہت اور ناراضگی ہے۔

ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دو فعلی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا آنا مراد ہے جس کو اتیان اور مجیئت کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان اوصاف کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا یہ نظریہ ہے کہ بلا تاویل ان کی حقیقت کو تسلیم کیا جائے اور ایمان لایا جائے اس لئے کہ تاویل کرنا تو فی الحقیقت الحاد اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو صفات سے عاری کرنا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کو اس دور کے جھمیہ اور معطلہ کے علم بردار زاہد الکوثری کی رائے سے آگاہ کیا جائے اس نے امام بیہقی رحمہ اللہ کی تالیف کتاب الاسماء والصفات کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے اس آیت کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ اللہ پاک ان بادلوں میں عذاب لائے گا جن سے رحمت کی بارش برسنے کا انتظار ہو رہا ہوگا گویا کہ عذاب الٰہی ایسی جگہ سے آرہا ہے جہاں سے رحمت کی امید تھی اس طرح کا عذاب نہایت گھبراہٹ والا اور ہولناک ہوگا۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کے پاس اللہ کا حکم آئے گا۔آپ ان کی تاویل کا جائزہ لیتے ہوئے محسوس کریں گے کہ انہوں نے اپنے متقدمین تعطیل کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں سے تاویلات کا ذکر کر کے ان کی اضطرابی کیفیت کے پردہ کو چاک کیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ

اس مضمون کی آیات اس مسئلہ میں واضح ہیں ان میں ہرگز تاویل کی گنجائش نہیں ہے غور فرمائیں اس آیت میں ان لوگوں کو ڈانٹ پلائی گئی ہے جو کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی رکھنے میں نہایت بے باک ہیں شیطان کی پیروی کرنے میں مست ہیں کہ وہ صرف اس انتظار میں ہیں کہ بادلوں کے سائے میں اللہ عزوجل ان کے پاس آئے تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کرے جب کہ اللہ کا آنا قیامت کے روز ہوگا' یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد یہ جملہ ذکر کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''دنیا کی بساط الٹا دی جائیگی'' لیکن دوسری آیت زیادہ واضح ہے اس لئے کہ اس میں اتیـــان کی تاویل ممکن نہیں کہ اس سے مقصود کسی حکم کا آنا ہے یا عذاب کا آنا ہے جب کے اس میں فرشتوں کے آنے' اللہ کے آنے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بعض آیات کے آنے میں تردد کا اظہار کیا گیا ہے اس کے بعد والی آیت میں بتایا گیا ہے کہ آپ کا پروردگار اور فرشتے صف بندی میں آئیں گے اس لحاظ سے اس سے عذاب کا آنا مراد لینا ممکن نہیں مقصود یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت کے دن فیصلے کے لئے آئیں گے اور فرشتے اللہ کے وصف جلالی اور تعظیم کے لئے صفیں بنائے ہوئے ہوں گے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے آنے کے وقت آسمان پھٹ جائے گا اور وہ بادل کی شکل میں دکھائی دے گا جیسا کہ دوسری آیت سے یہ مفہوم معلوم ہورہا ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آئیں گے نزول فرمائیں گے قریب ہوں گے جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عرش کے اوپر ہوں گے اپنی مخلوق سے الگ ہوں گے پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ان تمام افعال کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا' اور مجاز مراد لینے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ افعال سے معطل قرار پائیں گے لیکن یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ کا آنا مخلوق کے آنے کی جنس سے ہوگا اس سے تو تشبیہ ثابت ہوگی جو انکار اور تعطیل تک پہنچاتی ہے۔



﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝﴾ (الرحمان: ۲۷)

اور تمہارے پروردگار کا چہرہ (بابرکت) جو صاحب جلال وعظمت ہے باقی رہے گا۔

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾

اس کے چہرہ (پاک) کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

مذکورۃ الصدر دونوں آیات اللہ عزوجل کے چہرے کی صفت کو ثابت کر رہی ہیں کتاب و سنت میں اللہ سبحانہ کے چہرے کو ثابت کرنے کی نصوص بے شمار ہیں اور ان سب سے معطلہ فرقہ کی تأویل کی نفی ہوتی ہے جبکہ وہ چہرے کی تفسیر جہت یا ثواب یا ذات سے کرتے ہیں جبکہ صحیح مسلک یہ ہے کہ اللہ پاک کا وصف چہرہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہے اور چہرے کے اثبات سے اللہ تعالیٰ کا اعضاء سے مرکب ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ مجسمہ فرقہ کا کہنا ہے بلکہ یہ اللہ پاک کا ایسا وصف ہے جو اس کے ساتھ لائق ہے اللہ پاک کا چہرہ کسی کے چہرے سے مشابہ نہیں نہ کسی کا چہرہ اس کے چہرے سے مشابہ ہے معطلہ ان دونوں آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چہرے سے مقصود اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے اس لئے چہرے کے باقی رہنے اور نہ ہلاک ہونے کی کچھ خصوصیت نہیں۔

معطلہ کے استدلال کا معارضہ: ہم اس استدلال کا معارضہ کرتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں کہ اگر فی الحقیقت اللہ پاک کا چہرہ نہیں پھر بھی اس لفظ کا استعمال ذات الٰہی کے لئے جائز نہیں ظاہر ہے کہ جو لفظ کسی معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے ممکن نہیں کہ وہ کسی دوسرے معنی میں استعمال ہو البتہ یہ ممکن ہے کہ جب موصوف کا اصل معنی ثابت ہو تو پھر ممکن ہے کہ ذہن کو ملزوم سے لازم کی جانب منتقل کیا جائے علاوہ ازیں مجازی معنی کا دوسرے انداز سے بھی انکار کرنا ممکن ہے چنانچہ ہم کہیں گے باقی رہنے کی نسبت چہرے کی طرف کی گئی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا باقی رہنا لازم آتا ہے، بہر حال یہ مجاز ہے کہ چہرے سے مراد اللہ کی ذات ہو۔

﴿مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (ص: ۷۵)
کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے۔
﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ (المائدہ: ٦٤)
اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ (گردن) سے بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور ایسا کہنے کے سبب ان پر لعنت ہو (اس کا ہاتھ بندھا ہوا نہیں) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

امام بیہقی کا قول: امام بیہقی رحمہ اللہ امام خطابی" سے نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے چہرے کو اپنی ذات کی طرف مضاف کیا ہے اور صفت کی اضافت چہرے کی طرف ہے تو معلوم ہوا کہ چہرے کا ذکر کرنے صلہ نہیں ہے جب کہ ذوالجلال والاکرام چہرے کی صفت ہے اور چہرہ ذات الٰہی کی صفت ہے۔
اور چہرے سے مراد اللہ کی ذات یا اس کا غیر لینا نبی علیہ السلام کے اس ارشاد میں کیسے ممکن ہے۔
"أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ"
"میں تیرے چہرے کی روشنی کے ساتھ پناہ طلب کرتا ہوں جس سے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔"[1]
نیز (سیدنا) ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اللہ تعالیٰ کا پردہ نور ہے یا آگ ہے اگر اللہ تعالیٰ اس پردے کو کھول دے تو اس کے چہرے کی لائٹیں ان چیزوں کو راکھ کر دیں جہاں تک اس کی مخلوق میں اس کی نظر پہنچے گی۔[2]

---

[1] ضعیف، ذکرہ ابن اسحاق بدون سند فی قصة الطائف وضعفه الالبانی فی فقه السیرة للغزالی، ص ۱۳۳.
[2] مسلم، کتاب الایمان، باب فی قوله علیه السلام ان الله لا ینام، ح: ۲۹۳.

دونوں آیات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دو ہاتھوں کی صفت حقیقی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ثابت کر رہی ہیں جیسا کہ اس کے لائق ہے' چنانچہ پہلی آیت میں ابلیس کو ڈانٹا گیا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہ کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ پیدا فرمایا اس آیت میں دونوں ہاتھوں سے قدرت کا معنی مراد لینا ممکن نہیں' اس لئے کہ تمام اشیاء کو سمیت ابلیس کے اللہ پاک نے اپنی قدرت کے ساتھ پیدا کیا ہے اس طرح جناب آدم علیہ السلام میں کیا خصوصیات ہوئیں جس کے سبب اسے دوسری مخلوق سے ممتاز قرار دیا جائے اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل نے تین چیزوں کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا آدم علیہ السلام کی تخلیق اپنے ہاتھ سے کی اور تورات کو اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا اور جنت عدن میں درختوں وغیرہ کو اپنے ہاتھ سے لگایا[1] اس لحاظ سے ان تین چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا جب کہ یہ تینوں بھی دیگر کائنات کے ساتھ قدرت الٰہیہ کے حکم کے ساتھ ان کے وقوع میں مشترک ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تین چیزیں کسی زائد خصوصیت کے ساتھ موصوف ہیں۔

نیز دونوں ہاتھوں کو تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ ذکر فرمانا حقیقی ہاتھ کے مفہوم میں ہے اس کا استعمال معروف ہے اس وقت دونوں ہاتھوں سے مراد قدرت یا نعمت لینا ہرگز جائز نہیں ہے اس کا سبب یہ ہے کہ فلاں چیز کو دو قدرتوں یا دو نعمتوں کے ساتھ پیدا کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے مزید براں دونوں ہاتھوں سے نعمت قدرت یا ان کے علاوہ کوئی اور معنی لینا درست نہیں البتہ جو چیز دونوں ہاتھوں کے ساتھ حقیقتاً موصوف ہے وہاں دونوں ہاتھوں سے نعمت یا قدرت کا معنی لینا بھی صحیح ہے یہی وجہ ہے کہ یہ جملہ درست نہیں کہ ہوا کا ہاتھ ہے یا پانی کا ہاتھ ہے۔

البتہ معطلہ کا استدلال کہ بعض آیات میں لفظ (ید) ہاتھ مفرد استعمال ہوا ہے جبکہ بعض میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اس سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی اس لئے کہ جو کام دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہے کبھی اس کو ایک ہاتھ کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں میں نے اپنی آنکھ

---

[1] صحیح، اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات، ص: ٤٠٣۔ من حدیث الحارث بن نوفل مرفوعًا، ورواہ الدار قطنی فی الصفات، ص: ٤٥۔ قال الذہبی فی العلو اسنادہ جید وقال الالبانی فی مختصر العلو، ص: ١٠٥۔ سندہ صحیح علی شرط مسلم۔

کے ساتھ دیکھا اور میں نے اپنے کان کے ساتھ سنا۔ حالانکہ مقصود یہ ہے کہ میری دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے دونوں کانوں نے سنا۔ اسی طرح جمع کا صیغہ کبھی تثنیہ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

''اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا. (التحریم: ٤)

''اگر تم دونوں اللہ کے آگے توبہ کرو (تو بہتر ہے کیونکہ) تمہارے دل کج ہو گئے ہیں۔''

یہاں جمع سے مراد تثنیہ لفظ (قلوبکما) ہے ظاہر ہے کہ تم دونوں کے دو دل مراد ہیں جمع مقصود نہیں ہے۔ اور کیسے لفظ (یـــد) سے قدرت کا معنی مراد لیا جا سکتا ہے جب کہ اللہ کی ہتھیلی، انگلیاں، دایاں، بایاں ہاتھ اور ہاتھ بند کرنا اور کھولنا وغیرہ استعمال ہے ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ جن کا ذکر ہوا ہے ان کا تعلق حقیقی ہاتھ کے ساتھ ہے۔

اور دوسری آیت میں اللہ سبحانہ یہودیوں کا قول بیان فرما رہے ہیں اللہ انہیں تباہ کرے کہ وہ اپنے پروردگار کے بارے میں بیان کر رہے ہیں (جبکہ اللہ سبحانہ اس سے محفوظ ہے) کہ اللہ کا ہاتھ خرچ کرنے سے رکا ہوا ہے۔ بعدازاں اللہ سبحانہ نے اپنی ذات کے لئے ان کے قول کے خلاف فرمایا کہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ بلاشبہ اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے وہ رات دن دینے والا ہے خرچ کرنے سے اس میں کمی نہیں آتی [1] آپ ملاحظہ فرمائیں اگر اللہ کے دو حقیقی ہاتھ نہ ہوں تو کیا اس طرح کہنا درست ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔

خبردار: تاویل کرنے والوں کے چہرے سیاہ ہو جائیں۔

[1] بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالٰی لما خلقت بیدی، ص: ٧٥، ح: ٧٤١١۔ مسلم، کتاب الزکوۃ باب الحث علی النفقۃ وتبشیر المنفق باالحلف، ح: ٩٩٣.



﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (الطور: ٤٨)

اور تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہو تم تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔

﴿وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ۝ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝﴾ (القمر: ١٣-١٤)

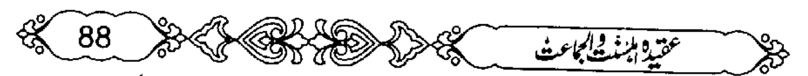
اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اس شخص کے (انتقام کے لئے کیا گیا) جس کو کافر نہ مانتے تھے۔

﴿وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي ۝﴾ (طٰہٰ: ٣٩)

اور (موسیٰ علیہ السلام) میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی (اس لئے کہ تم پر مہربانی کی جائے) اور اس لئے کہ تم میری آنکھوں کے سامنے پرورش پاؤ۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان تین آیات میں اپنے لئے آنکھ کو ثابت فرما رہا ہے جس کے ساتھ وہ تمام مرئیات کو دیکھتا ہے آنکھ اللہ عزوجل کی حقیقی صفت ہے جیسا کہ اس کے ساتھ لائق ہے آنکھ ثابت کرنے کا ہرگز یہ تقاضا نہیں کہ اللہ عزوجل کے لئے ایک ایسا عضو ثابت کیا جائے جو چربی کے پٹھے اور ان کے علاوہ دیگر مادہ سے مرکب ہے۔

معطلہ فرقہ اس کی تفسیر رؤیت یا حفاظت اور خیال رکھنے سے کرتے ہیں اس سے اللہ کی اس صفت کی نفی ہوتی ہے اور اللہ اس صفت سے معطل قرار پاتا ہے البتہ بعد نصوص میں ایک آنکھ کا ذکر ہونا اور بعض دوسری نصوص میں جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر ہونا اس سے انہیں کچھ دلیل حاصل نہیں ہو سکتی کہ اس کی نفی کریں' اس لیے لغت عرب کا میدان اس لحاظ سے کافی وسیع ہے لغت عرب میں کبھی دو چیزوں کو جمع کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی واحد کا صیغہ تثنیہ کے قائم مقام آتا ہے جیسا کہ دونوں ہاتھوں کے بارے میں ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔



علاوہ ازیں لفظ عین یعنی آنکھ کا استعمال ان معانی میں سے کسی معنی میں ممکن نہیں جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے البتہ اس چیز کی جانب اس کی نسبت ہوسکتی ہے جس کی حقیقی آنکھ ہوتو کیا معطلہ فرقہ یہ بات کہنا چاہتا ہے کہ اللہ نے اپنی تعریف میں ایسی بات کہہ دی ہے کہ جو اللہ میں نہیں ہے اس لئے وہ اپنے لئے آنکھ کو ثابت کر رہا ہے حالانکہ اللہ اس سے خالی ہے اور کیا وہ یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ عزوجل کا چیزوں کو دیکھنا خاص صفت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ وہ انہیں اپنی ذات ہی کے ساتھ دیکھتا ہے' جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ اپنی ذات کے لحاظ سے قدرت والا ہے اور ذات کے لحاظ سے ارادہ کرنے والا ہے اور پہلی آیت میں اللہ تعالی اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ آپ اللہ کے احکام پر صبر کریں اور قوم سے جو تکالیف پہنچتی ہیں انہیں برداشت کریں اور اس حکم کی علت اس طرح بیان کی گئی ہے آپ اللہ کی نظر میں ہیں اس کی نگرانی اور حفاظت میں ہیں۔

جب کہ دوسری آیت میں اللہ عزوجل اپنے پیغمبر نوح علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہیں کہ جب اس کی قوم نے اسے جھٹلایا اور ان پر عذاب کا آنا ثابت ہو گیا تو اللہ نے انہیں طوفان میں مبتلا کر دیا تو اللہ نے نوح علیہ السلام اور اس کے ایماندار رفقاء کو اس کشتی میں سوار کرایا جو مضبوط لکڑی اور میخوں کی تیار کی گئی تھی' اور وہ اللہ کی نگرانی اور اس کی حفاظت میں چلتی تھی۔

اور تیسری آیت میں اللہ نے اپنے پیغمبر موسی علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے اس پر اپنی محبت کا القاء کیا' یعنی اللہ نے اس کو محبوب جانا اور اپنی مخلوق کے ہاں بھی اس کو محبوب کر دیا' اور اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا اور اس کی اس طریقہ سے تربیت کی کہ اس کی وجہ سے وہ اس لائق ہو گیا کہ وہ رسالت کے بوجھ کو اٹھا سکے اور اس سے رسول علیہ السلام بنا کر فرعون اور اس کی قوم کی جانب بھیجا۔

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴾ (المجادلہ: ١)

(اے پیغمبر علیہ الصلوۃ السلام) جو عورت تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث وجدال کرتی اور اللہ سے شکایت (رنج وملال) کرتی تھی اللہ نے اس کی التجا سن لی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا کچھ شک نہیں کہ اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ﴾

(آل عمران: ١٨١)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم امیر ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان آیات کو اللہ کے سننے اور دیکھنے کی صفات کو ثابت کرنے کے لئے ذکر کیا ہے سننے کی صفت کو آیات میں اشتقاق کے تمام صیغوں کے ساتھ بیان کیا۔ صیغے درج ذیل ہیں "سَمِعَ یَسْمَعُ نَسْمَعُ اَسْمَعُ" اللہ عزوجل کی صفت سننا اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے جس کے ساتھ آوازوں کو معلوم کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے آنکھ ایسی صفت ہے جس کے ساتھ اشخاص اور رنگوں کا ادراک ہوتا ہے۔ اور دیکھنا اس کو لازم ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے "اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو بلاشبہ تم ایسی ذات کو نہیں پکارتے ہو جو بہرا ہے نہ وہ تم سے غائب ہے بلکہ تم ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سنتا ہے دیکھتا ہے بلاشبہ جس کو تم پکار رہے ہو وہ تو تمہاری سواری کی گردن سے بھی تمہارے زیادہ نزدیک ہے۔"[1] خیال رہے اللہ کا وصف سننا اور دیکھنا سب ایسے اوصاف ہیں جو کامل ہیں جب کہ اللہ نے مشرکین پر عیب لگایا ہے کہ وہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔

[1] بخاری، کتاب باب الدعاء اذا علا عقبه، ح: ٦٣٨٤.

﴿أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُم بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ۝﴾ (الزخرف: ۷۹)

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں ہاں (سب سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی سب باتیں) لکھ لیتے ہیں۔

﴿إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ۝﴾ (طٰہٰ: ٤٦)

میں تمہارے ساتھ ہوں (سنتا) اور دیکھتا ہوں۔

﴿أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝﴾ (العلق: ١٤)

کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

﴿الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۝ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝﴾ (الشعراء: ٢١٨-٢٢٠)

جو تم کو جب تم تہجد کے وقت اٹھتے ہو دیکھتا ہے اور سجدوں میں تمہارے پھرنے کو بھی وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

﴿وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۝﴾

اور ان سے کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ اللہ اور اس کا رسول اور مومن سب تمہارے عملوں کو دیکھ لیں گے۔ (التوبہ: ١٠٥)

پہلی آیت: خولہ بنت ثعلبہ کے بارے میں نازل ہوئی جب اس کے خاوند نے اس سے ظہار کیا یعنی اپنی بیوی سے کہا کہ تیری پیٹھ میرے نزدیک میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے اس نے ان الفاظ کے ساتھ بیوی کو اپنے لئے حرام قرار دیا چنانچہ خولہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوئی وہ آپ سے گفتگو کر رہی تھی آپ ﷺ نے اس کو بتایا میں سمجھتا ہوں کہ تو اپنے خاوند پر حرام ہو چکی ہے۔"

صحیح بخاری میں عروہ تابعی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا "تمام تعریف اللہ کے لئے ہیں جس کے کان آوازوں کو سنتے ہیں' بلاشبہ جھگڑنے والی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ کر رہی تھی اور میں گھر کے ایک کونے میں اس کی باتوں کو سن رہی تھی اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی (بلاشبہ اللہ نے اس عورت کی بات کو سن لیا ہے جو اپنے خاوند کے بارے میں آپ سے جھگڑا کر رہی ہے)[1]

دوسری آیت: خبیث یہودی فنحاص کے بارے میں اتری جب اس نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔

"اللہ کی قسم! اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! ہمیں اللہ کی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ تو ہمارا محتاج ہے اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا۔"[2]

تیسری آیت میں: (ام) کا لفظ (بل) کے معنی میں ہے جس کا معنی (بلکہ) ہے اور استفہام انکاری ہے ڈانٹ کے معنی کو متضمن ہے' معنی اس طرح ہوگا "بھلا یہ لوگ اپنے چھپنے کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ سرگوشیوں کو نہیں سنتے ہیں' کیوں نہیں ہم سنتے ہیں اور ہمارے نگران فرشتے جو ان پر مقرر ہیں وہ ان کی باتوں اور ان کے افعال کو تحریر کرتے ہیں۔

چوتھی آیت: میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو مخاطب کیا ہے جب انہوں نے فرعون کی پکڑ دھکڑ سے ڈرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا تو اللہ پاک نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا تم مت خوف کرو بلاشبہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

پانچویں آیت: ابوجہل ملعون کے بارے میں نازل ہوئی جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے قریب نماز ادا کرنے سے روکا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن کا ترجمہ یہ ہے "بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے یعنی ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے بھلا دیکھو تو اگر یہ راہ راست پر ہو یا پرہیزگاری کا حکم کرے تو منع کرنا کیسا اور دیکھ اگر اس نے دین حق کو جھٹلایا اور اس سے منہ موڑا (تو کیا ہوا) اس کو معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے دیکھو اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم (اس کی) پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے یعنی اس جھوٹے خطا کار کی پیشانی کے بال تو وہ اپنے یاروں کی

---

[1] اخرجه البخاري، التوحيد، باب و كان الله سميعا بصيرا تعليقا.

[2] مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب قوله ان الانسان ليطغى، ان راه استغنى، ح: ٣٧٩٧.

﴿ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ ﴾ (الرعد: ١٣)
اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔

﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران: ٥٤)
اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور اللہ تعالیٰ بھی عیسیٰ علیہ السلام کو بچانے کے لئے چال چلا اور اللہ تعالیٰ بہتر چال چلنے والا ہے۔

﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (النمل: ٥٠)
اور وہ ایک چال چلے اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔

﴿ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝ ﴾ (الطارق: ١٥-١٦)
یہ لوگ تو اپنی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں اور ہم اپنی تدبیر کر رہے ہیں۔

مجلس کو بلا لے ہم بھی اپنے موکلان دوزخ کو بلائیں گے دیکھو اس کا کہا [1]۔ نہ ماننا اور اللہ کا قرب حاصل کرتے رہنا''

اللہ رب العزت کے فرمان وھو شدید المحال سے آخر تک یہ آیت صفت مکر اور کید کو ضمن میں لے رہی ہیں (یعنی شامل نہیں) اور یہ دونوں (یعنی مکر اور کید) فعل اختیاری کی صفات ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ان دونوں صفات سے کوئی اسم مشتق کیا (یعنی نکالا جائے) اور (اللہ رب العزت کے بارے) کہا جائے ماکر اور کائد وغیرہ بلکہ (صرف) اسی پر توقف کیا جائے جس کے بارے نص وارد ہوتی ہے جیسے بے شک وہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہترین تدبیر کرنے والا ہے اور بے شک وہ اپنے دشمنوں کے (خلاف) تدبیر کرتا ہے جو کہ (اس کے) منکر ہیں۔
اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد، اللہ کا پکڑنا سخت ہے: یعنی اس کی سزا سخت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بلاشبہ تیرے پروردگار کی پکڑ سخت ہے [1]۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں مقصود یہ ہے کہ اللہ مضبوط طاقت والا ہے مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں اللہ مضبوط قوت والا ہے تمام اقوال معنی کے لحاظ سے قریب قریب ہیں۔

---

[1] ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا یقیناً اس کا پکڑنا سخت دردناک ہے۔

اور اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تمام مکر کرنیوالوں سے بہتر ہے: یعنی اللہ کا مکر زیادہ مؤثر ہے اور جلد وقوع پذیر ہونے والا ہے۔

بعض سلف صالحین کے نزدیک اللہ کا اپنے بندوں کے ساتھ مکر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ انہیں نعمتوں سے نوازتے ہوئے بے خبری میں انہیں ڈھیل دیتا ہے جب بھی وہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں تو اللہ انہیں نعمت سے نواز دیتا ہے حدیث شریف میں ہے جب آپ ملاحظہ کریں کہ اللہ پاک کسی شخص کو باوجود اس کے کہ وہ اللہ کی معصیت میں مستغرق ہے پھر بھی اسے ان دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے جن کو وہ چاہتا ہے تو آپ سمجھ لیں کہ یہ اللہ پاک کی جانب سے استدراج ہے یعنی ڈھیل ہے[1]۔

دراصل یہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی جب یہودیوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ ایک مکان میں داخل ہوئے جس میں روشندان تھا اللہ نے ان کی جبرائیل کے ساتھ مدد فرمائی اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو روشندان سے آسمان کی جانب اٹھالیا۔

دریں اثناء یھوذا یہودیوں کے پاس گیا تا کہ ان کی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں راہنمائی کرے اور وہ اسے قتل کردیں تو اللہ نے اس خیانت کرنے پر یھوذا کو عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنادیا جب وہ اس مکان میں داخل ہوا وہاں اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا تو ان کی جانب گیا انہیں بتارہا تھا کہ مکان میں کوئی شخص نہیں ہے تو یہودیوں نے اسے یہ سمجھ کر قتل کردیا کہ یہی عیسیٰ ہیں اللہ تعالی کے اس ارشاد کی یہی تفسیر ہے کہ انہوں نے مکر کیا تو اللہ نے بھی مکر کیا[2]۔

اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد! کہ انہوں نے مکر کیا ہم نے بھی مکر کیا" یہ آیت ان نو افراد کے بارے میں ہے جو صالح علیہ السلام کی قوم سے تھے جب انہوں نے اللہ کی قسمیں اٹھائیں کہ وہ صالح علیہ السلام اور اس کے اہل پر رات کو حملہ کریں گے یعنی انہیں قتل کردیں گے بعدازاں ان کے ذمہ دار لوگوں سے کہہ دیں گے کہ ان کے قتل میں ہم نہیں تھے پس ان کے مکر کا نتیجہ انہیں بھگتنا پڑا کہ اللہ نے انہیں اور ان کی تمام قوم کو تباہ و برباد کردیا[3]۔

---

[1] اسنادہ صحیح، مسند احمد: ٤/ ١٤٥۔ وصححه الالبانی فی السلسلة الصحیحة: ٤١٣.
[2] اسنادہ ضعیف، اوردہ ابن کثیر فی تفسیر: ١/ ٣٩٢۔ وابن جریر فی الطبری وفی سندہ سدی ضعیف: ٥٦١٩. [3] اوردہ ابن کثیر فی تفسیرہ: ٦/٢٠٧.

﴿إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾

اگر تم بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر یا برائی سے درگزر کرو گے تو اللہ بھی معاف کرنے والا (اور) صاحب قدرت ہے۔

﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (النور: ٢٢)

اس کو چاہیے کہ معاف کردیں اور درگزر کردیں کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تم کو بخش دے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (المنافقون: ٨)

حالانکہ عزت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کے رسول ﷺ کی اور مومنوں کی۔

﴿فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (ص: ٨٢)

مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکا تا رہوں گا۔

﴿تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمن: ٧٨)

(اے محمد ﷺ) تمہارا پروردگار جو صاحب عظمت و جلال ہے اس کا نام بڑا بابرکت ہے۔

مذکورہ بالا آیات عفو، قدرت، مغفرت، رحمت، عزت، برکت، جلال اور اکرام کی صفات کو متضمن ہیں۔

پس (عفو) صفت جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی سزا کو معاف کر دیتا ہے جب اس کے بندے اللہ کی بارگاہ میں تائب ہوتے ہیں اور اللہ کی جانب رجوع کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے۔

اور جب معاف کرنے کی اکمل صورت یہ ہے کہ معاف کرنے والے کو انتقام لینے پر پوری قدرت حاصل ہو اور وہ مواخذہ پر بھی قادر ہو تو یہ دونوں اسم یعنی اللہ کا معاف کرنا اور اس کا قادر ہونا اس آیت میں اور اس کے علاوہ دیگر آیات میں اکٹھے ذکر ہوئے ہیں۔

لیکن قدرت اس صفت کو کہتے ہیں جو ممکنات کے ساتھ متعلق ہوتی ہے پس جو کام بھی کائنات سے ظہور پذیر ہوتا ہے وہ اللہ کی مشیت (چاہنا) اور اس کی قدرت کے ساتھ ہوتا ہے اور جو کام وقوع پذیر نہیں ہوتا وہ بھی اللہ کی مشیت اور اس کی قدرت کے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث میں ہے ''جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا[1]۔

لیکن ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد: کہ ''لوگ معاف کر دیں اور درگذر کریں''

یہ آیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ مسطح پر ہرگز مال خرچ نہیں کریں گے اس لیے کہ مسطح کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو سیدہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں پیش پیش تھے حالانکہ مسطح کی والدہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی تھی پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! بے شک میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے اور اس نے مسطح کو خرچ دینا جاری کیا[2]۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد! '' کہ اصل عزت اللہ اس کے رسول اور ایمان داروں کی ہے'' یہ آیت منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی اس نے اس جنگ میں قسم اٹھائی کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مدینہ منورہ سے نکال دے گا تو یہ آیت نازل ہوئی'' کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ شہر میں واپس جائیں گے تو عزت والا ذلت والے کو مدینہ سے نکال دے گا'' اللہ نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو تباہ و برباد کیا اس نے عزت والے سے مراد خود کو سمجھا اور ذلت والے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے

---

[1] اسنادہ ضعیف اخرجہ ابوداود، الادب، باب ما یقول اذا اصبح، ح: ٥٠٧٥۔ والنسائی فی الکبری، ح: ٩٨٤٠۔ وعمل الیوم واللیلۃ، ح: ١٢١۔ من حدیث عبداللہ بن وھب بہ عبدالحمید مولی بنی ھاشم لم یوثقہ غیر ابن حبان.

[2] اخرجہ البخاری، الشھادات، باب تعدیل النساء بعضھن بعضا، ح: ٢٦٦١۔ ومسلم التوبہ، باب فی حدیث الافک وقبول توبۃ اقذف، ح: ٢٧٧٠.

رفقاء ایمانداروں کو سمجھا اللہ عزوجل نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ''عزت تو اللہ کے اس پیغمبر اور ایمانداروں کے لیے ہی خاص ہے البتہ منافق اس بات کو نہیں جانتے ہیں۔''❶

حقیقت یہ ہے کہ عزت ایسا وصف ہے جسے اللہ نے اپنی ذات کے لیے ثابت فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ اللہ ہی غالب حکمت والا ہے' نیز فرمایا اللہ قوت والا اور غالب ہے نیز اللہ سبحانہ نے ان اوصاف کے ساتھ قسم اٹھائی ہے جیسا کہ شفاعت کی حدیث میں ہے:

''مجھے اپنی عزت و کبریائی وعظمت کی قسم ہے۔''

میں دوزخ سے ان لوگوں کو نکال دوں گا جنہوں نے اقرار کیا ہوگا کہ معبود برحق صرف اللہ ہے❷۔

نیز اللہ نے ابلیس کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس نے کہا'' تیری عزت کی قسم! تیرے مخلص بندوں کے علاوہ میں تمام بندوں کو گمراہ کردوں گا۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایوب علیہ السلام بدن سے کپڑے اتار کر غسل کر رہے تھے کہ ان پر سونے کی ڈلیوں کی بارش ہونے لگی وہ انہیں اپنے کپڑے میں جمع کر رہے تھے تو اس کے پروردگار نے ایوب علیہ السلام کو آواز دی، اے ایوب! کیا میں نے تجھے ان چیزوں سے بے پرواہ نہیں کر دیا تھا جنہیں تو جمع کر رہا ہے جناب ایوب علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے اقرار کیا کہ تیری عزت کی قسم! البتہ مجھے تیری برکات سے استغناء نہیں ہے۔❸

وہ حدیث جس میں درد و کرب کی دعا کا ذکر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بتائی جو درد میں مبتلا تھا اس دعا میں ہے کہ میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت کے ساتھ ان تکلیفوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کو میں محسوس کر رہا ہوں اور جن سے میں خطرہ محسوس کرتا ہوں❹۔

---

❶ اخرجه البخاری، تفسیر القرآن، باب يقولون لئن رجعنا الى المدينة ليخرجن الاعز منها الاذل، ح: ٤٩٠٧۔ ومنهم صفات المنافقين، ح: ٢٧٧٢

❷ اخرجه مسلم، الايمان، باب ادنى اهل الجنة منزلة فيها، ح: ٣٢٦.

❸ اخرجه البخاری، الغسل، باب من اغتسل عرياناً وحده فی الخلوة ومن ستر فا استروا افضل: ٢٧٩.

❹ اسناده صحيح، اخرجه الترمذی، الطب، باب كيف يدفع الوجع عن نفسه، ح: ٢٠٨٠۔ وابوداود، الطب: باب كيف الرقى، ح: ٣٨٩١.



﴿فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝﴾ (مریم: ٦٥)

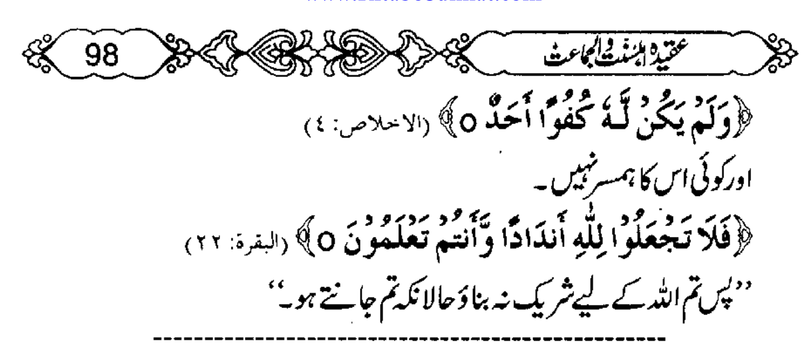
تم اسی کی عبادت کرو اور اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہو بھلا تم کوئی اس کا ہم نام جانتے ہو؟

خیال رہے عزت کا لفظ غلبہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کا باب یَعُزُّ مضارع میں عین کے ضمہ کے ساتھ ہے اس طرح استعمال ہوتا ہے عزہ جب وہ اس پر غالب آ جائے لیکن قوت اور شدت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اس وقت عین پر فتح ہوگی اسی سے (ارض عزاز) سخت مٹی والی زمین پر اطلاق ہوتا ہے' نیز بلند مرتبہ کے اور دشمنوں سے محفوظ رہنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اس وقت مضارع عین کے کسرہ کے ساتھ آتا ہے یہ تمام معانی اللہ کے لیے ثابت ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے! کہ تیرے پروردگار کا نام برکت والا ہے برکت سے مقصود خیر کا ہمیشہ اور زیادہ ہونا ہے اور ذوالجلال سے مقصود یہ ہے کہ اللہ سبحانہ جلال اور عظمت والا ہے کوئی بھی چیز اس سے بڑی اور عظیم نہیں ہے نیز اللہ پاک اکرام والا ہے یعنی وہ اوصاف جو اللہ کے لیے مناسب نہیں ہیں ان سے وہ منزہ ہے ایک قول یہ ہے کہ اللہ کے وصف اکرام کا یہ مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دنیا اور آخرت میں متعدد کرامتوں کے ساتھ نوازتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کی عبادت فرمائیں: ذکر کردہ آیات کریمہ صفات قلوب کی چند اوصاف کو متضمن ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں ہے نہ اس کا کوئی برابری کرنے والا ہے نہ اس جیسا کوئی ہے نہ اس کی اولاد ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ وہ ضعیف ہے کہ اس کی ضرورتیں بغیر کسی اس کے ساتھی کے پوری نہ ہوتی ہوں جیسا کہ اللہ کے لیے بعض اثباتی صفات کو بھی یہ آیات شامل ہیں مثلاً اللہ شہنشاہ ہے تمام تعریفوں کا حق دار ہے وہ ذات قدرت والی ہے اس کے لیے کبریائی لائق ہے اور وہی ذات خیر و برکت کی مالک ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ! کیا آپ ﷺ اللہ کے مثل کا علم رکھتے ہیں: اس کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لغت عرب کے ماہرین کہتے ہیں کہ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی ذات کی مثل نہیں ہے جسے اللہ کا نام دیا جا سکے اور کہا جا سکے کہ وہ اللہ کے



﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ○﴾ (الاخلاص: ٤)

اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَّأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○﴾ (البقرة: ٢٢)

''پس تم اللہ کے لیے شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔''

برابر ہے اور اسی طرح کی وضاحت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ کا مثل یا اس کے مشابہ ہرگز نہیں ہے [1]۔

خیال رہے کہ ذکر کردہ آیت میں استفہام انکاری ہے مقصود یہ ہے کہ اللہ کا مثل معلوم نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: کہ اللہ کے برابر کوئی نہیں ہے: اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے برابر اور مساوی کوئی نہیں ہے یہ آیت ہر لحاظ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس کی نظیر اور اس کے مشابہ کی نفی کرتی ہے اس لیے کہ لفظ (احد) نفی کے تحت عربی گرائمر میں اسم نکرہ ہے اور اس میں عمومیت ہے یعنی کوئی بھی اس کے برابر نہیں ہے' سورۃ اخلاص کی تفسیر میں وضاحت پہلے ذکر ہو چکی ہے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ: کہ تم اللہ کا کسی کو بھی شریک نہ بناؤ: خیال رہے کہ لفظ انداد ند کی جمع ہے جس کا معنی مثل اور برابر کا ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ نہ اللہ کا کوئی مثل ہے اور نہ اللہ کا کوئی مخالف ہے جو اس کے برابر ہو یعنی کسی لحاظ سے بھی موافقت اور مخالفت دونوں کے لحاظ سے اللہ کا کوئی مثل نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: اس حال میں کہ تم جانتے ہو: یہ جملہ (تَجْعَلُوْا) کے لفظ واؤ سے حال واقع ہوتا ہے، وضاحت یوں ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ اللہ اکیلا ہی وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں رزق عطا کیا لیکن یہ معبود جنہیں تم اللہ کے برابر اور اس کے مثل اور عبادت کے استحقاق میں اللہ کے مساوی قرار دیتے ہو انہوں نے تو کسی چیز کو پیدا نہیں کیا۔ بلکہ یہ خود مخلوق ہیں اور تمہیں نقصان اور نفع پہنچانے پر مالک نہیں ہیں تو تم ان کی عبادت کو چھوڑ دو اور اللہ پاک اکیلے کی عبادت اور تعظیم کرو۔

---

[1] اسناده ضعيف او رده ابن جرير في تفسيره: ١٣٢/٩ (١٧٩٥٨) وفي سنده علي بن ابي طلحة لم يلق ابن عباس رضي الله عنهما.

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ (البقرة: ١٦٥)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو شریک (اللہ) بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں۔

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا٥﴾ (الاسراء: ١١١)

اور کہو کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کو بڑا جان کسی اس کی بڑائی کرتے رہو۔

ارشاد باری تعالیٰ :! کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے علاوہ کسی کو شریک بناتے ہیں: اس آیت میں اللہ نے شرک کرنے والوں کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ وہ اپنے معبودان باطلہ سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسا کہ انہیں اللہ عزوجل سے محبت کرنی چاہیے یعنی ان باطل خداؤں کے ساتھ اظہار محبت میں اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں لیکن ایماندار لوگ اللہ کے ساتھ زیادہ محبت کرتے ہیں اس لیے کہ ان کی محبت اللہ سے خلوص کے ساتھ ہے اور وہ اسی کے ساتھ محبت کرتے ہیں لیکن مشرکین کی محبت اپنے خداؤں کے ساتھ ایمانداروں کی محبت جیسی نہیں ہے ان کی محبت تو مختلف خداؤں کے ساتھ منقسم ہے اس میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ محبت کا محور جب ایک طرف ہو تو وہ محبت زیادہ جاگزیں اور مضبوط ہوتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے باطل خداؤں کے ساتھ اس طرح کی محبت کا اظہار کرتے ہیں جس طرح کہ ایماندار لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں حالانکہ ایمانداروں کی محبت اللہ کے ساتھ شدید ترین ہے کہ اس طرح کی محبت کفار کی اپنے باطل خداؤں کے ساتھ نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ! آپ ﷺ اعلان فرمائیں کہ تمام تعریفوں کا مستحق صرف اللہ ہے جس کی

﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾ (التغابن: ۱)

جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے (سب) اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور اسی کی سچی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف (لامتناہی) ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کوئی اولاد نہیں ہے: اس کی وضاحت پہلے حمد کے معنی کے بیان کے ضمن میں گزر چکی ہے کہ حمد زبان کے ساتھ تعریف کرنے کو کہتے ہیں خواہ تعریف نعمت کے مقابلہ میں ہو یا نہ ہو اور ہم نے بیان کر دیا ہے کہ اللہ پاک کے لیے حمد کو ثابت کرنا اس بات کا متقاضی ہے کہ تمام کمالات اللہ کے لیے ثابت ہیں یہی وجہ ہے کہ مطلقاً تعریف کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جس میں اس درجہ کمالات موجود ہوں۔

اس کے بعد اللہ پاک نے اپنی ذات سے ان چیزوں کو ختم فرمایا ہے جو اللہ کی کمال حمد کے منافی ہیں یعنی اللہ پاک اولاد شریک اور کمزوری کی وجہ سے ہر قسم کے معاون سے منزہ ہے یعنی وہ ہرگز محتاج نہیں ہے نہ اسے کسی کی ضرورت ہے یا اللہ پاک میں کوئی کمزوری ہے اس کے بعد اللہ نے اپنے بندے اور اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اللہ پاک کی بڑائی بیان کرتے رہیں یعنی اللہ کی عظمتوں کا چرچا کرتے رہیں اور اللہ کو ان کی صفات سے منزہ قرار دیتے رہیں جن صفات کے ساتھ اللہ کے دشمنوں نے جو اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہیں انہوں نے اللہ پاک کے اوصاف میں نقص ثابت کیا ہے۔

اللہ پاک کا ارشاد ہے! کہ آسمانوں اور زمین میں تمام چیزیں اللہ کی پاکیزگی بیان کرتی ہے: اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ اللہ کی ذات کو تمام عیوب سے اور نقائص سے مبرا قرار دیتے ہیں اور اسے پاک سمجھتے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اپنے پروردگار کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اللہ کے کمال علم قدرت غلبہ حکمت تدبیر اور رحم کرنے کے اوصاف کی گواہی دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمام چیزیں اللہ کی تعریف اور اس کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ البتہ تم ان کی تسبیح وتحمید کو سمجھ نہیں سکتے۔

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝﴾

(الفرقان: ۱۔۲)

اور اللہ عزوجل بہت ہی برکت والا ہے جس نے اپنے بندے محمد ﷺ پر قرآن نازل فرمایا تاکہ جہان والوں کو ہدایت کرے وہی کہ آسمانوں اور زمین کی (بادشاہی) اسی کی ہے اور جس نے (کسی کو) بیٹا نہیں بنایا جس کا بادشاہی میں کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کا اندازہ ٹھہرایا۔

جمادات کی تسبیح کے بارے میں جن میں قوت گویائی نہیں ہے اختلاف کیا گیا ہے کیا ان کا تسبیح کرنا زبان حال یا زبان قال کے ساتھ ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے ہو اس لیے اگر یہ مقصد ہوتا کہ ان کا تسبیح بیان کرنا زبان حال کے ساتھ ہے تو اس کا معلوم ہونا ظاہر تھا استدراک کی ضرورت نہ تھی یعنی اس جملہ کے بیان کرنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو جب کہ اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے لیے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا پہاڑ چاند اور سورج نکلنے کے وقت اس کے ساتھ تسبیح میں محو رہتے تھے نیز پرندے بھی جمع ہو جاتے تھے تمام کے تمام اس کی معیت میں اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے! کہ وہ ذات برکت والی ہے جس نے اپنے بندوں پر قرآن نازل کیا:
اس میں ہم بیان کرتے ہیں کہ برکت کا معنی بھلائی کا ہمیشہ اور زیادہ ہونا ہے لیکن زیادتی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں پہلے نقص تھا اس لیے کہ مقصود اللہ کے کمالات اختیاریہ کا بار بار وقوع پذیر ہونا ہے جو اللہ کی مشیت اور اس کی قدرت کے تابع ہیں بلاشبہ اللہ پاک کے کمالات اختیاریہ اللہ کی حکمت کے مطابق اللہ کی ذات سے وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں لہٰذا حکمت الٰہیہ کے تقاضوں

سے قبل ان سے حالی ہونا اس کو نقص نہیں سمجھا جائے گا۔

بعض مفسرین نے (تبارك) لفظ کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس سے مقصود ثابت ہونا اور تبدیلی کا رونما نہ ہونا ہے اسی وجہ سے تالاب کو (برکۃ) کہتے ہیں اس لیے کہ اس میں پانی کھڑا ہے لیکن یہ معنی صحیح فہم سے دور ہے جبکہ مقصد لفظ (فرقان) سے قرآن پاک ہے اور قرآن پاک کو فرقان اسی لیے کہا گیا ہے کہ قرآن پاک میں یہ قوت موجود ہے کہ وہ حق و باطل اور ہدایت اور گمراہی کے درمیان فرق کرتا ہے اور پھر اس کے اتارنے کو (نزل) لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے جس سے یہ بات مترشح ہورہی ہے کہ قرآن پاک کا نزول وقتاً فوقتاً ہوا اور وہ ایک ہی بار نازل نہیں ہوا اور (عبده) سے مراد محمد ﷺ ہیں اور آپ ﷺ کو شرف کے سبب عبودیت کے لقب کے ساتھ تعبیر کیا ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور (عالمین) کا لفظ عالم کی جمع ہے اور یہ ایسی جمع ہے جو ذی العقول کی نہیں ہے عالمین سے کون مراد ہے اس میں اختلاف کیا گیا ہے ایک قول یہ ہے کہ ان سے مراد انسان ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے مراد انسان اور جن ہیں۔

اور یہ قول صحیح ہے اس لیے کہ شرعاً ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو جنوں کی طرف بھی بھیجا گیا تھا اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ان کے اجتماع میں تشریف لے گئے اور آپ نے ان پر قرآن پاک کی آیات تلاوت فرمائیں اور ان میں کچھ جن مسلمان ہو گئے جب انہوں نے قرآن پاک کو سنا اور پھر وہ لوگ اپنی قوم کو ڈرانے چلے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ۝﴾ (احقاف: ۲۹)

ترجمہ: اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کیے کہ قرآن سنیں تو جب وہ اس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو جب (پڑھنا) تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ ان کو نصیحت کریں۔

نذیر اور منذر ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ڈراتے ہوئے کسی چیز کی خبر دیتے ہیں اس کے برعکس بشیر اور مبشر کا لفظ ہے اس سے مقصود وہ شخص ہے جو تجھے خوش کن خبر دیتا ہے۔

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾ (المومنون : ۹۱-۹۲)

اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لے کر چل دیتا اور ایک دوسرے پر غالب آ جاتا یہ لوگ جو کچھ اللہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے اور وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے اور مشرک جو اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں اس کی شان اس سے اونچی ہے۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ بھی صفات تنزیہ سے چند صفات کو شامل ہے وہ صفات جن سے ان چیزوں کی نفی کا ارادہ کیا جاتا ہے جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ چنانچہ اللہ پاک نے اپنے آپ کو اس آیت میں لڑکا بنانے نیز کسی معبود کے جو اللہ کے ساتھ پیدا کرنے والا ہے کے وجود سے منزہ قرار دیا ہے نیز ان صفات سے جن کے ساتھ افتراء باندھنے والے کذاب لوگ اللہ کو موصوف کرتے ہیں جیسا کہ بلا حجت اور بلا دلیل اللہ کے لیے اللہ کے مثل ثابت کرنے اور اس کے ساتھ شریک بنانے نیز اللہ پاک پر بغیر علم اور بغیر ثبوت کے کچھ کہنے سے منع کیا ہے پس یہ آیت توحید فی الالوھیت اور توحید فی الربوبیت کے اثبات کو متضمن ہے بلاشبہ اللہ پاک نے جب اپنے آپ کے بارے میں خبر دی ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی معبود کا وجود نہیں ہے تو اس کے بعد اس کو قاطع دلیل اور روشن حجت کے ساتھ واضح کرتے ہوئے فرمایا اگر اللہ کے ساتھ معبود ہوتے جیسا کہ یہ مشرک لوگ کہہ رہے ہیں تو ہر معبود اپنی پیدا کردہ چیزوں کو لے جاتا اور بعض بعض پر غالب آ جاتے۔

اس دلیل کی وضاحت یوں ہے کہ ہم کہیں گے جب کئی معبود ہوں گے تو لازمی طور پر ہر معبود

کی مخلوق ہوگی اور اس کے افعال ہوں گے ظاہر ہے کہ ان معبودوں کے درمیان تعاون کی کوئی صورت نہیں ہوگی بلکہ ان کے درمیان لازمی طور پر اختلاف ہوگا جیسا کہ چیزوں کے پیدا کرنے میں اگر ان کے درمیان تعاون ہوگا تو یہ اس بات کا متقاضی ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک انفرادی صورت میں پیدا کرنے سے عاجز ہے اور عاجز کو معبود کہنا درست نہیں پس ضروری ہوا۔

کہ ہر معبود اپنے وصف خلق اور اپنے افعال میں مستقل ہو یعنی دوسرے کا محتاج نہ ہو ایسی صورت میں یا تو وہ تمام قدرت میں برابر ہوں گے ان میں سے کوئی اس پوزیشن میں نہیں ہوگا کہ دوسرے معبودوں پر غالب آ جائے پس ان میں ہر معبود اپنی مخلوقات کو الگ کر لے گا اور اپنی بادشاہت کو مستقل کرے گا جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں میں سے ہر بادشاہ اپنی بادشاہت میں مستقل ہوتا ہے جب کہ وہ دوسرے معبودوں کو مغلوب کرنے کی قوت نہیں پاتا' یا ان معبودوں میں ہر ایک دوسرے معبودوں سے زیادہ قوت والا ہے وہ ان پر غالب آ جائے گا انہیں مغلوب کر دے گا اور ان کی شمولیت کے بغیر پیدا کرنے اور تدبیر میں الگ ہوگا' ایسی صورت میں جبکہ متعدد معبود ہوں دو باتوں میں سے ایک بات کا ہونا ضروری ہے' یا ہر معبود اپنی پیدا کردہ چیزوں کو مستقل بنا لے گا یا ان میں سے بعض بعض پر غالب آ جائیں گے۔

جبکہ ہر معبود کا اپنی مخلوق کو الگ کرنا وقوع پذیر نہیں ہے اس لیے کہ یہ صورت تنافر اور عالم کے اجزا کے درمیان انفصال کا تقاضا کرتی ہے حالانکہ مشاہدہ اس حقیقت کو ثابت کر رہا ہے کہ تمام عالم ایک جسم کی مانند ہے اجزاء کا آپس میں ربط ہے عالم کے کناروں میں نظم وضبط ہے اس لحاظ سے صرف ایک معبود مؤثر ہے اور ایک کا دوسروں پر غالب ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ غالب ہونے والا معبود ہی اکیلا بلند ہے اور وہی حقیقی معبود ہے، اللہ پاک نے اس بات سے منع کر دیا ہے کہ اللہ سبحانہ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ مشابہ قرار دیا جائے اس لیے کہ اللہ پاک کی ذات اتنی بلند ہے کہ اس میں کوئی بھی مخلوق اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○﴾

(النحل: ٧٤)

تو لوگو! اللہ کے بارے میں غلط مثالیں نہ بناؤ صحیح مثالوں کا طریقہ اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○﴾ (الاعراف: ٣٣)

کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔

نیز ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ کے بارے میں ہرگز ایسے قیاسات کو پیش نہ کیا جائے جو اللہ اور اس کے ماسوا میں مماثلت یا مساوات کے متقاضی ہوں جیسے قیاس تمثیل اور قیاس شمول ہیں' بلکہ اللہ کے بارے میں بہترین قیاس کی صورت یہ ہے کہ جب مخلوق میں جس قدر بھی کمالات موجود ہیں ان پر نہ کبھی عدم آتا ہے نہ ان میں کبھی نقص رونما ہوتا ہے تو خالق کائنات زیادہ لائق ہے کہ وہ ایسے کمالات کے ساتھ موصوف ہو اس لئے کہ خالق کائنات ہی نے مخلوق کو ان کمالات سے نوازا ہے' اس لئے بھی کہ اگر اللہ پاک ان کمالات کے ساتھ موصوف نہ ہو جبکہ ممکن ہے کہ وہ موصوف ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ممکنات میں ایسی ہستی موجود ہے جو اللہ پاک سے زیادہ کمالات کی حامل ہے' ظاہر ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے اسی طرح ہر وہ نقص جس سے مخلوق منزہ ہے خالق کائنات زیادہ لائق ہے کہ اس سے منزہ ہو۔

آیت مذکورہ میں لفظ (انـمـا) حصر کے لئے ہے مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک نے خاص طور پر

مذکورہ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ ان کے علاوہ تمام چیزیں پاکیزہ ہیں اور جائز ہیں ان میں سے کچھ گناہ نہیں ہے' جیسا کہ اس سے پہلے ذکر شدہ آیت میں یہ بات ذکر کی گئی ہے۔

فواحش فاحشة کی جمع ہے اس سے مقصود وہ افعال ہیں جو قباحت کے آخری درجہ پر ہیں بعض علماء نے ان سے خاص طور پر ان بے حیائی کے کاموں کو لیا ہے جن میں شہوت اور لذت پائی جاتی ہے جیسے زنا وغیرہ' وہ بے حیائی کے کام ہیں جن میں واضح طور پر بے شرمی کارفرما ہے' اور باطنی بے حیائی کے کاموں سے تکبر' عجب اور حکومت کے ساتھ محبت والفت وغیرہ مراد لیا گیا ہے۔

لیکن (اثم) سے مقصود یعنی مفسرین کے نزدیک مطلق معصیت ہے جس کا درجہ بے حیائی سے کمتر ہے' جبکہ بعض مفسرین نے اس سے شراب کا معنی لیا ہے اس لئے کہ شراب تمام گناہوں کی جڑ ہے' اور (بغی) سے مقصود لوگوں پر بلاسبب زیادتی کرنا اور بے انصافی کرتے ہوئے ان پر اپنی حاکمیت کو مسلط کرنا ہے۔

اور تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک نہیں بنانا ہے جن کے بارے میں کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے: سے مقصود یہ ہے کہ تمہارے لئے حرام قرار دیا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کرو اور نہ تم نے کسی قسم کی عبادت کے ساتھ ان کا قرب تلاش کرنا ہوگا۔

مثلاً تم نے اللہ کے علاوہ انہیں پکارنا نہیں ہوگا' نہ غیر اللہ کے لئے نذر ماننا ہوگا نہ جانوروں کو ذبح کرنا ہوگا نہ ان سے ڈرنا ہوگا نہ ان سے امیدیں وابستہ کرنی ہوں گی اس طرح کے دیگر معاملات بھی جن کے بارے میں اللہ پاک اس بات کو پسند فرماتا ہے' کہ اس کے بندے خلوص قلب کے ساتھ اللہ کی رضا طلب کرتے ہوئے خود کو اللہ کے سپرد کر دیں اس لئے کہ اللہ پاک نے حرام قرار دیا ہے کہ لوگ اللہ پاک کے علاوہ کسی کو اپنا حاکم سمجھیں کہ وہ ان کے لئے دین اسلام میں ایسی باتوں کو داخل کریں جن کی اللہ پاک نے اجازت نہیں دی ہے کہ انہیں عبادات اور معاملات میں شامل کیا جائے جیسا کہ اہل کتاب نے اپنے علماء اور صوفیاء کو اللہ کے علاوہ شریعت بنانے میں اپنا رب بنایا انہوں نے ان کے لئے ان چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جن کو اللہ نے حرام قرار دیا تھا اور جن چیزوں کو اللہ نے حلال قرار دیا تھا ان کو حرام قرار دیا چنانچہ انہوں نے ان کی

بلا دلیل پیروی کی۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے علاوہ جن کی عبادت ہوتی ہے یا جن کی پیروی کی جاتی ہے یا جن کی اطاعت کی جاتی ہے یہ سب کچھ بلا دلیل ہے۔

اللہ پاک کی جانب بلاعلم کسی بات کی نسبت کرنا اس کا میدان تو بہت وسیع ہے اس میں وہ تمام باتیں داخل ہیں جو بلا دلیل اللہ پاک کے بارے میں کہی جاتی ہیں' مثال کے طور پر اللہ پاک نے اپنے لئے جن اوصاف کو ثابت کیا ہے ان کی نفی کی جائے یا جن صفات کی اللہ نے اپنی ذات سے نفی کی ہے ان کو اللہ کے لئے ثابت کیا جائے یا اللہ کی آیات میں تحریف کرتے ہوئے اور تاویل کا دروازہ کھولتے ہوئے کجروی اختیار کی جائے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول: اعلام الموقعین میں علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ پاک نے اس بات کو حرام قرار دیا ہے کہ بلاعلم اللہ کی جانب کسی بات کی نسبت کی جائے کسی فتوی یا کسی فیصلہ کو بلا دلیل اللہ کی جانب منسوب کیا جائے اس کو تمام محرمات سے زیادہ خطرناک قرار دیا ہے بلکہ اس کی سنگینی کے پیش نظر اسے بلند مرتبہ میں بیان کیا ہے' چنانچہ مذکورہ بالا آیت میں محرمات کا بیان کرتے ہوئے انہیں چار مراتب دیئے ہیں آغاز میں سب سے معمولی چیز کو بیان کیا اسے فواحش کے ساتھ تعبیر کیا اور دوسرے درجہ میں ایسی حرام کردہ چیز کا ذکر کیا جو پہلی چیز سے ذرا حرمت میں زیادہ خطرناک تھی اس سے مقصود گناہ وظلم کا ارتکاب ہے تیسرے درجہ میں اس چیز کو بیان کیا جس کی حرمت پہلی دونوں چیزوں سے زیادہ شنیع تھی اس سے مقصود اللہ پاک کے لئے شریک ثابت کرنا ہے اور چوتھے مرتبہ میں ایسی چیز کو بیان کیا جو حرمت کے لحاظ سے ان سب سے زیادہ خطرناک تھی اس سے مقصود اللہ کے بارے میں بلا دلیل کچھ کہنا۔ یعنی اللہ کے اسماء، صفات، افعال اور دین اسلام اور شریعت اسلامیہ میں بلاعلم بلا دلیل کسی بات کا اضافہ کرنا[1]۔

---

[1] اوردہ ابن القیم فی تصنیفہ اعلام الموقعین: ۱/ ۳۸.

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰىO﴾ (طٰهٰ: ٥) فِيْ سَبْعِ مَوَاضِعَ
رحمان عرش پر مستوی ہے خیال رہے کہ یہ جملہ قرآن پاک میں سات مقام میں ہے۔

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الاعراف: ٥٤)
کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا۔

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (یونس: ٣)
تمہارا پروردگار تو اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الرعد: ٢)
اللہ وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اتنے) اونچے بنائے پھر عرش پر مستوی ہوا۔

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰىO﴾ (طٰهٰ: ٥)
رحمان عرش پر مستوی ہوا۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الفرقان: ٥٩)
پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الم السجدہ: ٤)

اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو چیزیں ان دونوں میں ہیں سب کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا۔

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ (الحدید: ٤)

وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا۔

متن میں مذکورہ سات مقامات میں اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے یہ تمام مقامات قطعی الثبوت ہیں' اس لئے کہ یہ مقامات کتاب اللہ میں ہیں۔ پس کسی شخص کے لئے ہرگز جائز نہیں جو عقائد کے لحاظ سے خود کو جھمیہ کے گروہ سے سمجھتا ہے کہ وہ ان مقامات کا انکار کرے، اور پھر یہ آیات اپنے مضمون کے لحاظ سے واضح ہیں ہرگز ان میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے' اس لئے کے لغت عرب میں لفظ (استوی) جب (علی) کے ساتھ متعدی ہوگا تو اس وقت اس کے معنی میں علو ہی مراد ہو سکتا ہے

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کی تفاسیر میں اس لفظ کو چار عبارات سے بیان کیا گیا ہے علامہ ابن القیم رحمتہ اللہ علیہ قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں۔

فَلَهُمْ عِبَارَاتٌ عَلَیْهَا اَرْبَعٌ قَدْ حَصَلَتْ لِلْفَارِسِ الطَّعَّانِ
وَهِیَ اِسْتَقَرَّ وَقَدْ عَلَا وَکَذَالِكَ اِرْتَفَعَ الَّذِیْ مَا فِیْهِ مِنْ نُکْرَانِ
وَکَذَالِكَ قَدْ صَعَدَ الَّذِیْ هُوَ اَرْبَعٌ وَ اَبُوْعُبَیْدَةَ صَاحِبُ الشَّیْبَانِیْ
یَخْتَارُ هٰذَا الْقَوْلَ فِیْ تَفْسِیْرِهٖ اَدْرٰی مِنَ الْجَهْمِیِّ بِالْقُرْاٰنِ

ترجمہ: لفظ استوی کی تفسیر میں مفسرین نے چار عبارتیں پیش کی ہیں اس شخص کو ان سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے جو میدان علم کا شاہسوار ہے اور ہر طرح کی علمی صلاحیتوں سے لیس ہے، ایک

تفسیر یہ ہے کہ اس کا معنی (استقر) ہے دوسرا معنی (قد علا) ہے تیسرا معنی (ارتفع) ہے جس کے بارے میں ہرگز انکار نہیں ہوسکتا اور چوتھا معنی (قد صعد) ہے نیز ابوعبیدہ شیبانی اپنی تفسیر میں اس قول کو ترجیح دیتے ہیں ، جو کہ قرآن پاک کے مطالب کو جہمی نظریات کے حامل اہل علم سے زیادہ جانتا ہے۔

اہل سنت والجماعت ان صفات الٰہیہ پر ایمان رکھتے ہیں جن کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا ہے مثلاً یہ کہ ''اللہ عرش پر مستوی ہے'' اپنی مخلوق سے الگ ہے لیکن اس کیفیت کو اللہ پاک ہی جانتا ہے۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: کہ اللہ پاک کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول ہے۔ لیکن معطلہ فرقہ کے ہمنوا اس پر جو غوغا آرائی کرتے ہیں اور استواء علی العرش کے تسلیم کرنے پر جو فاسد اعتراضات کرتے ہیں وہ ہمیں کچھ نقصان نہیں دیتے اس لئے کہ ہم اس نظریہ کے قائل نہیں ہیں کہ عرش پر اللہ کی فوقیت اس طرح کی ہے جس طرح کہ مخلوق کی مخلوق پر فوقیت ہوتی ہے۔

لیکن تاویلات کرنے والے ان صریح آیات کی فاسدانہ تاویلات کر کے ان کے ظاہری معانی سے دور ہو گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اضطراب کا شکار ہیں اور متحیر ہیں جب یہ لوگ (استوی) کا معنی (استولی) کرتے ہیں کہ اللہ غالب ہے یا علی کا معانی ظاہر سے ہٹ کر (الی) والا معنی کرتے ہیں اور استوی کا معنی قصد کا کرتے ہیں کہ اللہ نے عرش کا قصد کیا ان تاویلات کو ان کی جانب سے جھمیہ اور معطلہ کے علم بردار زاہد الکوثری نے بیان کیا ہے صفات کے بارے میں اس کی ذکر کردہ تمام تاویلات باطل اور محض شور و شغب ہیں۔ اور حق بات کو تبدیل کر کے پیش کرنا ہیں ان باتوں سے انہیں کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا کاش کہ مجھے معلوم ہو جائے معطلہ فرقے کا کیا مقصد ہے؟ وہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں کیا ان کا مطمح نظر یہ ہے کہ وہ برملا اعلان کر رہے ہیں کہ آسمانوں میں کوئی رب نہیں کہ اس کی جانب قصد کیا جائے اور نہ ہی عرش پر کوئی معبود ہے جس کی عبادت کی جائے تو وہ بتائیں اللہ کہاں ہے؟

شائد جب ہم ان سے یہ بات دریافت کریں گے پھر اللہ کہاں ہیں تو وہ ہماری بات سن کر

ہنسا شروع کر دیں گے اور اس مشہور حدیث کو فراموش کر دیں گے کہ جس میں ہے کہ تمام کائنات سے رب کائنات کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات رکھنے والی تمام مخلوقات سے زیادہ کامل واکمل شخصیت نے جب ایک لونڈی سے اللہ کے بارے میں دریافت کیا کہ اللہ کہاں ہے؟ اور آپ نے اس کے جواب پر خوشی کا اظہار کیا جب اس نے کہا کہ اللہ آسمانوں پر ہے نیز آپ ﷺ نے ایک شخص کو جواب دیتے ہوئے فرمایا (جس نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ہمارا پروردگار کہاں تھا فرمایا: پروردگار فضا میں تھا[1] لیکن آپ ﷺ سے منقول نہیں ہے کہ آپ نے سوال کرنے والے کو ڈانٹ پلائی ہو اور اس پر اعتراض کیا ہو کہ تمہارا سوال غلط ہے جہمیہ فرقہ کا ہوشیار منہ پھٹ ترجمان اس مسئلہ میں جو کچھ کہتا ہے اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا وجود تو ہے لیکن اس کے لئے کسی مکان کا تعین نہیں کیا جا سکتا بعد ازاں اللہ نے مکان کو پیدا کیا لیکن اب بھی اسی حالت میں ہے جس مکان میں وہ پیدا کرنے سے پہلے تھا معلوم نہیں یہ دیدہ دلیر بے وقوف ترجمان اس مکان سے کیا معنی لیتا ہے کہ اللہ تھا لیکن اس کا مکان نہ تھا؟ کیا اس سے مقصود وہ ان موجود امکنہ کو مراد لیتا ہے جو عالم کے محیط کے اندر ہیں؟ لیکن امکنہ تو حادثات ہیں اور ہم یہ بات کبھی بھی نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کا وجود حادث چیزوں میں ہے اس لئے کہ اللہ کی ذات کا احاطہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی مخلوق نہیں کر سکتی اور اگر اس سے مراد معدوم مکان لیا جائے جو خلاء محض ہے اس میں وجود نہیں ہے پس ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نہ تھا پھر اس نے پیدا کیا' ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ پیدا کرنا متعلق نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ معدوم چیز ہے۔ لیکن جب یوں کہا جائے کہ اللہ اس معنی کے لحاظ سے مکان میں ہے جیسا کہ اس پر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ دلالت کر رہی ہیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ اللہ تھا اور اللہ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی پھر اس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اللہ کا عرش پانی پر تھا بعد ازاں اللہ تعالی عرش پر مستوی ہوا خیال رہے کہ اس عبارت میں (ثـــم) کا استعمال ترتیب زمانی کے لیے ہے (یعنی آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ کی پہلی تخلیق ہے ان کی تخلیق سے قبل اللہ تھا اللہ کے سوا کوئی چیز نہ



تھی) صرف عطف کے معنی کے لئے نہیں ہے۔

وضاحت: امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرش سے مراد تخت ہے اور وہ مجسم ہے اللہ تعالی نے اسے پیدا فرمایا فرشتوں کو اس کو اٹھانے کا حکم دیا اور انہیں پابند کیا کہ وہ اس کی تعظیم کریں اور اس کا طواف کریں جیسا کہ زمین میں بیت اللہ کو بنایا اور انسانوں کو اس کے طواف اور اس کی جانب منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ (الاسماء والصفات/۳۹۲)

(اور استواء کی کیفیت معلوم نہیں) اس کے بارے میں یحییٰ بن معین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک شخص آیا اس نے آ کر سوال کیا اے ابوعبداللہ! رحمان عرش پر کیسے مستوی ہوا کیفیت بیان کریں؟ اس کی یہ بات سن کر امام مالک نے سر نیچے کئے رکھا یہاں تک ان کا جسم پسینہ سے شرابور ہو گیا بعد ازاں انہوں نے بتایا اللہ کا مستوی ہونا معلوم ہے البتہ کیفیت معلوم نہیں بس اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور میں تجھے بدعتی سمجھتا ہوں چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو یہاں سے نکال دیا جائے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ پاک نے قرآن پاک میں اپنے جن اوصاف کا ذکر کیا ہے ان کی تفسیر ان کی قرأت ہے اور خاموشی ہے یعنی توقف اختیار کیا جائے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ آسمان میں عرش پر ہے یہ متشابہ آیات سے ہے جن کی حقیقت کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ (الاسماء والصفات ص ۴۰۸۔۴۱۰)

---

❶ اسنادہ حسن، اخرجہ الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ ھود، ح: ۳۱۱۰۔ و اوردہ ابن ماجہ فی المقدمۃ باب فیما انکرت الجھمیۃ وحسنہ.

﴿يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ (آل عمران: ٥٥)

اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا۔

﴿بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾

بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔(النساء: ١٥٨)

﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ (فاطر: ١٠)

(109) اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتے ہیں۔

﴿يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا﴾

(غافر: ٣٦-٣٧)

اے ہامان میرے لئے محل بنوا تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) راستوں پر پہنچ جاؤں (یعنی) آسمانوں کے راستوں پر پھر موسیٰ کے اللہ کو دیکھ لوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

ذکر کردہ آیات مبارکہ ان آیات کے مضمون کی تائید کرتی ہیں جو پہلے ذکر ہو چکی ہیں جن میں اللہ پاک کے عرش پر بلند ہونے مخلوق سے الگ ہونے کا ذکر ہے نیز معطلہ فرقہ کے لوگ چونکہ ان صفات کا انکار کرتے ہیں۔اس لئے انہیں مطعون قرار دیا گیا ہے' اللہ پاک ان باتوں سے منزہ ہے جو باتیں یہ لوگ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں۔چنانچہ پہلی آیت میں اللہ پاک اپنے پیغمبر اور کلمہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو آواز دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ اس کو اس کی مدت پوری کر کے اپنی طرف اٹھانے والا ہے جب یہودیوں نے ان کے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا' خیال رہے اللہ پاک کے ارشاد لفظ (الی) میں متکلم کی ضمیر اللہ جل شانہ کی جانب راجع ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہیں ہے' اس سے مقصود اللہ کی رحمت کے مقام کی طرف یا فرشتوں کے مکان کی

طرف اٹھانے والا ہے آیت کے آخر تک کے معنی کو ملحوظ فرمائیں لیکن حقیقت معلوم نہیں یہی بات اللہ پاک کے کلام کے بارے میں کہیں گے جس میں اللہ نے یہودیوں کے اس دعویٰ کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور اسے صلیب پر لٹکایا کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ پاک نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی جانب اٹھالیا۔

سوال: توفی سے کیا مقصود ہے؟

جواب: بعض مفسرین نے اس کے معنی موت کیا ہے' جبکہ اکثر مفسرین نے اس کے معنی نیند کیا ہے' اس لئے کہ لفظ (توفی) اس معنی میں استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''کہ اللہ وہ ذات ہے جو تمہیں رات کو سلا دیتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم دن بھر کام کرتے ہو'' بعض مفسرین نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ کلام میں تقدیم وتاخیر ہے اصل عبارت یوں ہے کہ میں تجھے اٹھانے والا ہوں اور اس کے بعد تجھے مارنے والا ہوں' جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا اور وہ قیامت کے قریب آسمانوں سے اتریں گے جیسا کہ صحیح حدیث [1] میں اس کی وضاحت ہے۔

اللہ پاک کا فرمان ''کہ اس کی جانب اچھے کلمات بلند ہوتے ہیں'' اس میں وضاحت ہے کہ انسانوں کے اقوال اور اعمال اللہ کی جانب بلند ہوتے ہیں روزانہ عصر اور صبح کی نماز کے بعد کراما کاتبین انہیں لے کر جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے جو فرشتے رات تمہارے پاس گزارتے ہیں جب وہ اعمال لے کر آسمانوں کی جانب جاتے ہیں تو ان کا پروردگار ان سے استفسار فرماتا ہے (حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے) کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ؟ وہ جواب دیتے ہیں جب ہم ان کے ہاں پہنچے تو وہ نماز ادا کر رہے تھے اور جب ہم نے انہیں چھوڑا اور آسمانوں کی جانب جانے لگے تب بھی وہ نماز ادا کرنے میں مصروف تھے [2]۔

---

[1] اخرجه البخاری، المظالم، باب کسر الصلیب وقتل الخنزیر، ح: ٢٤٧٦۔ ومسلم الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بتشریعة نبینا محمد ﷺ ح: ٢٤٢.

[2] اخرجه البخاری، مواقیت الصلوٰة، باب فضل صلاة العصر، ح: ٥٥٥ و ٣٢٢٣ و ٧٤٢٩۔ ومسلم المساجد، باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظة علیها، ح: ٦٣٢.

﴿ءَ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ○ أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ○﴾ (الملك: ١٥-١٦)

کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ اس وقت حرکت کرنے لگے کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے سو عنقریب جان لو گے کہ تمہارا ڈرنا کیسا ہے۔

اللہ پاک کا ارشاد فرعون کے ایک حکم کی حکایت کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایئے ''جس میں فرعون نے ہامان کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا تھا'' اس میں وضاحت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سرکش کو بتایا کہ اللہ پاک آسمانوں میں ہے تو فرعون اپنی قوم کو ہمنوا بنانے کے لئے ایک چال چلتا ہے اور اپنے وزیر ہامان کو حکم دیتا ہے کہ وہ ایسا اونچا محل تعمیر کرے' جس کے ذریعہ سے وہ موسیٰ علیہ السلام کے معبود کی جانب رسائی حاصل کر سکے جو بقول اس کے آسمانوں میں ہے' اس کے بعد وہ کھلے لفظوں میں کہتا ہے بلاشبہ میں موسیٰ علیہ السلام کو اس بات میں جھوٹا سمجھتا ہوں کہ اس کا پروردگار آسمانوں میں ہے' آپ ملاحظہ فرمائیں کہ کون لوگ فرعون کے ہم خیال ہیں اور اس کے زیادہ قریب ہیں۔ ہم ہیں یا معطلہ فرقہ؟ بلاشبہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کو اس خبر کے لحاظ سے کذاب سمجھتا ہے کہ اس کا پروردگار آسمانوں میں ہے' اور معطلہ فرقہ بھی اللہ کے آسمانوں میں ہونے کی نفی کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ (ءامنتم) ان دونوں آیات میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اللہ عزوجل آسمانوں میں ہے اور اس سے عذاب یا اللہ کا حکم یا فرشتہ مراد لینا جائز نہیں جیسا کہ معطلہ فرقہ کہتا ہے اس لئے کہ لفظ (من) عاقل کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اس سے مراد فرشتہ لینا لفظ کے ظاہر کے خلاف ہے جبکہ کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں جو اس کا تقاضا کرتا ہو۔

نیز (فی السماء) کے الفاظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آسمان اللہ پاک کے لئے ظرف ہے بلکہ اگر آسمانوں سے مراد معروف آسمان ہے تو پھر لفظ (فی) علی کے معنی میں ہوگا جیسا کہ (لأصلبنكم فی جذوع النخل) میں لفظ (فی) علی کے معنی میں ہے لیکن اگر آسمان سے مراد جانب علو ہے تو پھر درست ہے اس لئے کہ اللہ پاک نہایت علو میں ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ o﴾ (الحديد: ٤)

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا جو چیز زمین میں داخل ہوتی اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ اللہ عزوجل کی صفت معیت کو متضمن ہیں معیت دو قسم پر ہے عام معیت: اس لحاظ سے اللہ کی معیت تمام مخلوقات کو شامل ہے اللہ پاک اپنے علم، قدرت غلبہ اور احاطہ کے لحاظ سے ہر چیز کے ساتھ ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ اسے کوئی چیز عاجز کرسکتی ہے اس آیت میں اسی معیت کا ذکر ہے۔

چنانچہ اس آیت میں اللہ پاک اپنی ذات کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ اللہ اکیلا ہے ۔جس نے آسمانوں زمین کو پیدا فرمایا یعنی اللہ نے ان کو خاص ترتیب اور انداز کے ساتھ چھ روز میں ایجاد کیا اس کے بعد اللہ پاک اپنے عرش پر کائنات کے امور کی تدبیر کے لئے مستوی ہوئے بلاشبہ اللہ پاک سے عرش کے اوپر ہونے کے ساتھ ساتھ عالم علوی وسفلی کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے اللہ پاک ان چیزوں کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور جو زمین سے نکلتی ہیں اور ان کو جو آسمان سے اترتی ہیں اور جو آسمانوں کی جانب چڑھتی ہیں اس میں ہرگز کچھ شک وشبہ نہیں کہ جس ذات کا علم اور قدرت تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہو تو وہ ہر چیز کے ساتھ ہے اسی لئے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہوتے ہو اللہ دیکھتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

﴿مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ٥﴾

(المجادلہ: ٧)

(کسی جگہ) تین (شخصوں) کا (مجمع اور) کانوں میں صلاح مشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور اس سے کم یا زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہو پھر جو جو یہ کام کرتے رہے ہیں قیامت کے دن وہ (ایک ایک) ان کو بتائے گا۔

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبہ: ٤٠)

غم نہ کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

﴿إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرٰى ٥﴾ (طٰہٰ: ٤٦)

میں تمہارے ساتھ ہوں (اور) سنتا اور دیکھتا ہوں۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ ٥﴾ (النحل: ١٢٨)

کچھ شک نہیں کہ جو پرہیز گار ہیں اور نیکوکار ہیں اللہ ان کا مددگار ہے۔

﴿وَاصْبِرُوا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ٥﴾ (الانفال: ٤٦)

اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ثابت فرما رہے ہیں کہ اللہ کے علم نے تمام چیزوں کا احاطہ کیا ہوا ہے اور اللہ پر سرگوشی کرنے والوں کی سرگوشی مخفی نہیں ہے نیز اللہ تعالیٰ کے سامنے تمام چیزیں حاضر ہیں اور ان پر اسے اطلاع ہے خیال رہے کہ لفظ نجوی کا لفظ ثلاثہ کی جانب اضافت دراصل صفت کی موصوف کی جانب اضافت ہے تو معنی اس طرح ہوگا کہ تین سرگوشی کرتے ہیں تو اللہ ان کے ساتھ چوتھا ہوتا ہے۔

آیت ''لا تحزن'' میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب

وہ دونوں غار میں تھے جب کہ مشرکوں نے غار کے دروازے کا احاطہ کیا ہوا تھا جب وہ آپ کی تلاش میں نکلے تھے جب ابوبکر صدیق نے انہیں محسوس کیا تو انہوں نے گھبرا کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر ان میں سے کسی نے اپنے پاؤں کے نیچے دیکھا تو وہ ہمیں معلوم کر لے گا اس پر رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق سے جو فرمایا ہے اللہ پاک اس کی حکایت بیان کر رہے ہیں [1] پس اس مقام میں معیت سے مقصود ان کی مدد کرنا اور انہیں دشمنوں سے محفوظ رکھنا ہے اور ارشاد الٰہی ﴿انني معكما اسمع وارى﴾ کے بارے میں پہلے وضاحت گزر چکی ہے دراصل یہ خطاب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو ہے کہ وہ نہ ڈریں کہ فرعون ان کو پکڑ لے گا جب اللہ پاک ان کے ساتھ ہے ان کی مدد کر رہا ہے اور اللہ کی تائید ان کے ساتھ ہے بالکل اسی طرح دیگر ذکر کردہ آیات میں اللہ پاک خبردار کر رہے ہیں کہ اللہ پاک پرہیزگاروں کے ساتھ ہے جو اوامر الٰہیہ اور نواہی کا خیال رکھتے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں نیز اللہ پاک ان محسنین کے ساتھ ہے جو ہر کام میں مقام احسان کا التزام کرتے ہیں خیال رہے کہ ہر کام میں احسان کا الگ الگ مقام ہے مثال کے طور پر عبادت میں احسان سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی اس خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کی جائے گویا کہ اللہ کا مشاہدہ ہو رہا ہے اگر فی الحقیقت مشاہدہ نہیں ہو رہا ہے تو یہ تصور تو قائم رہنا ضروری ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے جیسا کہ اس کا ذکر جبریل علیہ السلام کی حدیث میں موجود ہے۔

اسی طرح اللہ پاک خبر دے رہے ہیں کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے جو خود کو تکلیف دہ کاموں میں اللہ پاک کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے لگائے رکھتے ہیں اور اللہ کے راستے میں تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کرتے ہیں اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اطاعت کرنے میں صبر کرتے ہیں اور معصیت سے اجتناب کرنے میں صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے نیز اللہ کے فیصلوں پر صبر ورضا کے دامن کو چھوڑتے نہیں ہیں۔

[1] اخرجه البخاری، فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب المهاجرين وفضلهم، ح: ٣٦٥٢۔ ومسلم فضائل الصحابه، باب من فضائل ابی بکر، ح: ٢٣٨١.

﴿كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○﴾ (البقرة: ٢٤٩)

بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔

﴿ومن اصدق من الله حديثا﴾

اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا ○﴾

اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے۔(النساء : ١٢٢)

مذکورہ بالا آیات اللہ عزوجل کے وصف کلام کو بیان کر رہی ہیں خیال رہے کہ اس مسئلہ میں علماء کرام کا زبردست اختلاف ہے بعض نے اللہ پاک کے کلام کو اللہ کی مخلوق سے الگ ثابت کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اللہ کے متکلم ہونے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کلام کا خالق ہے جبکہ بعض نے کلام کو اللہ کی ذات کے ساتھ ازل سے لازم ثابت کیا ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے اللہ کی مشیت اور قدرت کے ساتھ متعلق نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ اللہ پاک سے حروف اور آواز کی نفی کی ہے نیز کلام کو ازل میں ایک معنی قرار دیا ہے یہ لوگ کلابیہ اور اشعریہ ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ کلام سے مراد قدیم حروف اور آوازیں ہیں جو اللہ کی ذات کے ساتھ لازم ہیں اور ازل سے اللہ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اللہ پاک ان حروف کے ساتھ لحظہ بلحظہ متکلم نہیں ہوتا ان سے مراد بعض غالی قسم کے لوگ ہیں۔ اور بعض نے کلام کو حادث اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم اور اللہ کی مشیت اور قدرت کے ساتھ متعلق قرار دیا ہے البتہ ان کا کہنا ہے کہ اللہ کی ذات میں اس کا آغاز ہوا بلا شبہ اللہ ازل سے متکلم نہیں ہے یہ لوگ کرامیہ ہیں۔

ہماری بات طول پکڑ جائے گی اگر ہم ان اقوال کا جائزہ لیتے رہیں اور انہیں فاسد قرار دیتے رہیں جب کہ ان سب فرقوں کا فساد ہر اس شخص کے سامنے واضح ہے جو فہم سلیم اور صحیح نظر رکھتا ہے۔

﴿إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ (المائدہ : ۱۱۰)

جب اللہ تعالیٰ (عیسیٰ علیہ السلام) سے فرمائے گا کہ اے عیسی بن مریم۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (الانعام: ۱۱۵)

اور تمہارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا ۝﴾ (النساء: ۱۶٤)

اور موسی سے تو اللہ تعالیٰ نے باتیں بھی کیں۔

سوال: اہل سنت والجماعت کا مسلک کیا ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالی ازل سے متکلم ہے جب وہ چاہتا ہے اور کلام اللہ کا ایسا وصف ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ اپنی مشیت اور قدرت کے ساتھ متکلم ہے وہ ازل سے متکلم ہے اور ہمیشہ کے لئے متکلم ہے جب وہ چاہتا ہے اور اللہ کا کلام اللہ کے ساتھ قائم ہے وہ مخلوق نہیں نہ اللہ کی ذات سے منفصل ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں اور نہ اللہ کی ذات کے ساتھ لازم ہے جیسا اللہ کی ذات کے ساتھ زندگی لازم ہے جیسا کہ اشاعرہ کہتے ہیں بلکہ کلام اللہ کی مشیت اور قدرت کے تابع ہے۔

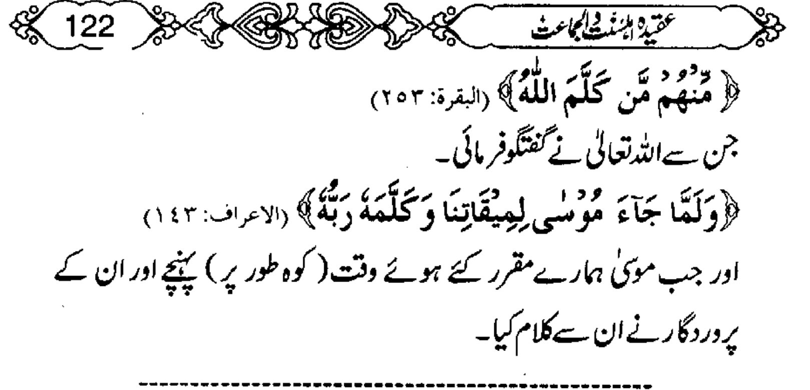
چنانچہ اللہ پاک نے موسی علیہ السلام کو آواز دی اور مخاطب کیا اسی طرح آدم اور حوا کو بھی آواز دے کر مخاطب کیا اور قیامت کے روز اپنے بندوں کو آواز دے کر مخاطب کرے گا نیز وحی بھی آواز کے ساتھ کلام ہے البتہ وہ حروف اور آوازیں جن کے ساتھ اللہ متکلم ہے وہ اللہ کی غیر مخلوق صفت ہے وہ مخلوق کی آواز اور حروف کے ساتھ مشابہ نہیں ہے جیسا کہ اللہ کا علم جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ بندوں کے علم جیسا نہیں ہے اللہ اپنی صفات میں مخلوق کے ساتھ ہرگز مماثل نہیں ہے۔

چنانچہ سورہ نساء کی پہلی دونوں آیات اس بات کی نفی کر رہی ہیں کہ اللہ عزوجل سے زیادہ سچی بات والا کوئی نہیں بلکہ اللہ پاک جو خبریں دے رہے ہیں ان میں وہ ہر ایک سے زیادہ سچا ہے اس

کا سبب یہ ہے کہ جن حقائق سے اللہ نے آگاہ کیا ہے ان کے بارے میں اللہ کا علم زیادہ شامل اور منضبط ہے اللہ پاک کو ان کے حقائق کا ہر لحاظ سے علم جبکہ اللہ کے غیر کا علم اس طرح کا نہیں ہے۔

اللہ پاک کے اس ارشاد کہ ''جب اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا'' میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے جو قیامت کے دن ہوگا جب اللہ اپنے رسول اور اپنے کلمہ کن عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کریں گے کہ جن عیسائیوں نے انہیں اور ان کی والدہ کو اپنا معبود بنایا کیا عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس کا حکم دیا تھا کہ وہ ان کو اور ان کی والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنائیں دراصل یہ سوال اس لئے ہوگا تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کی برات واضح ہو جائے اور عیسائیوں پر جو گمراہ ہیں اور بے وقوف ہیں جھوٹ اور بہتان ثابت ہو جائے۔

ارشاد الٰہی: ''تیرے پروردگار کا کلمہ صداقت اور عدالت کے لحاظ سے پورا ہو گیا ہے'' سے مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک نے جو خبریں دی ہیں۔ وہ سچی ہیں اور اس کے احکام میں عدل کارفرما ہے اس لئے کہ جو اللہ کا کلام یا خبریں ہیں وہ تمام غایت درجہ سچی ہیں یا اوامر ونواہی ہیں وہ تمام غایت درجہ انصاف پر مبنی ہیں جن میں ہرگز زیادتی نہیں ہے اس لئے کہ ان کی بنیاد حکمت اور رحمت پر ہے خیال رہے کلمہ سے مقصود کلمات ہیں اس لئے کہ وہ معرفہ کی جانب مضاف ہے ایسی صورت میں جمع کا معنی مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ رحمۃ اللہ اور نعمۃ اللہ میں جمع کا معنی مراد لیا جاتا ہے مقصود اللہ کی رحمتیں اور نعمتیں ہوتا ہے۔



﴿مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ﴾ (البقرة: ٢٥٣)

جن سے اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی۔

﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾ (الاعراف: ١٤٣)

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت (کوہ طور پر) پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا۔

ارشاد الٰہی: اللہ سبحانہ وتعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوئے مذکورہ آیت اور اس کے بعد ذکر کردہ آیات جو اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ سبحانہ نے موسیٰ کو آواز دی اور ان سے پردے کے پیچھے کسی فرشتے کی وساطت کے بغیر ہم کلام ہوئے اور فی الحقیقت ان سے سرگوشی کی چنانچہ ان آیات کا مضمون اشاعرہ کی تردید کر رہا ہے جو کلام کو ایسے معنیٰ سے تعبیر کرتے ہیں جو اللہ کی ذات کے ساتھ بلا حروف اور بلا آواز قائم ہے تو ان سے دریافت کیا جائے گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس قسم کی نفس کلام کو کیسے سنا اگر وہ کہیں کہ اللہ سبحانہ نے موسیٰ کے دل میں ان معانی کے علم ضروری کا القاء کیا جن معانی کے ساتھ اللہ سبحانہ موسیٰ کے ساتھ کلام کا ارادہ رکھتے تھے تو پھر اس لحاظ سے اس صورت میں موسیٰ کی کچھ خصوصیت باقی نہیں رہتی اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ سبحانہ نے درخت یا ہوا میں کلام کو پیدا کیا تو اس طرح کی بات سے لازم آئے گا کہ درخت نے ہی موسیٰ سے کہا کہ میں تیرا پروردگار ہوں۔

اور اسی طرح یہ آیت رد کر رہی ہے جب کہ انہوں نے کلام کو ازل میں ایک ایسا معنیٰ قرار دیا ہے کہ اللہ کی ذات میں سے کوئی چیز حادث نہیں ہے لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا و کلمه ربه﴾ اس آیت کا مفہوم اس بات کا فائدہ بخشتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مقام معین پر پہنچے تو ان سے اللہ پاک ہم کلام ہوا پس اللہ کا کلام جو اللہ کا وصف ہے، وہ حادث ہوا۔

﴿ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝ ﴾ (مریم: ۵۲)

اور ہم نے ان کو طور کے داہنی جانب پکارا اور باتیں کرنے کے لئے نزدیک بلایا۔

﴿ وَإِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

(الشعراء: ۱۰)

اور جب تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ۔

﴿ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ ﴾ (الاعراف: ۲۲)

تب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا۔

﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (القصص: ۶۵)

اور جس روز اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا اور کہے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا۔

نیز اللہ پاک فرماتے ہیں کہ: ﴿ونادیناہ من جانب الطور الایمن﴾ پس اللہ کا یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ طور پہاڑ کی دائیں جانب اللہ پاک کا موسیٰ علیہ السلام کو آواز دینا حادث ہے اور یہ بات واضح ہے آواز دینا تب ہوسکتا ہے جب کہ آواز ایسی ہو جسے سنا جاتا ہو۔

اسی طرح اللہ کا ارشاد: ﴿وناداھما ربھما﴾ ''کہ جب اللہ نے آدم اور حوا کو آواز دی'' ظاہر ہے کہ اللہ کا ان کو آواز دینا ان کی غلطی میں واقع ہونے کے بعد ہے پس قطعی طور پر اس لحاظ سے اللہ کا آواز دینا حادث ہوا۔

اسی طرح اللہ پاک کا ارشاد: ﴿ویوم ینادیھم﴾ میں ظاہر ہے کہ اللہ کا ان کو بلانا اور ان سے ہم کلام ہونا قیامت کے دن ہوگا نیز حدیث شریف میں ہے:

(قیامت کے دن اللہ پاک ہر بندے سے ہم کلام ہوں گے اللہ اور بندے کے درمیان کوئی

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾ (التوبہ: ٦)

اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلام اللہ سننے لگے۔

ترجمان نہیں ہوگا[1]۔

ارشاد الٰہی: ﴿وان احد من المشركين﴾ یہ آیت اور اس کے بعد ذکر کی گئی آیات کریمہ اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ قرآن پاک جس کی تلاوت ہوتی ہے جسے سنا جاتا جو دو گتوں کے درمیان تحریر شدہ ہے حقیقتاً وہ اللہ کا کلام ہے جب کہ اشاعرہ جو اللہ کے کلام کو عبارت یا حکایت کا نام دیتے ہیں صرف اسے اللہ کا کلام نہیں کہا جا سکتا اور کلام کی نسبت جو اللہ عز وجل کی طرف ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کلام اللہ کا وصف ہے اور اللہ کے ساتھ قائم ہے اس کا تعلق اللہ کے ساتھ اس طرح کا نہیں ہے جس طرح کا تعلق بیت اللہ یا ناقۃ اللہ کی ترکیب میں ہے اس لئے کہ کلام تو ایک معنیٰ ہے جس کی نسبت اللہ کی ذات کی طرف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معنیٰ اللہ کی ذات کے لئے ثابت ہے لیکن بیت اللہ میں بیت کی نسبت یا ناقۃ اللہ میں ناقہ کی نسبت اللہ کی جانب معنیٰ کی نسبت نہیں ہے بلکہ ایک معین ذات کی نسبت اللہ کی طرف ہے دراصل اس سے معتزلہ کی تردید مقصود ہے جب کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ کا کلام مخلوق ہے اور اللہ سے الگ ہے لیکن ذکر کردہ آیات اس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہیں کہ قرآن پاک اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ پاک نے قرآن پاک کے ساتھ جب کبھی بھی کلام کی ہے تو اسی کی آواز کو جبرائیل نے سنا اس نے اس کو سن کر آسمان سے اتر کر رسول اللہ ﷺ تک اسی طرح پہنچایا جیسا کہ اس نے پروردگار عالم سے سنا تھا۔

---

[1] اخرجه البخاري، الترجمة، باب كلام الرب عزوجل يوم القيامة مع الانبياء وغيرهم، ح:٧٥١٢۔ والترمذي، صفة القيامة، باب ماجاء في شأن الحساب والقصاص، ح:٢٥٢٩.

﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ٧٥)

(حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلام اللہ (یعنی تورات) کو سنتے ہیں۔ پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے۔

﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللّٰهِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُونَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ (الفتح: ١٥)

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول کو بدل دیں کہہ دو کہ تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے سے فرما دیا ہے۔

﴿وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ﴾

(الکھف: ٢٧)

اور اپنے پروردگار کی کتاب کو جو تمہارے پاس بھیجی جاتی ہے پڑھتے رہا کرو اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ (النمل: ٧٦)

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں بیان کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک عربی زبان میں اللہ کا کلام ہے جسے رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے غیر مخلوق ہے اللہ ہی سے اس کی ابتداء ہے اور اللہ ہی کی طرف اس کی انتہا ہے اللہ پاک حقیقتاً قرآن پاک کے ساتھ متکلم ہوا پس وہ اللہ کا کلام حقیقتاً ہے اللہ پاک کے غیر کا کلام نہیں ہے اور جب لوگ قرآن پاک کی قراءت کرتے ہیں یا قرآن پاک کو مصاحف میں تحریر کرتے ہیں تو یہ چیز قرآن پاک کو کلام اللہ ہونے سے نہیں نکالتی ہے یہ بات واضح ہے کہ کلام کی حقیقتاً نسبت

اس ذات کی طرف ہوتی ہے جس نے ابتداء میں کلام کیا ہو اس شخص کی طرف نہیں ہوتی جو اس کلام کی ادائیگی کرتے ہوئے اسے پہنچاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک حروف اور معانی کے ساتھ اس کے الفاظ میں متکلم ہوا ان میں سے کسی کو بھی اللہ کے غیر کا کلام نہیں کہا جاسکتا اور نہ وہ کلام جبرائیل کا ہے نہ محمد ﷺ کا ہے نہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کا ہے اللہ ہی اپنی آواز کے ساتھ قرآن پاک سے متکلم ہوا اور جب بندے قرآن پاک کی قرأت کرتے ہیں تو وہ اپنی آواز کے ساتھ قرأت کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر جب کوئی پڑھنے والا الحمد لله رب العالمین کی تلاوت کرتا ہے تو جس کلام کو قاری سے سنا جاتا ہے وہ اللہ کا کلام ہے قاری کا کلام نہیں ہے البتہ قاری نے اس کو اپنی آواز کے ساتھ پڑھا ہے اللہ کی آواز کے ساتھ نہیں پڑھا جیسا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اسی طرح قرآن اللہ کا تحریر کردہ ہے اللہ نے اسے لوح محفوظ میں تحریر فرما دیا اور چونکہ قرآن پاک مصاحف میں تحریر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ○ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ○ ﴾ (الواقعة: ۷۷-۷۸)

''بے شک یہ قرآن بڑے مرتبے والا ہے پوشیدہ کتاب میں ہے''

اور نیز فرمایا:

﴿ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ○ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ○ ﴾ (البروج: ۲۱-۲۲)

''بلکہ یہ قرآن عظیم الشان ہے لوح محفوظ میں لکھا ہوا''

نیز فرمایا:

﴿ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ○ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ○ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ○ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ○ ﴾ (عبس: ۱۳-۱۵)

''قابل ادب ورقوں میں (لکھا ہوا) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے ہیں (اور) پاک ہیں ایسے لکھنے والے کے ہاتھوں میں جو عزت والے اور نیکو کار ہیں''

﴿وَهٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ﴾ (الانعام: ۹۲)

اور (ویسی ہی) کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت۔

﴿لَوْ أَنزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (الحشر: ۲۱)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔

﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾ (النحل: ۱۰۱)

(137) اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے تو (کافر) کہتے ہیں کہ تم تو (یوں ہی) اپنی طرف سے بنا لیتے ہو حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نادان ہیں۔

﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِينَ ۝﴾ (النحل: ۱۰۲)

کہہ دو کہ اس کو روح القدس تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تاکہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثابت قدم رکھے اور حکم ماننے والوں کے لئے تو (یہ) ہدایت اور بشارت ہے۔

لفظ قرآن اصل میں مصدر ہے جیسا کہ قرأت مصدر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝﴾ (الاسراء: ۷۸)

"کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجب حضور (ملائکہ) ہے"

اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک نام ہے اس کتاب کا جسے اللہ کی جانب اتارا گیا

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ﴾ (النحل: ۱۰۳)

اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا جاتا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ـ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القیامہ: ۲۲۔۲۳)

اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے (اور) اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔

جو مصحف کے دوگتوں کے درمیان ہے جس کی تلاوت عبادت کہلاتی ہے جس کی سب سے چھوٹی سورت کے ساتھ چیلنج کیا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ (النحل: ۱۰۲)

''کہہ دو کہ اس کو روح القدس تمہارے پروردگار کی طرف سچائی کیساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں''

یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن پاک کے اترنے کی ابتداء اللہ عزوجل کی جانب سے ہوئی بے شک روح القدس جبرئیل علیہ السلام نے قرآن پاک کو اللہ سبحانہ سے اس کیفیت کے ساتھ لیا جس کا اسے علم ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○﴾ (القیامۃ: ۲۲)

''اس دن بہت سے چہرے رونق افروز ہوں گے''

یہ آیات ثابت کرتی ہیں کہ قیامت کے دن جنت میں مومنوں کو اللہ عزوجل کا دیدار ہوگا لیکن معتزلہ اللہ کی رؤیت کو نہیں مانتے وہ دراصل اللہ کی جہت کی نفی کرتے ہیں جب کہ ضروری ہے کہ جس چیز کو دیکھا جا رہا ہے وہ دیکھنے والے کی جہت میں ہو اور جہت ہونا محال ہے اور یہی جہت کے لئے شرط ہے تو جب جہت محال ہے تو رؤیت بھی محال ہے معتزلہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے

استدلال کرتے ہیں: ﴿لا تدرکه الابصار﴾ ''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کہہ دیا جب موسیٰ نے اللہ سے رؤیت کا سوال کیا ارشاد ربانی ہے:

﴿لَنْ تَرَانِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ إِلَی الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

''کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو مجھ کو دیکھ سکو گے''

اشاعرہ بھی معتزلہ کی طرح جہت کی نفی کرتے ہیں لیکن اللہ کے لئے رؤیت ثابت کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ رؤیت کی تفسیر میں حیران ہو گئے ہیں بعض نے کہا کہ وہ تمام اطراف سے دیکھتے ہیں اور بعض نے کہا رؤیت آنکھوں سے نہیں بلکہ بصیرت کے ساتھ ہے جب کہ مقصد انکشاف اور زیادہ ظاہر ہونا ہے گویا کہ آنکھوں سے دیکھا جارہا ہے۔

لیکن ذکر کردہ آیات جن کو مؤلف نے ذکر کیا ہے وہ معتزلہ کے خلاف حجت ہیں جب کہ معتزلہ رؤیت کا انکار کرتے ہیں چنانچہ پہلی آیت میں نظر کا لفظ الیٰ کے ساتھ متعدی ہے اور وہ ابصار کے معانی میں ہے چنانچہ کہا جاتا ہے نظرت الیه و ابصرته دونوں کا ایک معنی ہے اور نظر کا متعلق اللہ جل شانہ ہے۔

خیال رہے کہ معتزلہ تکلف کے ساتھ لفظ ناظرہ کا معنی کرتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کے ثواب کا انتظار کر رہے ہیں کون نہیں جانتا کہ معتزلہ کی یہ تاویل اس لائق ہے کہ اس پر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔

﴿عَلَى الْاَرَائِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝﴾ (المطففین: ۳۵)

(اور) تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس: ۲۶)

جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید برآں اور بھی۔

﴿لَهُمْ مَّا يَشَاءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝﴾ (ق: ۳۵)

وہاں جو چاہیں گے ان کے لئے حاضر ہے اور ہمارے ہاں اور بھی (بہت کچھ) ہے۔

﴿وَهٰذَا الْبَابُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ كَثِيْرٌ﴾

اس مضمون کی آیات کتاب اللہ میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

﴿مَنْ تَدَبَّرَ الْقُرْاٰنَ طَالِبًا لِلْهُدٰى مِنْهُ تَبَيَّنَ لَهٗ طَرِيْقُ الْحَقِّ﴾

جو شخص بھی قرآن پاک میں غور و فکر کرے اور وہ اس سے ہدایت کا طلب گار ہو تو اس کے سامنے صحیح راستہ واضح ہو جائے گا۔

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنتی لوگ اپنے پلنگوں پر ہوں گے اور وہ اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے۔

اور آخری دونوں آیتوں کے ضمن میں کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے [1] کہ لفظ زیادۃ کی تفسیر اللہ عزوجل کے چہرے کا دیدار کرنا ہے نیز اس کی گواہی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دے رہا ہے کہ جو کفار کے حق میں ہے ملاحظہ فرمائیں:

﴿كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝﴾

تو جب ان کو اللہ سے پردے میں رکھا جائے تو معلوم ہوا کہ اللہ کے اولیاء کو اللہ کا دیدار حاصل ہوگا بالخصوص اس لئے اللہ کی رؤیت کی حدیثیں ان معانی میں محدثین کے نزدیک متواتر ہیں ان کا انکار صرف ملحد اور بے دین لوگ کرتے ہیں۔

[1] اخرجه مسلم الايمان، باب اثبات رؤية المومنين، ح: ۲۹۸۔ والترمذي، صفة الجنة، باب ماجاء في رؤية الرب تبارك و تعالى، ح: ۲۶۷۶.



سوال: معتزلہ اللہ پاک کی عدم رؤیت پر کیا استدلال کرتے ہیں؟
جواب: وہ لا تدرکہ الابصار سے استدلال کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنکھیں اللہ کا ادراک نہیں کرسکتیں۔

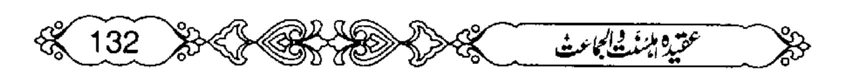
سوال: کیا معتزلہ کا یہ استدلال درست ہے؟
جواب: ہرگز نہیں! اس لئے کہ ادراک کی نفی رؤیت کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتی مقصود یہ ہے کہ آنکھیں اللہ کو دیکھتی تو ہیں لیکن دیکھنے سے اللہ کا احاطہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ لوگوں کی عقلیں اللہ کے بارے میں علم تو رکھتی ہیں لیکن اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتیں اس لئے کہ ادراک ایسی رؤیت کو کہا جاتا ہے جو احاطہ کرتی ہو اس لحاظ سے خاص قسم کی رؤیت اور خاص قسم کی رؤیت کی نفی مطلق رؤیت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

سوال: کیا معتزلہ اس آیت کے علاوہ بھی کسی دوسری آیت سے رؤیت کی نفی پر استدلال کرتے ہیں۔
جواب: معتزلہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی استدلال کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن معتزلہ کی یہ دلیل صحیح نہیں بلکہ یہی آیت اللہ کی رؤیت پر چند وجوہ سے دلالت کرتی ہے۔

وجہ اول: موسیٰ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ سے ہمکلام ہوئے ہیں وہ اللہ سے اس کی رؤیت کا سوال کرتے ہیں جب کہ موسیٰ علیہ السلام ان معتزلہ سے اللہ کی ذات کے بارے میں خوب علم رکھتے ہیں کہ اس کی ذات کے لحاظ سے کونسی چیز محال ہے اگر موسیٰ سمجھتے کہ اللہ کی رؤیت ممکن نہیں تو وہ کبھی اللہ کی رؤیت کا سوال نہ کرتے۔

وجہ دوم: بے شک اللہ عزوجل نے اپنی رؤیت کو اس بات پر معلق فرمایا: کہ اگر تجلی کے وقت پہاڑ ثابت رہا تو رؤیت ہوسکتی ہے اور جو چیز ممکن پر معلق ہو تو وہ بھی ممکن ہوتی ہے۔

وجہ سوم: بے شک اللہ تعالیٰ نے بالفعل تجلی فرمائی ہے اور پہاڑ جمادات ہیں تو جمادات پر جب تجلی ہوسکتی ہے تو ان لوگوں پر تجلی کیوں نہیں ہوسکتی جو اللہ پاک سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔



سوال: اس کے علاوہ معتزلہ اللہ کی عدم رؤیت پر کیا استدلال کرتے ہیں؟

جواب: معتزلہ کہتے ہیں کہ لن ترانی آیت میں نفی تاکید کے ساتھ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رؤیت بالکل نہیں ہو سکتی۔

اہل سنت کی طرف سے جواب: معتزلہ کذب بیانی سے کام لے رہے ہیں لغت عرب میں لفظ لن نفی کی تاکید کے لئے نہیں آتا دیکھئے اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کفار کبھی موت کی آرزو نہیں کریں گے اس آیت پر غور فرمائیں ﴿ولن يتمنوه ابدًا﴾ لیکن اس کے بعد ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں: ﴿وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ (الزخرف: ۷۷)

''دوزخی دوزخ کے دربان کو پکاریں گے کہ تیرا پروردگار ہماری زندگی کا خاتمہ کردے''

اس آیت میں اللہ پاک نے واضح فرمایا ہے کہ دوزخی کبھی موت کی آرزو نہیں کریں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دوزخی جب دوزخ میں عذاب میں مبتلاء ہوں گے تو وہ موت کی آرزو کریں گے اس لحاظ سے اللہ پاک کے اس قول کہ ''اے موسیٰ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا'' سے مقصود یہ ہے کہ دنیائے عالم میں تجھ میں مجھے دیکھنے کی ہرگز استطاعت نہیں اس لئے کہ دنیا میں انسانی قویٰ میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ اللہ سبحانہ کو دیکھ سکیں لیکن اگر اللہ پاک کی رؤیت بالذات ممتنع ہوتی تو اللہ پاک یوں فرماتے کہ مجھے دیکھا نہیں جا سکتا یا میری رؤیت ممکن نہیں یا اس انداز کا کوئی جملہ ہوتا، واللہ اعلم۔



صفات الٰہیہ پر مشتمل آیات کے بارے میں

عمومی مباحث کا بیان

اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص بھی آیات صفات کے مفہوم پر غور وفکر کرے گا جنہیں مؤلف مرحوم نے ذکر کیا ہے ان پر غور کے بعد ان سے چند اہم قواعد اور اصول کا استنباط کر سکتا ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق میں جن کی جانب متوجہ ہونا ضروری ہے۔

پہلا اصول: سلف صالحین کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ سبحانہ کے تمام اسماء حسنیٰ پر نیز جن صفات پر وہ دلالت کرتے ہیں اور ان کے سبب جو افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے مثال کے طور پر قدرت الٰہیہ ہے تو اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ ہر چیز پر قادر ہے نیز اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لانا ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ تمام کائنات کا ظہور اللہ پاک کی قدرت کے سبب وجود میں آیا ہے اسی کے مطابق اللہ پاک کے دیگر اسماء حسنیٰ پر بھی ایمان لانا ازبس ضروری ہے۔

اسی طرح مؤلف نے جن آیات کو ذکر کیا ہے جن میں اللہ کے اسماء حسنیٰ کا ذکر ہے وہ سب اللہ کے اسماء پر ایمان لانے کی بحث میں شامل ہیں اور جن آیات میں اللہ سبحانہ کی صفات کا ذکر ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا غالب ہونا، قادر ہونا، علیم حکیم ہونا اور وصف ارادہ اور مشیئت کے ساتھ موصوف ہونا وہ سب ایمان بالصفات میں داخل ہیں اور جن آیات میں اللہ کے افعال مطلقہ اور مقیدہ کا ذکر ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کو فلاں فلاں چیز کا علم ہے اور وہ جیسے چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ سبحانہ دیکھتا ہے، سنتا ہے اور وہ پکارتا ہے سرگوشی کرتا ہے اس نے کلام کیا اور وہ کلام فرماتا ہے یہ سب ایمان بالافعال میں داخل ہیں۔

دوسرا اصول: ذکر کردہ نصوص قرآنیہ اس بات کو بیان کر رہی ہیں کہ اللہ پاک کی صفات دو قسم کی ہیں۔

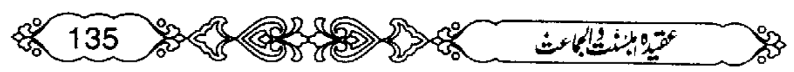
قسم اول: وہ صفات جوذاتی ہیں جو اللہ کی ذات سے کبھی الگ نہیں ہوتیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ ازل ابد کے لحاظ سے اللہ کی ذات کے ساتھ لازم ہیں ان صفات کے ساتھ اللہ پاک کی مشیت اور قدرت کا کچھ تعلق نہیں ایسی صفات جوذاتی ہیں وہ یہ ہیں زندگی، علم، قدرت، قوت، غلبہ، بادشاہت، عظمت، کبریائی، بزرگی، جلال اور دیگر اس طرح کی صفات ہیں۔

قسم دوم: وہ صفات جوفعلیہ ہیں جن کے ساتھ اللہ کی مشیت، قدرت ہر وقت ہر لحظہ وابستہ رہتی ہے اور اس کی مشیت اور قدرت کے ساتھ ان صفات کے افعال ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اگر چہ ان صفات کے ساتھ اللہ پاک ہمیشہ سے موصوف ہے یعنی یہ صفات نوعیت کے لحاظ سے قدیم ہیں اگر چہ افعال کے افراد قدیم نہیں ہیں بلکہ حادث ہیں اور ظہور پذیر ہوئے ہیں پس اللہ پاک ہمیشہ سے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہمیشہ سے کلام کرتا ہے، پیدا فرماتا ہے اور معاملات کی تدبیر کرتا ہے جب کہ اس کے افعال تدریجی طور پر اس کی حکمت اور اس کے ارادہ کے تابع ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں چنانچہ ہر وہ شخص جو مومن ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام افعال پر ایمان رکھتا ہو جن کی نسبت اللہ پاک نے اپنی ذات کی طرف کی ہے یعنی وہ افعال جو اس کی ذات کے ساتھ متعلق ہیں جیسے اللہ کا عرش پر مستوی ہونا، اللہ کا نزول فرمانا، آسمان دنیا کی جانب اترنا، ہنسنا، راضی ہونا، ناراض ہونا، ناپسند جاننا، اچھا جاننا، جن افعال کا تعلق اس کی مخلوق کے ساتھ ہے وجود میں لانا، رزق دینا، زندہ کرنا، معدوم کرنا، نیز مختلف قسم کی تدابیر ہیں۔

تیسرا اصول: اللہ تعالیٰ تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متفرد ہے اس کی کسی صفت میں کسی بات میں اس کا کوئی شریک اور مثل نہیں ہے۔

پہلے ذکر کردہ آیات میں اللہ وحدہ کے لئے اعلیٰ مثال کے ثابت کرنے نیز اس کے شریک مثل، برابر کی اس سے نفی کرنے میں جو آیات وارد ہیں وہ ان پر دال ہیں جیسا کہ وہ اس پر دال ہیں کہ اللہ سبحانہ ہر قسم کے نقص عیب اور آفت سے منزہ ہے۔

چوتھا اصول: کتاب وسنت میں تمام وہ صفات الٰہیہ جو وارد ہیں ان سب کو تسلیم کرنا چاہئے کچھ



فرق نہیں کہ وہ صفات ذاتی ہوں جیسے علم، قدرت، ارادہ، زندگی، سننا، دیکھنا اور ان کے مثل اوصاف ہیں خواہ صفات کا تعلق افعال کے ساتھ ہو جیسے اللہ کا راضی ہونا اللہ کا کسی کو محبوب جاننا یا کسی پر ناراض ہونا کسی کو ناپسند جاننا اسی طرح اللہ کا منہ ہاتھ اور ان کی مثل دیگر اعضاء کے ثابت کرنے اور اللہ کے عرش پر مستوی ہونے اور عرش سے نزول کرنے میں کچھ فرق نہیں ان تمام اوصاف کے اثبات پر بلا تاویل اور بلا انکار اور بلا تشبیہ اور بلا تمثیل سب سلف صالحین کا اتفاق ہے۔

لیکن دو گروہ اس کے مخالف ہیں وہ فرقہ جہمیہ اور معتزلہ ہے جب کہ جہمیہ اللہ پاک کے تمام اسماء اور صفات کا انکار کرتے ہیں اور معتزلہ تمام صفات کا تو انکار کرتے ہیں البتہ اللہ کے اسماء احکام کو تسلیم کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اللہ علیم تو ہے! لیکن وصف علم سے عاری ہے۔ وہ قادر تو ہے! لیکن اس میں قدرت نہیں ہے۔ وہ زندہ تو ہے! لیکن اس میں زندگی کا وصف نہیں ہے۔

اسی طرح تمام اوصاف الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں جب کہ ان کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے ظاہر ہے کہ کسی موصوف کا بلا کسی وصف کے اثبات اور کسی ذات محض کے لئے کسی صفت کو ثابت کرنا عقلی طور پر بھی محال ہے جیسا کہ شرعی لحاظ سے باطل ہے۔

اشاعرہ اور ان کے ہمنوا وہ اللہ پاک کی سات صفات کے ثابت کرنے میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں جن کو وہ معنوی صفات کے نام دیتے ہیں چنانچہ عقلی طور پر وہ ان کو ثابت کرتے ہیں جب کہ سات صفات سے مراد اللہ کا وصف حیات، علم، قدرت، ارادہ، سننا، دیکھنا اور کلام کرنا ہے البتہ ان سات صفات کے علاوہ صفات کا انکار کرتے ہیں جن کا ذکر احادیث صحیحہ میں ہے لیکن ان سب بدعتی فرقوں کے باطل عقائد کا رد عام طور پر کتاب اللہ، سنت صحیحہ، اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قرون اولیٰ کے سلف اہل علم سے ہوتا ہے۔

((ثُمَّ فِي سُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ، فَالسُّنَّةُ تُفَسِّرُ الْقُرْآنَ وَتُبَيِّنُهُ وَتَدُلُّ عَلَيْهِ وَتُعَبِّرُ عَنْهُ))

کتاب اللہ کے بعد رسول ﷺ سے منقول احادیث مبارکہ ہیں جو قرآن پاک کی تفسیر اور وضاحت کرتی ہیں اور قرآن پاک پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی تعبیر ہیں۔

ثم في سنة رسول الله ﷺ :اس عبارت کا تعلق مؤلف کے اس قول کے ساتھ ہے کہ اللہ کے ان اوصاف میں بالخصوص وہ اوصاف شامل ہیں جن کو اللہ پاک نے سورۃ اخلاص میں بیان کیا ہے نیز اللہ کے اوصاف میں وہ اوصاف بھی داخل ہیں جن اوصاف کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو موصوف قرار دیا ہے جن کا تذکرہ سنت صحیحہ کی کتابوں میں ہے۔

ذہن نشین کر لیجئے کہ اسلام کا اولین بنیادی اصول کتاب اللہ ہے اور دوسرا اصول سنت صحیحہ ہے کتاب اللہ کے بعد جس کی طرف رجوع کرنا اور اس پر اعتماد کرنا ضروری ہے ارشاد باری ہے ''اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت کو نازل فرمایا ہے'' ظاہر ہے کہ حکمت سے مقصود سنت ہے' نیز فرمایا رسول اللہ ﷺ لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں' نیز آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حکم دیا ارشاد باری ہے ''تم ان آیات اور حکمت کا مذاکرہ کرتے رہنا جن کی تلاوت تمہارے گھروں میں ہوتی رہتی ہے۔

نیز فرمایا: تمہیں رسول اللہ ﷺ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیں ان پر عمل پیرا ہونا اور جن کاموں سے تمہیں باز رکھے ان سے رک جانا اس فرمان الٰہی کی وضاحت فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یاد رکھو! مجھے قرآن پاک اور اس کا مثل اس کے ساتھ عطا کیا گیا ہے'' [1] اس سے مقصود سنت ہے اور علم' یقین' اعتقاد' عمل کے اثبات میں سنت کے احکام قرآن پاک کے احکام ہیں اس لئے کہ سنت قرآن پاک کی وضاحت کرتی ہے اور اس کے مقصود سے پردہ کشائی

[1] اسنادہ صحیح اخرجہ ابوداوٗد، السنہ، باب فی لزوم السنة، ح: ٤٦٠٤ و ٣٨٠٤ واحمد فی مسندہ: ٤/ ١٣٠۔

﴿وَمَا وَصَفَ الرَّسُوْلُ ﷺ بِهٖ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الْأَحَادِيْثِ الصِّحَاحِ الَّتِيْ تَلَقَّاهَا أَهْلُ الْمَعْرِفَةِ بِالْقُبُوْلِ وَجَبَ الْإِيْمَانُ بِهَا كَذٰلِكَ ۔﴾

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پروردگار عزوجل کو جن اوصاف کے ساتھ موصوف کیا ہے جن کا ذکر احادیث صحیحہ میں ہے جنہیں احادیث نبویہ کی معرفت رکھنے والے اہل علم نے قبولیت کی نگاہ سے دیکھا ہے اس پر اسی طرح ایمان لانا ضروری ہے۔

کرتی ہے بلکہ مجمل آیت کی تفصیل اور مطلق کی تقیید اور عموم کی تخصیص کرتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اے محمد ﷺ ہم نے آپ کی جانب قرآن پاک نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے احکام سے آگاہ کریں جن کو ان کی رہنمائی کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے۔

سنت صحیحہ کے مقابلہ میں بدعتی اور خواہشات کی پرستش کرنے والے دو گروہ ہیں۔ پہلا گروہ وہ ہے جو سنن صحیحہ کے انکار کرنے میں سربرآوردہ ہے جب اس کے مذہب کے مخالف ہوں ان کی بے باکی اور دلیری کا یہ عالم ہے کہ کہتے ہیں سنن صحیحہ کا مجموعہ تو اخبار آحاد ہیں اور اخبار آحاد ظن کا فائدہ بخشتی ہیں ان سے یقین حاصل نہیں ہوتا جب کہ اعتقادی مسائل کو ثابت کرنے کے لئے یقین دلانے والے دلائل کی ضرورت ہے اس گروہ میں معتزلہ اور فلاسفہ پیش پیش ہیں۔

دوسرے گروہ میں وہ لوگ ہیں جو احادیث صحیحہ کو تسلیم کرتے ہیں اور ان پر ان کا اعتقاد ہے البتہ وہ ان احادیث کی تاویل کرتے ہیں جیسا کہ وہ آیات قرآنیہ کی تاویل کرتے ہوئے انہیں ان کے ظاہر معانی سے پھیرتے ہوئے الحاد اور تحریف کا لباس پہنا کر پیش کرتے ہیں اس گروہ میں متاخرین اشاعرہ ہیں اور اس میدان میں سب سے زیادہ کھل کر الحاد و تحریف کو پھیلانے والے نام نہاد اہل علم لوگوں میں غزالی اور رازی ہیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کے ان تمام اوصاف پر ایمان لانا ضروری ہے جن کا ذکر اللہ کی کتاب میں ہے ان میں تحریف کرنا اور انہیں کچھ حیثیت نہ دینا اور ان کی کیفیت بیان کرنا اور ان کی تمثیل

((يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ، فَيَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟)) (متفق عليه)

''کہ ہر رات ہمارے پروردگار پہلے آسمان پر نزول فرماتے ہیں جب رات کا آخری ثلث باقی ہوتا ہے اللہ پاک فرماتے ہیں کون ہے؟ جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا کو شرف قبولیت عطا کروں اور کون ہے؟ جو مجھ سے سوال کرے میں اس کے سوال کو پورا کروں؟ جو مجھ سے بخشش طلب کرے میں اسے معاف کروں۔'' [1]

بیان کرنا ہرگز درست نہیں اسی طرح اپنے پروردگار کے جن تمام اوصاف کو رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا جو اللہ کی ذات کے لئے لائق ہے ان کے بارے میں آپ تمام انسانوں سے زیادہ علم رکھتے ہیں جب کہ آپ اللہ پاک کی جانب سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ کا وصف الصادق المصدوق ہے صلوات اللہ وسلامہ علیہ و آلہ ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہے ان میں بھی تحریف، تعطیل، کیفیت بیان کرنے اور تمثیل ذکر کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں بلکہ ان اوصاف کو اسی طرح اللہ کی ذات کے ساتھ تسلیم کیا جائے جس طرح اللہ جل شانہ کی عظمت کے لائق ہے۔

ان احادیث میں سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ہم اس حدیث پر دو طرح کے زاویہ نظر سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

اولا: ہم اس حدیث کی صحت پر غور کرتے ہیں کہ اس کے ناقل کون ہیں اس کا ذکر خود مؤلف نے کیا ہے کہ یہ حدیث بخاری مسلم میں موجود ہے چنانچہ امام ذہبی اپنی تالیف ''العلو للعلی الغفار'' میں رقمطراز ہیں کہ اللہ کے آسمان دنیا پر نزول کی احادیث متواتر ہیں جو یقین کا فائدہ بخشتی ہیں اس لحاظ سے اس حدیث کا انکار کرنا ممکن نہیں۔

[1] اخرجه البخاري، التوحيد، باب قول الله يريدون ان يبدلوا كلام الله، ح: ٧٤٩٤.

ثانیاً: اس حدیث کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان دنیا پر اللہ پاک کا نزول فرمانا اللہ کا وصف ہے جو اس طرح ہے جس طرح اللہ کی عظمت اور اس کے جلال کے مطابق لائق ہے اللہ کا نزول مخلوق کے نزول کے مماثل نہیں ہے جیسا کہ اللہ کا عرش پر مستوی ہونا مخلوق کے کسی چیز پر مستوی ہونے کے برابر نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول:۔ چنانچہ شیخ الاسلام سورۃ اخلاص کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: پروردگار عالم جو پاک ہے جب اس کے پیغمبر ﷺ اس کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے نیز عرفہ کے دن پچھلے پہر حجاج کرام کے قریب ہوتا ہے اور وہ مبارک وادی اور مبارک جگہ میں درخت کے قریب ہوا موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا اور وہ آسمان کی جانب مستوی ہوا جب کہ آسمان دھواں تھا تو اس نے آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ تم آؤ بخوشی یا ناخوشی سے تو ان سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ افعال اس انداز کے ہوں جن کے نزول کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک خالی جگہ ہو جائے اور دوسری جگہ وہ آیا ہو۔

چنانچہ اہل سنت والجماعت اللہ کے وصف نزول پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی حقیقی صفت ہے اور اسی کیفیت کے ساتھ ہے جس طرح کہ ثابت ہے اس لئے وہ وصف نزول کو اسی طرح ثابت کرتے ہیں جیسا کہ وہ ان تمام صفات کو ثابت کرتے ہیں جو کتاب وسنت میں ثابت ہیں اور کتاب وسنت پر خود کو روک لیتے ہیں اور اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں نہ تمثیل کرتے ہیں نفی کرتے ہیں اور نہ اس کو معطل قرار دیتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے رسول اکرم ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ نزول فرماتے ہیں لیکن ہمیں یہ نہیں بتایا کہ اس کے نزول کی کیفیت کیا ہے جب کہ ہم اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یہی وجہ ہے کہ آپ مشاہدہ کرتے ہوں گے کہ مخصوص کیفیت والے ایماندار لوگ اس مبارک وقت میں اپنے پروردگار کی نوازشات اور عطیات کے حصول کے لے خود کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں اور اللہ کی عبادت خشوع وخضوع کے ساتھ کرتے ہیں بارگاہ الٰہی میں تضرع کے ساتھ دعا کیا کرتے ہیں پُر امید ہوتے ہیں کہ ان کے مقاصد پورے ہو جائیں گے جن کا وعدہ اللہ پاک نے اپنے رسول کی وساطت سے کیا ہے۔



نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

((لِلّٰهُ أَشَدُّ فَرْحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ التَّائِبِ مِنْ أَحَدِكُمْ بِرَاحِلَتِهِ، الحديث متفق عليه))

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے توبہ کرنے والے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس قدر تم میں سے ایک شخص اپنی گمشدہ سواری کے مل جانے پر خوش ہوتا ہے۔"[1]

متن میں ذکر کردہ حدیث مختصر ہے مکمل حدیث بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو بے آب و گیاہ خطرناک ہلاکت آفرین جنگل میں ہے اس کے ساتھ اس کی سواری ہے جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہے وہ آرام کرنے کی غرض سے سواری سے اترا اور محو خواب ہو گیا جبکہ اس کی سواری اس کے سرہانے کے پاس تھی لیکن جب وہ بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ سواری وہاں سے جا چکی ہے وہ اس کی تلاش میں نکلا لیکن اسے سواری نہ مل سکی یہاں تک کہ پیاس کی شدت نے اسے موت کا احساس دلایا تو اس نے دل میں خیال کیا اب تو اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ میں وہیں اپنی خواب گاہ میں جاؤں اور وہیں موت سے ہمکنار ہو جاؤں چنانچہ وہ اس جگہ پر پہنچ کر لیٹ گیا اسے نیند آ گئی جب ذرا اس کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے سر کے پاس موجود ہے تو وہ انتہائی خوشی کے عالم میں کہتا ہے اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں انتہائی خوشی کے عالم میں اس کی زبان سے غلط جملہ نکل جاتا ہے مندرجہ بالا حدیث میں اللہ عزوجل کے لئے خوش ہونے کا وصف ثابت ہے اس صفت کے بارے میں بھی وہی بحث ملحوظ خاطر رہے جو دیگر صفات الٰہیہ میں کی جاتی ہے کہ اللہ کا خوش ہونا اللہ عزوجل کی حقیقی صفت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت کے تابع ہیں چنانچہ اللہ عزوجل کے لئے ایسی کیفیت

[1] اخرجه البخاري الدعوات، باب التوبة، ح: ٦٣٠٨، ٦٣٠٩۔ مسلم التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها، ح: ٢٧٤٦.

((يَضْحَكُ اللّٰهُ إِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ)) (متفق علیه)

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے اللہ عزوجل ان دو انسانوں پر ہنستا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دیتا ہے لیکن قاتل مقتول دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں [1]۔

وقوع پذیر ہوتی ہے جس کو خوشی کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے جبکہ اللہ کا بندہ بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتا ہے اور اللہ کی جانب رجوع کرتا ہے اللہ کے خوش ہونے کو لازم ہے کہ وہ اپنے اس بندے پر راضی ہو جو تائب ہوتا ہے اور اللہ عزوجل اس کی توبہ قبول فرماتا ہے لیکن اللہ کی مخلوق میں خوشی کی متعدد قسمیں ہیں کہیں تو خوشی کسی خوش کن طرب آمیز واقعہ کی بناء پر ہوتی ہے اور کبھی کسی فخر و غرور آمیز واقعہ پر انسان خوشی سے اچھلتا ہے لیکن اللہ عزوجل ان تمام باتوں سے منزہ ہے اس لئے کہ اللہ کی خوشی اس کی مخلوق میں سے کسی کی خوشی کے مشابہ نہیں ہے نہ ذات کے لحاظ سے نہ اسباب و مقاصد کے لحاظ سے اس لئے کہ اللہ کا سبب اس کی کمال رحمت اور احسان ہے وہ اپنے بندوں سے اس رجحان کو پسند کرتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت اور احسان کے متلاشی ہوں اور اللہ کی تمام نعمت سے مقصود یہ ہے کہ اس کے انعامات مکمل طور پر ان بندوں پر ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

اور اللہ کے راضی ہونے کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اللہ پاک اس شخص کو تو اپنی رضا سے نوازنا چاہتا ہے معطلہ کی تمام تفسیر میں اللہ کی خوشی اور رضا کی نفی ہوتی ہے بلکہ اللہ کی خوشی اور رضا کو معطل قرار دیتے ہیں اسی سبب سے معطلہ اپنے پروردگار کے بارے میں اس خیال کو پیش کرتے ہیں کہ ذکر کردہ اوصاف الٰہیہ اللہ عزوجل میں اسی طرح ہیں جس طرح کہ اللہ کی مخلوق میں بالآخر ہیں اللہ پاک ان کی تشبیہات اور تعطیلات سے منزہ ہے اہل سنت والجماعت اللہ عزوجل کے لئے ہنسنا ثابت کرتے ہیں جیسا کہ ذکر کردہ حدیث اور دیگر احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ کا

---

[1] اخرجه البخاری، الجهاد والسير، باب الكافر يقتل المسلم ثم يسلم فيسبط يده ويقتل، ح:٢٨٢٦ـ ومسلم الامارة، باب بيان الرجلين يقتل احدهما الآخر يدخلان الجنة، ح: ١٨٩٠.

وصف ہنسنا اس انداز کا ہے جو اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ لائق ہے لیکن اللہ کا وصف ہنسنا مخلوق کے ہنسنے کے ساتھ مشابہ نہیں ہے جب انہیں خوشی کا کام ہنسنے پر آمادہ کرتا ہے یا بہترین عمدہ کام انہیں بے ساختہ انہیں ہنسنے پر مجبور کرتا ہے تو وہ ہنسنے لگ جاتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے جبکہ اللہ کا ہنسنا ایسی حقیقت ہے جو اس کے تقاضے پر اللہ پاک کی ذات میں ظہور پذیر ہوتا ہے البتہ اللہ پاک کا ہنسنا اللہ کی مشیت اور اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق انسانوں میں ہنسنا اس وقت جلوہ گر ہوتا ہے جب وہ کسی عجیب وغریب چیز کا ادراک کرتے ہیں جس کی مثال موجود نہیں ہوتی چنانچہ اس حدیث میں اسی کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے کہ کسی کافر کا کسی مسلمان کے قتل پر مسلط کیا جانا عام طور پر اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ اس کافر پر اللہ ناراض ہے اور اس کو اس دنیا و آخرت میں سزا دینا چاہتا ہے اس لئے وہ اللہ کی رحمت سے محروم رہا لیکن اس کے بعد اللہ پاک اس کافر پر احسان کرتے ہیں کہ وہ کفر سے تائب ہوتا ہے اور اللہ پاک اسے اسلام لانے کی توفیق عطا فرماتے ہیں وہ اسلام لانے کے بعد اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہوتا ہے واقعی یہ صورت حال عجیب ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں جنت میں داخل ہوئے پس یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت واحسان اور اس کا اپنے بندوں پر وسیع فضل وکرم ہے کہ مسلمان شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو کافر کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے اللہ پاک اسے شہادت سے نوازتے ہوئے اس کا اکرام فرماتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس قاتل پر احسان فرماتے ہیں اسے اسلام لانے کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے جام شہادت نوش کرنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں تو وہ دونوں قاتل اور مقتول جنت میں داخل ہوتے ہیں لیکن اللہ سبحانہ کے ہنسنے کی تاویل اللہ کی رضا، عمل کی قبولیت یا اس کا عمل اللہ کے نزدیک اس کیفیت کا ہے کہ جس پر ہنسنا چاہیے لیکن وہاں فی الحقیقت ہنسنا نہیں ہے تو یہ اس ہنسنے کی نفی ہے جس کا رسول اکرم ﷺ نے اپنے پروردگار کے لئے اثبات کیا ہے لہٰذا اللہ پاک کے ہنسنے کی نفی کرنا ایسا نظریہ ہے جو قابل التفات نہیں ہے۔

((عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوطِ عِبَادِهِ وَ قُرْبِ خَيْرِهِ، يَنْظُرُ إِلَيْكُم أَزِلِيْنَ قَنِطِيْنَ فَيَظَلُّ يَضْحَكُ يَعْلَمُ أَنَّ فَرَجَكُمْ قَرِيبٌ)) (حدیث حسن)

''ارشاد نبوی ہے ہمارا پروردگار اپنے بندوں کے مایوس ہونے پر تعجب کرتا ہے جبکہ اللہ کی رحمت بندوں کے قریب ہے اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھتا ہے کہ تم تنگ حال ہو اور اس کے ساتھ ساتھ رحمت الٰہی سے مایوس ہو تو اللہ ہنستا ہے اس لئے کہ اللہ کو علم ہے تمہارے خوش ہونے کا وقت بالکل نزدیک ہے۔'' ❶

متن میں ذکر کردہ حدیث میں اللہ عزوجل کے لئے تعجب کرنے کا وصف ذکر کیا گیا ہے اس کا ذکر نبی علیہ السلام کے اس ارشاد میں ہے کہ تیرا پروردگار اس نوجوان پر متعجب ہوتا ہے جس میں کھیل کود کا شوق نہیں ❷ خیال رہے کہ قرآن پاک کی آیت ''بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ'' کی آیت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں بَلْ عَجِبْتُ متکلم کے صیغہ کے ساتھ ہے ❸ یعنی اللہ تعالیٰ تعجب کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا تعجب اس وجہ سے نہیں کہ اسباب اس کی نظر سے اوجھل ہیں یا وہ معاملات کے حقائق سے ناواقف ہے جب کہ مخلوق کے متعجب ہونے کے یہ اسباب ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اللہ سبحانہ تقاضا کے مطابق اس لائق ہوتے ہیں کہ اس معاملہ پر متعجب ہوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو اس مقام میں تعجب کے وصف کے ساتھ موصوف کیا ہے وہ رحمت الٰہی کے آثار ہیں اور یہ وصف

---

❶ اسناده ضعيف، رواه ابن ماجة في المقدمة باب فيما انكرت الجهمية والطبراني في الكبير (١٩/ ٢٠٨) كلهم من طريق وكيع بن حدس قال الذهبي هو لا يعرف قال الحافظ مقبول، والحديث قال عنه الالباني في ضعيف الجامع: ٣٥٨٥۔ ضعيف جدا.

❷ ضعيف، اخرجه احمد في مسنده: ٤/ ١٥١۔ وابويعلى في المسند: ٣/٢٨٨۔ والالباني في السلسلة الضعيفة: ١٦٥٨.

❸ اسناده صحيح اخرجه الحاكم في المستدرك: ٢/ ٤٣٠۔ والبيهقي في الاسماء والصفات: ٢/ ٢٢٥۔ وقال الحاكم هذا حديث صحيح على شرط البخاري ومسلم ولم يخرجاه.

اللہ تعالیٰ کے کامل اوصاف سے ہے جبکہ اللہ کے بندے باوجود ان کے افتقار اور احتیاج کے انہیں اللہ کی مدد جلدی حاصل نہ ہو ان پر یاس اور نا امیدی کا غلبہ ہو جائے ان کی نظریں صرف ظاہری اسباب پر مرتکز ہوں اور وہ سمجھیں کہ اب اس کے بعد جلدی انہیں آسانی میسر نہیں ہوگی بلکہ اللہ ان سے اپنی مدد اور استعانت کو روک لے گا۔

لیکن یہ مقام واقعی انتہائی تعجب خیز ہے اس لئے کہ وہ کیسے اللہ کی رحمت سے نا امید ہوں گے جب کہ اللہ کی رحمت تمام چیزوں پر وسیع ہے اور اللہ کی رحمت کے حصول کے اسباب بے شمار ہیں، ظاہر ہے کہ بندوں کی حاجات اور ان کی ضرورتیں اللہ کی رحمت کے حصول کے اسباب میں سے ہیں، اسی طرح بارگاہ الٰہی میں دعا کرنا اللہ کی مدد کے حصول کا امید افزا سبب ہے نیز اللہ سے پُر امید رہنا بھی رحمت الٰہی کے حصول کے اسباب میں سے ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی عادت مستمرہ ہے کہ وہ مخلوق کی پریشانیوں میں انہیں کشادگی عطا کرتا ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے اور مصائب ہمیشہ ساتھ نہیں رہتے جب اس عقیدہ کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پورے الحاح کے ساتھ التجا کی جائے اور اللہ پاک سے اس کے فضل کی بھیک مانگی جائے، اور تضرع کے ساتھ دعا کی جائے تو اللہ اپنے پریشان بندوں پر رحمت کے خزانے کھول دیتا ہے جب کہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ ہماری دستگیری ہوگی۔

خیال رہے کہ لفظ **قنوط** مصدر ہے باب **قنط یقنط** استعمال ہوتا ہے اس کا معنی اللہ کی رحمت سے نا امید ہونا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''اپنے پروردگار کی رحمت سے صرف وہ لوگ نا امید ہوتے ہیں جو صراط مستقیم پر گامزن نہ ہوں۔'' (الحجر: ٥٦)

((وقولہ ﷺ: لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقٰى فِيهَا وَهِيَ تَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ ؟ حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا رِجْلَهُ وَفِي رِوَايَةٍ عَلَيْهَا قَدَمَهُ فَيَنزَوِي بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ فَتَقُوْلُ قَطْ قَطْ)) (متفق علیہ)

اور ارشاد نبوی ﷺ ہے ''دوزخ میں ہمیشہ دوزخیوں کو گرایا جائے گا اور وہ کہتی رہے گی ابھی مزید اور چاہیے! یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا پاؤں ڈالیں گے، اور ایک روایت میں ''قدم'' کا لفظ ہے تو دوزخ کا بعض اس کے بعض کی جانب سکڑ جائے گا اور دوزخ کہے گی: بس، بس۔''[1]

متن میں جملہ (قرب خیرہ) سے مقصود اللہ کا بے پایاں فضل اور اس کی رحمت ہے لیکن لفظ (خیرہ) کی جگہ لفظ (غیرہ) بھی بیان کیا گیا ہے جس کا مفہوم حالت کی تبدیلی ہے، جب کہ صلوۃ استقاء کے بارے میں حدیث ہے۔

''جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے گا اس کا حال تبدیل ہو جائے گا۔''[2] اور وہ بجائے درستی کے فساد کی جانب جائے گا۔

اور متن میں (ازلین قنطین) دونوں لفظ (الیکم) کی ضمیر مجرور متصل سے حال ہیں، جبکہ ازلین جمع ہے اس کا واحد ازل اسم فاعل ہے جس کا مفہوم تنگ حالی ہے، اس کا باب علم ہے مفہوم یہ ہے کہ وہ تنگ حال ہوتے ہیں اور قحط سالی میں مبتلا ہوتے۔

متن کی ذکر کردہ حدیث میں اللہ عزوجل کے لئے پاؤں اور قدم ثابت کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ عزوجل کی یہ صفت بھی دیگر صفات الٰہیہ کی مانند اسی طرح ثابت ہیں، جس طرح اللہ پاک کی عظمت کے لائق ہے۔

---

[1] اخرجه البخاري، تفسير القرآن، باب قوله، وتقول هل من مزيد، ح: ٤٨٤٨و ٦٦٦١ و ٧٣٨٤۔ مسلم الجنة، باب النار يدخلها الجبارون والجنه يدخلها الضعفاء، ح: ٢٨٤٦.

[2] اسناده ضعيف، اخرجه الطبراني في الكبير: ٢٤٤/٢٥۔ والبيهقي في دلائل النبوة : ١٤١/٦.

﴿((یَقُوْلُ تَعَالٰی یَا اٰدَمُ فَیَقُوْلُ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ فَیُنَادِیْ بِصَوْتٍ إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّیَّتِکَ بَعْثًا إِلَی النَّارِ)) متفق علیہ۔ ((مَا مِنْکُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا سَیُکَلِّمُہٗ رَبُّہٗ وَلَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ تَرْجُمَانٌ))﴾

''اور آپ ﷺ کا فرمان ہے'' اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو مخاطب فرمائیں گے۔ اے آدم! وہ جواب میں عرض کریں گے ''لبیك وسعدیك'' میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اللہ تعالیٰ انہیں آواز کی شکل میں فرمائیں گے کہ اللہ تجھے حکم دیتا ہے کہ تو اپنی اولاد سے ایک جماعت کو دوزخ کی جانب بھیج دے[1]۔
نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: تم میں سے ہر شخص سے اس کا پروردگار ضرور گفتگو فرمائے گا درمیان میں کوئی ترجمان نہیں ہوگا یعنی اللہ پاک بلا واسطہ کلام فرمائیں گے۔''

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ دوزخ میں اپنا پاؤں رکھیں گے؟ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ دوزخ کو بھرے گا جیسا کہ اس مضمون میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''میں جنوں اور انسانوں سے دوزخ بھروں گا'' (ھود: ۱۱۹) اور جب اللہ سبحانہٗ کی رحمت اور عدل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی کو بلا گناہ عذاب میں گرفتار نہیں کریگا، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ دوزخ کی گہرائی اور وسعت انتہاء درجہ کی ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے دوزخ میں اپنا قدم رکھیں گے، چنانچہ دوزخ میں اللہ کے قدم رکھنے کی وجہ سے دوزخ کے دونوں کنارے آپس میں مل جائیں گے اور دوزخ میں دوزخیوں کے سوا کچھ خالی جگہ نہ ہوگی۔

---

[1] اخرجه البخاری، احادیث الانبیاء، باب قصة یاجوج وماجوج، ح: ۳۳۴۸ و ۴۷۴۱ و۶۵۳۰ و ۷۴۸۳۔ ومسلم الایمان، باب قوله یقول الله لآدم اخرج بعث النار من کل الف تسعمائه وتسعة و تسعین، ح: ۲۲۲.

لیکن جنت میں باوجود جنتیوں کو کثرت کے ساتھ عطیات دینے کے اور ان کے لئے اس میں فراخی ہونے کے کچھ حصہ خالی رہ جائے گا تو جنت کو بھرنے کے لئے اللہ پاک اور مخلوق پیدا فرمائے گا جیسا کہ اس مضمون کی حدیث صحیح اور ثابت ہے۔

ذہن نشین کر لیں کہ ان دونوں احادیث میں اللہ پاک کے گفتگو فرمانے آواز دینے اور کلام کرنے کا اثبات ہے، اس موضوع پر گذشتہ اوراق میں ہم اہل سنت والجماعت کا مذہب بیان کر چکے ہیں ان کا ایمان ہے کہ یہ اللہ پاک کے افعال کی صفات ہیں جو اللہ پاک کی مشیت اور اس کی حکمت کے تابع ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ کے سلسلہ میں قال، یقول، نادی، ینادی، کلم، یتکلم، کے الفاظ موجود ہیں اور اللہ کا ارشاد فرمانا اس کا آواز دینا اس کا کلام کرنا حروف اور آواز کے ساتھ ہے جن کو اللہ پاک آواز دیتا ہے اور جن سے ہمکلام ہوتا ہے اور وہ اس کی آواز کو سنتے ہیں۔

اس وضاحت کی روشنی میں اشاعرہ فرقہ کا رد ہے جن کا موقف یہ ہے کہ اللہ کا وصف کلام قدیم ہے لیکن وہ کلام حروف اور آواز کے ساتھ نہیں ہے۔

متن میں ذکر کردہ دوسری حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ پاک عنقریب اپنے بندوں سے بلا واسطہ کلام فرمائے گا، اس حدیث میں اللہ پاک کے عام کلام کرنے کا ذکر ہے، اس لئے کہ اس کلام میں بندوں کا محاسبہ ہوگا اس لحاظ سے اس میں مومن، کافر، نیکوکار، بدکار سبھی شامل ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ کہ ''اللہ ان سے ہم کلام نہ ہوگا'' (البقرۃ:۱۷۴) ذکر کردہ حدیث کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ ان سے کلام کرنے کی نفی سے مقصود اس کلام کی نفی ہے جس سے وہ خوش ہوں اور یہ خاص کلام ہے اس کے بالمقابل اللہ پاک کا جنتیوں سے کلام کرنا ہوگا جس میں اللہ کی محبت اس کی رضا اور اس کا احسان مترشح ہوگا۔

((رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اِسْمُكَ أَمْرُكَ فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَآءِ اِجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ، اِغْفِرْلَنَا حُوْبَنَا وَ خَطَايَانَا، أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ أَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِّنْ شِفَائِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجْعِ فَيَبْرَأَ. أَلَا تَأْمَنُوْنِيْ وَأَنَا أَمِيْنُ مَّنْ فِي السَّمَآءِ))

بیمار کے دم کرنے کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ذیل کے کلمات کے ساتھ دم کریں ''ہمارا پروردگار اللہ ہے جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک ہے تیرا حکم آسمان زمین پر نافذ ہے جیسا کہ تیری رحمت آسمان پر ہے، تو اپنی رحمت عطا کر، ہمارے گناہوں اور غلطیوں کو معاف فرما، تو پاکباز لوگوں کا رب ہے اپنی رحمت سے رحمت اور شفا سے شفا اس بیمار پر نازل فرما'' اس دم سے بیمار تندرست ہوگا ❶۔ یہ حدیث حسن ہے اور اس کو امام ابوداؤد اور دیگر محدثین نے ذکر کیا ہے۔ نیز آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''تم مجھے امین کیوں نہیں جانتے ہو جب کہ مجھے آسمان میں رہنے والے امین سمجھتے ہیں۔'' یہ حدیث صحیح ہے ❷۔

ارشاد نبوی ﷺ میں آپ کا فرمان: ''ہمارا پروردگار اللہ ہے جو آسمان میں ہے'' اس حدیث میں وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ علو کی جہت میں ہے اور وہ اوپر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو جو آسمان پر ہے'' (الملک:۱۶)

اور ہم گذشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ ان نصوص سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ آسمان اللہ پاک کے لئے ظرف ہے اور وہ اللہ کو گھیرنے والا ہے بلکہ آیت مذکورہ میں لفظ (فی) علی کے معنی میں ہے چنانچہ اکثر اہل علم اور لغت عرب کے اکثر ماہرین کا یہی قول ہے۔

چنانچہ لفظ (فی) بہت سے مقامات میں لفظ علی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا

---

❶ اسنادہ ضعیف، اخرجہ ابوداود، الطب، باب كيف الرقى، ح: ٣٨٩٢۔ والنسائی فی الکبری، ح: ١٠٨٧٧۔ ❷ اخرجہ البخاری، المغازی، باب بعث علی ابن ابی طالب و خالد بن الولید الی الیمن قبل حجة الوداع، ح: ٤٣٥١۔



ارشاد ہے: ''میں تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا۔'' (طٰہٰ: ۷۱)

یا آسمان سے مقصود اوپر جہت ہے دونوں صورتوں میں یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بلند ہے۔

جس حدیث میں دم کرنے کا ذکر ہے اس میں اللہ پاک کی حمد وثناء کر کے اس کی ربوبیت، الوہیت اس کے نام کی تقدیس اور تمام کائنات پر اس کی بلندی اور اس کے شرعی اور تقدیر کے فیصلے کی عمومیت کا ذکر کر کے اس کی رحمت کا وسیلہ پیش کیا گیا ہے جو آسمان والوں کو شامل ہے اور دعا کی گئی ہے کہ وہ اپنی رحمت سے زمین والوں پر بھی اس کا کچھ حصہ نازل فرمائے، بعد ازاں وسیلہ پیش کرتے ہوئے عظیم گناہوں سے مغفرت کا سوال کیا گیا ہے پھر ان سے کم درجہ گناہوں کی مغفرت کا سوال کیا گیا ہے، اس کے بعد اللہ کی مخصوص ربوبیت کا واسطہ دے کر کہ وہ پاک باز بندوں کا رب ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکار ہیں جن کے اعمال صالحہ کے نتیجہ میں مخلوق کو دین و دنیا کی ظاہری اور باطنی نوازشات سے بہرہ ور فرمایا ہے۔

چنانچہ ذکر کردہ مختلف قسم کے وسائل ہیں جنہیں بارگاہ الٰہی میں پیش کر کے دعا کی گئی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ جس دعا میں اس قسم کا توسل اختیار کیا جائے وہ دعا قبول ہوتی ہے اسے رد نہیں کیا جاتا اسی لئے توسل کے بعد اللہ سے شفاء کا سوال کیا گیا ہے اور اللہ کا شفا دینا تو تمام بیماریوں کو ختم کر دیتا ہے جبکہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ شفا دینے کا تعلق اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔

تو کیا قبروں کی پرستش کرنے والے جو بعض اشخاص کا توسل اختیار کرتے ہیں اور بحق فلا، بجا فلاں، بحرمتہ فلاں وغیرہ وسائل پیش کر کے دعائیں کرتے ہیں انہیں اس بحث سے سمجھ حاصل کرنی چاہیے۔

اور متن میں ذکر کردہ دوسری حدیث اس مفہوم کو واضح کر رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی کے بارے میں گواہی دی ہے کہ وہ ایماندار ہے جس نے اعتراف کیا کہ اللہ پاک اپنی مخلوق سے بلندی میں ہے، معلوم ہوا کہ اللہ کا وصف علو اس کا عظیم ترین وصف ہے اللہ کی شان بلند ہے جب اللہ نے خاص طور پر فرمایا کہ اللہ کے دیگر اوصاف کے علاوہ اس عظیم وصف کے ساتھ سوال کیا جائے، نیز اس میں یہ بھی وضاحت ہے کہ اللہ پاک کو ہر لحاظ سے مطلق طور پر اس کے علو کا اقرار کرنا ایمان کا عظیم اصول ہے، جو شخص اس کا انکار کرے وہ صحیح ایمان سے محروم رہا۔

((وَالْعَرْشُ فَوْقَ الْمَآءِ وَاللّٰهُ فَوْقَ الْعَرْشِ، وَهُوَ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ۔ (حدیث حسن) أَيْنَ اللّٰهُ؟ قَالَتْ فِي السَّمَآءِ، قَالَ مَنْ أَنَا؟ قَالَتْ أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، قَالَ اَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ)) (رواه مسلم)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''اللہ کا عرش پانی پر ہے اور اللہ عرش پر ہے اور اللہ کو خوب علم ہے کہ تم کس چیز پر ہو'' حدیث حسن ہے امام ابوداؤد اور دیگر محدثین نے اس کو روایت کیا ہے۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''آپ نے ایک لونڈی سے استفسار فرمایا کہ ''اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا اللہ آسمان میں ہے، آپ نے استفسار کیا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ تو ایمان دار ہے۔''[1]

لیکن ان بے وقوف معطلہ پر تعجب ہے کہ وہ اللہ کی صفات کا انکار کرتے ہیں اس کے باوجود وہ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے بھی زیادہ اللہ پاک کے بارے میں علم رکھتے ہیں، وہ نفی کرتے ہیں کہ اللہ کے بارے میں یہ سوال نہ کیا جائے کہ وہ کہاں ہے؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں یہ لفظ متعدد بار آیا ہے جب کہ آپ نے لوگوں سے سوال کیا کہ اللہ کہاں ہے؟

جیسا کہ اس حدیث میں ہے ''اور کبھی آپ نے اس شخص کے سوال کا جواب دیا جس نے سوال کیا کہ ہمارا پروردگار کہاں ہے؟''

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ عرش پانی پر ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے علو کی جہت میں عرش پر ہونے اور تمام موجودات کے بارے میں اس کے علم کے محیط ہونے کو جمع کیا گیا ہے، پس اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو قریب ہونے کے باوجود بلند ہے، اور قریب ہونے کے باوجود علو میں ہے۔

[1] اخرجه مسلم المساجد، باب تحريم الكلام في الصلوٰة، ح: ٥٣٧.

((أَفْضَلُ الْإِيمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ۔ (حدیث حسن)

إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَبْصُقَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ فَإِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ))

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے "افضل ایمان یہ ہے کہ تجھے اس بات کا یقین ہو کہ اللہ تیرے ساتھ ہے۔ جہاں بھی تو ہو۔" یہ حدیث حسن ہے۔

نیز ارشاد نبوی ہے "جب کوئی شخص نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو تو وہ قبلہ اور اپنے دائیں جانب نہ تھوکے، اس لئے کہ قبلہ کی جانب اللہ ہوتے ہیں، البتہ بائیں جانب یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے[1]۔

متن میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ افضل ایمان سے مقصود مقام احسان اور مراقبہ ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایمان دار شخص اپنے پروردگار کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ اللہ کا دیدار کر رہا ہے اور اس کا مشاہدہ کر رہا ہے، اس بات پر یقین ہو کہ اللہ اس کے ساتھ ہے جہاں بھی وہ ہو، وہ جب کلام کرتا ہے اور جو کام کرتا ہے اور جس کام میں وہ مشغول ہوتا ہے تو اللہ اس پر نگہبان ہے اور اللہ کو اس پر اطلاع ہے، ارشاد ربانی ہے۔ "اور تم جس حال میں ہوتے ہو اور جو کچھ تم قرآن سے پڑھتے ہو اور جو تم لوگ کوئی اور کام کرتے ہو تو ہم وہاں موجود ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔" (یونس: ٦١)

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر انسان کے ساتھ اللہ کی معیت کا جب کوئی شخص اپنے تمام کاموں میں استحضار رکھتا ہے تو وہ یقیناً اللہ عز وجل سے اس وقت شرم وحیا کرے گا کہ جن کاموں سے اللہ نے انسان کو روکا ہے کہ اللہ انسان کو منھیات کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے یا جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان پر کاربند نہ رہے پس اللہ تعالیٰ کی معیت کا تصور انسان کا معاون ہوگا کہ وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے کنارہ کش رہے اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا

[1] اخرجه البخاري، العمل في الصلوٰة باب ما يجوز من البصاق والفتح في الصلوٰة ح: ١٢١٣۔ ١٢٢٤۔ ومسلم المساجد، باب النهي عن البصاق في المسجد، ح: ٥٤٧.

وقولہ ﷺ ((اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا، اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ، وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ، وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ))

نیز ارشاد نبوی ہے ''اے اللہ ساتوں آسمانوں اور زمین کے رب اور عرش عظیم کے رب، ہمارے پروردگار اور ہر چیز کے پروردگار، دانوں اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والے، تورات، انجیل اور قرآن کو نازل کرنے والے، میں تیرے ساتھ اپنے نفس کے شر اور ہر اس چیز کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں جو زمین پر چلتی ہے جس کی پیشانی کو تو نے تھاما ہوا ہے، تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی تو آخر میں ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں، تو ظاہر ہے۔''

گیا ان کے سرانجام دینے میں مکمل طور پر ظاہراً اور باطناً مسابقت اختیار کرے بالخصوص جب نماز ادا کرنے کا آغاز کرے اس لئے کہ نماز بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان بہت بڑا تعلق اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے سرگوشی کرنے کا ذریعہ ہے، تو اس وقت اس کا دل خوف زدہ ہو اور اللہ کی عظمت اور اس کے جلال کو اپنے سامنے مستحضر پائے، تو ایسی کیفیت میں اس کی نامناسب حرکات کا شائبہ تک بھی نہ ہوگا اور اپنے پروردگار کے بارے میں ہرگز بے ادبی اور گستاخی کرنے کی جرات نہ کر سکے گا کہ وہ اپنے سامنے یا دائیں جانب تھوکے۔

اس حدیث میں وضاحت ہے کہ اللہ عزوجل نماز ادا کرنے والے کے سامنے ہوتے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی تالیف ''عقیدہ حمویہ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا جائے گا اس لئے کہ اللہ سبحانہ عرش کے اوپر ہے، اور اللہ سبحانہ نماز ادا کرنے والے کے سامنے ہے، بلکہ یہ وصف اسی طرح مخلوق کے لئے بھی ثابت ہے، مثلاً جب انسان، آسمان، سورج اور چاند سے سرگوشی کرتا ہے تو آسمان، سورج اور چانداس کے اوپر بھی ہوتے ہیں، اور اس کے سامنے بھی ہوتے ہیں۔

((فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، إِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَأَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ))

''تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو باطن ہے تجھ سے ورے کوئی چیز نہیں، میرا قرض اتار اور مجھے فقر و فاقہ سے نجات عطا کر کے مجھے غنی فرما۔''

متن میں ذکر کردہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا اثبات ہے کہ اللہ اول ہے آخر ہے اور ظاہر و باطن ہے، اللہ پاک کے تمام نام اللہ کے اسمائے حسنہ میں شمار ہوتے ہیں، نبی ﷺ نے ان کی اتنی شاندار وضاحت فرمائی ہے کہ اب مزید کسی وضاحت کی ہرگز گنجائش نہیں ہے، اس میں ہرگز شک وشبہ نہیں کہ تمام کائنات سے بڑھ کر رسول اکرم ﷺ اپنے پروردگار کے ناموں کا علم رکھتے ہیں نیز ان حقائق سے زیادہ آشنا ہیں جو ان اسماء پر دلالت کرتے ہیں، ان کی وضاحت کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی شخص کے قول کی جانب التفات کرنا درست نہیں ہے۔

نیز اس حدیث میں بھی ہمارے نبی کریم ﷺ ہمیں تعلیم دیتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کرنے سے پہلے ہم اپنے پروردگار عزوجل کی کس طرح حمد وثناء کریں چنانچہ آپ ﷺ کی حمد وثناء کرتے ہوئے اس کی ربوبیت عامہ کا ذکر فرماتے ہیں جو ہر چیز کو حاوی ہے اس کے بعد اللہ عزوجل کی ربوبیت خاصہ کا ذکر کرتے ہیں جس کے سبب اس نے تورات، انجیل اور قرآن پاک کو نازل فرمایا جو اس کے بندوں کو ہدایت اور روشنی عطا کرتی ہیں، اس کے بعد اللہ سبحانہ کی ذات کی پناہ میں بچاؤ اختیار کرتے ہوئے اپنے نفس اور اس کی مخلوق میں سے ہر شر والی چیز کے شر سے پناہ اختیار کرے اور حدیث کے آخری حصہ میں اللہ پاک سے سوال کیا گیا ہے کہ اللہ پاک اس سے اس کے قرض کی ادائیگی کے ذرائع بہم فرمائے اور فقر و فاقہ سے نجات عطا کر کے غنی سے نوازے۔

وقولہ ﷺ ((لَمَّا رَفَعَ الصَّحَابَةُ أَصْوَاتَهُم بِالذِّكْرِ أَيُّهَا النَّاسُ إِرْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُم فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ أَصَمًّا وَّلَا غَائِبًا۔ إِنَّمَا تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيرًا قَرِيبًا، إِنَّ الَّذِي تَدْعُوْنَهُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ)) (متفق علیہ)

نیز ارشاد نبوی ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بآواز بلند ذکر الٰہی کیا ''اے لوگو! تم اپنے آپ پر ترس کرو تم کسی ایسی ذات کو نہیں پکار رہے ہو جو سنتا نہیں ہے نہ وہ غائب ہے۔ بلکہ تم تو ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو تمہاری پکار کو سنتا ہے تمہیں دیکھ رہا ہے اور تمہارے نزدیک ہے، بے شک وہ ذات جس کو تم پکار رہے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے تمہارے قریب ہے۔''

اس حدیث کا مفہوم بتا رہا ہے کہ اللہ پاک اپنے بندوں سے قریب ہے، اور ہرگز ضرورت نہیں ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کو با آواز بلند پکاریں جب کہ اللہ پاک پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کا علم رکھتا ہے، اور حدیث مین ذکر کردہ اللہ کا قرب فی الحقیقت اس انداز کا قرب ہے کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اسے ہر چیز کا علم ہے اور وہ تمام باتوں کو سنتا ہے اور تمام چیزوں کو دیکھتا ہے، ان اوصاف کا اللہ سبحانہ میں پایا جانا اس بات کے خلاف نہیں ہے کہ اللہ پاک اپنی مخلوق پر بلند ہے۔

خیال رہے کہ ذکر کردہ حدیث اسناد کے لحاظ سے صحیح بلکہ متواتر ہے گذشتہ اوراق میں ذکر کردہ احادیث جس مفہوم پر دلالت کرتی ہیں اس کی شہادت اس حدیث سے ہو رہی ہے کہ جنت میں ایمانداروں کو اللہ کا دیدار حاصل ہوگا اور ایماندار لوگ اللہ کریم کے چہرے کا دیدار کر کے لطف اندوز ہوں گے، نیز آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے ذکر کردہ نصوص دو اہم باتوں پر دلالت کر رہے ہیں، پہلی بات تو یہ ہے: کہ اللہ تعالی اپنی مخلوق سے بلند ہے اس لئے کہ ذکر کردہ آیات و احادیث کا مفہوم اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ ایماندار لوگ اپنے اوپر سے اللہ پاک کا دیدار کریں گے، اور دوسری بات یہ ہے: کہ انعامات الٰہیہ سے عظمت والی نعمت یہ ہے کہ ایماندار لوگ قیامت کے دن جنت میں اللہ کریم کے چہرے کا دیدار کریں گے۔

((إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا)) (متفق علیہ)

''بے شک تم اپنے پروردگار کا دیدار اس طرح کرو گے جس طرح کہ تم چودہویں رات کا چاند دیکھتے ہو، اس کے دیکھنے میں تمہیں اژدہام کی ضرورت نہیں ہے اگر تم سے ہو سکے کہ تم سورج طلوع ہونے سے پہلے کی نماز اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز پر مداومت رکھو تو تمہیں ضرور ان دونوں نمازوں کی ادائیگی کا اہتمام کرنا ہوگا۔''[1]

اس حدیث کے بیان سے رؤیت الٰہی کو چودہویں، رات کے چاند کی رؤیت کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہے جب کہ اللہ سبحانہ کو چودہویں رات کے چاند کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے یعنی ایمان داروں کا اپنے پروردگار کا دیدار کرنا اس قدر نمایاں اور واضح ہوگا جیسا کہ چودہویں رات کے چاند کو دیکھنا واضح ہے، بالخصوص جب کہ اس کو کسی بادل نے نہ ڈھانپ رکھا ہو اسی لئے اس کے بعد فرمایا کہ جب تم چودہویں رات کے چاند کا مشاہدہ کرتے ہو تو بلا اژدہام اس کو واضح طور پر دیکھ لیتے ہو۔

خیال رہے کہ حدیث مذکورہ میں لفظ (لا تضامّون) کی میم مشددہ ہے اس کا مصدر (التضام) ہے باب تفاعل سے ہے اس کا معنی مزاحمت کرنا اور ملنا ہے اور اس کلمہ میں حرف تاء پر پیش اور زبد دونوں درست ہیں، یہ لفظ اصل میں تتضامون تھا ایک تاء کو تخفیف کی بناء پر حذف کر دیا لیکن یہ لفظ میم کی تخفیف کے ساتھ بھی آیا ہے اس وقت اس کا مادہ ضیم ہے جس کا معنی ظلم ہے، مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک کی رؤیت میں تمہیں کسی ناانصافی سے واسطہ نہ پڑے گا اور نہ نقصان ہوگا۔

نیز غور کریں اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر اور نماز فجر کی جانب خاص طور پر رغبت دلائی ہے اس سے مقصود اس بات کا اشارہ کرنا ہے کہ جو شخص ان دونوں نمازوں کو با جماعت

---

[1] اخرجه البخاري، مواقيت الصلوٰة، باب فضل صلاة العصر، ح: ٥٥٤۔ مسلم، المساجد، باب فضل صلاتي الصبح والعصر والمحافظة عليها، ح: ٦٣٣.

((إِلٰى أَمْثَالِ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ الَّتِي يُخْبِرُ فِيهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَبِّهِ بِمَا يُخْبِرُ بِهِ ، فَإِنَّ الْفِرْقَةَ النَّاجِيَةَ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِذٰلِكَ كَمَا يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أَخْبَرَ اللّٰهُ بِهِ فِي كِتَابِهِ مِنْ غَيْرِ تَحْرِيفٍ وَلَا تَعْطِيلٍ وَمِنْ غَيْرِ تَكْيِيفٍ وَلَا تَمْثِيلٍ ، بَلْ هُمُ الْوَسَطُ فِي فِرَقِ الْأُمَّةِ ، كَمَا إِنَّ الْأُمَّةَ هِيَ الْوَسَطُ فِي الْأُمَمِ.))

''مذکورہ احادیث کے مفہوم سے جو احادیث مشابہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پروردگار سے بیان کیا ہے، جن میں بتایا گیا ہے کہ اہل سنت والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے جو ان احادیث پر ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ وہ آیات پر ایمان رکھتے ہیں جن کا ذکر اللہ کی نازل کردہ کتاب قرآن پاک میں ہے نہ وہ ان کی تحریف کرتے ہیں اور نہ صفات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں نہ ان کی کیفیت بتاتے ہیں اور نہ ان کو کسی چیز کے ساتھ مشابہ قرار دیتے ہیں، بلکہ اہل سنت والجماعت ایسی جماعت ہے جو امت کے تمام فرقوں میں بہتر ہے، جیسا کہ امت مسلمہ دیگر پہلی امتوں سے بہتر ہے۔''

ادا کرتا رہے گا تو وہ اس نعمت کاملہ کو حاصل کر پائے گا جس کے مقابلہ میں تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔ نیز یہ حدیث ان دونوں نمازوں کی مزید تاکید کرتی ہے جیسا کہ اس پر ایک دوسری حدیث بھی دلالت کر رہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ''کہ تم میں رات دن باری باری فرشتے آتے رہتے ہیں لیکن صبح اور عصر کی نماز میں فرشتوں کے دونوں گروہ جمع ہوتے ہیں۔''[1]

مؤلف رحمہ اللہ نے جن چند احادیث کا ذکر فرمایا جب کہ صفات الٰہیہ کے باب میں ذکر کردہ احادیث وہ تمام احادیث نہیں ہیں جن کا ذکر صفات الٰہیہ کے باب میں موجود ہے، تو انہوں نے اس کے بارے میں متنبہ فرمایا ہے کہ ذکر کردہ احادیث کے مطابق جس قدر احادیث کتب حدیث

---

[1] أخرجه البخاري، الأذان، باب فضل صلاة الفجر في جماعة، ح:٦٤٨ـ ومسلم المساجد، باب فضل صلاتي الصبح والعصر والمحافظة عليهما، ح: ٦٣٢.

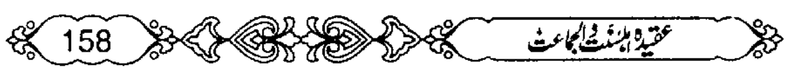
میں موجود ہیں جن میں اللہ کے اسماء اور صفات کا ذکر ہے ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے اس کے بعد مؤلف نے اہل سنت والجماعت کے عقائد کا ذکر دوبارہ تاکید کے ساتھ فرمایا ہے۔ اور واضح کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت لوگوں کا ان تمام صفات الٰہیہ پر ایمان ہے، جن کا ذکر سنن صحیحہ میں آیا ہے جیسا کہ ان کا اس پر ایمان ہے کہ جن صفات کا اللہ عزوجل نے اپنی کتاب قرآن پاک میں ذکر کیا ہے نہ وہ صفات میں تحریف کرتے ہیں اور نہ ان کی کیفیت بیان کرتے ہیں، اور نہ انہیں دیگر غیر صفات الٰہیہ کے ساتھ مشابہ قرار دیتے ہیں۔

بعدازاں مؤلف نے اہل سنت والجماعت کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ یہ لوگ امت مسلمہ کے ان فرقوں کے درمیان درجہ اعتدال پر ہیں جو گمراہ ہیں اور ان کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے، جیسا کہ یہ امت محمدیہ دیگر گذشتہ امتوں کے لحاظ سے بہتر امت ہے۔

''اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت قرار دیا ہے تاکہ تم دیگر امتوں پر گواہی دو اور محمد (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔'' (البقرۃ:۱۴۳) خیال رہے کہ لفظ (وسطا) کا مفہوم وہ امت ہے جو درمیانی ہے اور ہر لحاظ سے بہتر ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کا ذکر ہے [1]۔ پس امت محمدیہ دیگر امتوں کے لحاظ سے راہ اعتدال پر گامزن ہے جبکہ سابقہ امتیں غلو کی جانب مائل رہیں جس کے مضرت رساں اثرات نمایاں طور پر دیکھے گئے ہیں نیز وہ تفریط کے مہلک ترین اثرات سے بھی محفوظ نہ رہیں، ان کی تاریخ پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ امتیں ایسی ہیں جنہوں نے غلو اختیار کرتے ہوئے اللہ کی مخلوق میں خالق کائنات کی صفات ثابت کیں اور اللہ کے حقوق انہیں تفویض کر دیئے، جیسے عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام اور اپنے پیشواء صوفیاء کی محبت میں غلو اختیار کرتے ہوئے انہیں اپنا رب بنالیا، ان کے برعکس بعض نے تفریط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں پر ظلم وستم کو روا رکھتے ہوئے ان پر بے جا تشدد کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ان کی دعوت الی اللہ کا انکار کیا بلکہ ان کے قتل کے درپے ہوئے جیسے یہودیوں نے

---

[1] اخرجه البخاري تفسير القرآن، باب وكذلك جعلناكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا، البقرة: ١٤٣، ح: ٤٤٨٧.



((فَهُمْ وَسَطٌ فِي بَابِ صِفَاتِ اللهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بَيْنَ أَهْلِ التَّعْطِيلِ الْجَهْمِيَّةِ وَأَهْلِ التَّمْثِيلِ الْمُشَبِّهَةِ))

پس اہل سنت والجماعت کا گروہ درحقیقت وہ گروہ ہے جو اللہ پاک کی صفات کے بارے میں راہ اعتدال اختیار کیے ہوئے ہے وہ فرقہ جہمیہ ومعطلہ کے مخالف ہیں جو اللہ پاک کی صفات کا مکمل طور پر انکار کرتے ہوئے اللہ پاک کو تمام صفات سے خالی قرار دیتے ہیں۔ نیز وہ اس گمراہ فرقہ کے بھی شدید ترین مخالف ہیں جو اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جنہیں ممثلہ اور مشبہ کہا جاتا ہے۔

زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو موت کے گھاٹ اتار دیا جبکہ مسیح علیہ السلام کے قتل کا کامیاب منصوبہ بنایا اور ان پر الزامات اور بہتان طرازی اختیار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، ان سابقہ امتوں کے برعکس امت محمدیہ علیہا الصلوۃ والتسلیمات نے تمام پیغمبروں اور رسولوں کی رسالت کو تسلیم کیا ان پر ایمان لائے اور ان کے اعلیٰ ترین مقامات کا صدق دل سے اعتراف کیا اور ان کے فضائل و مناقب سے انہیں نوازا۔

جبکہ دیگر سابقہ امتوں میں سے بعض امتوں نے ہر ناپاک، پاک چیز کو حلال گردانا جبکہ بعض نے غلو اختیار کرتے ہوئے حد اعتدال سے تجاوز کیا تو انہوں نے پاک حلال چیزوں کو حرام ٹھہرا دیا لیکن امت محمدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے پاک چیزوں کو حلال کیا اور ناپاک کو حرام کر دیا، اس کے علاوہ بھی امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کامل و مکمل ہیں کہ یہ امت راہ اعتدال پر رواں دواں ہے۔

پس اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جو مسلک اعتدال اختیار کرتے ہوئے ان لوگوں سے دور رہتے ہیں جو بدعات کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور صراط مستقیم سے ہٹ کر گمراہی کی عمیق وادی میں گرے ہوئے ہیں۔

اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جو صفات الٰہیہ کے بارے میں مسلک اعتدال پر گامزن

ہیں ان لوگوں سے انہیں کچھ تعلق نہیں جو اللہ کی صفات کی نفی کرتے ہیں اور اللہ کی ذات کو صفات سے بالکل خالی قرار دیتے ہیں اس لحاظ سے جو معطلہ کے نام کے ساتھ مشہور ہیں وہ ان آیات اور احادیث کی تحریف کرتے ہیں جن آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ میں صفات الٰہیہ کا ذکر ہے ان کے صحیح معانی کو ترک کرکے اپنے اعتقادات کے مطابق بلا دلیل انہیں ایسے معانی کا لباس پہناتے ہیں جن کے اثبات کے لئے ان کے پاس کوئی صحیح دلیل موجود نہیں بلکہ عقل صریح بھی ان کے بیان کردہ معانی کا انکار کرتی ہے جیسا کہ وہ اللہ کی رحمت (وصف) سے مراد لیتے ہیں اللہ کا احسان کا ارادہ کرنا، اور اللہ کے ہاتھ سے قدرت اور اللہ کی آنکھ سے حفاظت نگرانی اور استواء علی العرش سے مراد اللہ کا غالب ہونا مراد لیتے ہیں، اس قسم کی اور بھی باتیں کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میں کوئی بھی صفت موجود نہیں وہ صفات سے یکسر خالی ہے دراصل انہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں غلط قسم کے خیالات کو اپنایا جن کے سبب انہوں نے اللہ سبحانہ کے بارے میں زبان طعن دراز کی اور اس خیال میں مستغرق ہوگئے کہ ان صفات کا قیام اللہ سبحانہ کے ساتھ ممکن نہیں ہے ہاں ممکن ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ جس طرح یہ صفات مخلوق میں موجود ہیں اسی کیفیت کے ساتھ اللہ میں بھی موجود ہیں ایک شاعر نے کس قدر عمدہ تخیل پیش کرتے ہوئے ان کے عقائد کی نقشہ کشی کی ہے۔

وَقُصَارٰی أَمْرٍ مِنْ أَوَّلٍ أَنْ ظَنُّوا الظُّنُوْنَا
فَيَقُوْلُوْنَ عَلَى الرَّحْمٰنِ مَا لَا يَعْلَمُوْنَا

'اللہ سبحانہ کی صفات کی تاویلات کرنے والوں کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ وہ خود کو توہمات کی دنیا میں مست رکھیں اور اللہ رحمان کے بارے میں لایعنی اور عقل و دانش سے گری ہوئی باتیں کرتے رہیں۔''

فرقہ معطلہ جو صفات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں انکا دوسرا نام جہمیہ ہے ان کی نسبت ان کے لیڈر جہم بن صفوان ترمذی کی طرف ہے جو گمراہی اور فتنہ انگیزی کا مجسمہ تھا اس نے اس لفظ کے مفہوم کو عام فہم الفاظ میں بیان کرتے ہوئے نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ کہہ دیا کہ اللہ

سے ہر قسم کے اسماء اور صفات کی مکمل نفی کی جائے، اس لحاظ سے وہ تمام فرقے اس کے ساتھ ہم نوا ہیں جو صفات الٰہیہ کے منکر ہیں جیسے فلاسفہ، معتزلہ، اشاعرہ اور قرامطہ، باطنیہ وغیرہ ہیں۔

پس اہل سنت والجماعت ایسا گروہ ہے جو میانہ روی کا خوگر ہے یہ گروہ فرقہ جہمیہ کے بھی خلاف ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں نیز مشبہ فرقہ کے بھی خلاف ہیں جو اللہ سبحانہ کو اس کی مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں اور اللہ سبحانہ کو اس کے بندوں کے مثل سمجھتے ہیں ،لیکن اللہ سبحانہ نے ان دونوں فرقوں کا رد کرتے ہوئے واضح کیا، کہ کوئی بھی چیز اللہ کے مماثل نہیں۔

اس سے مشبہہ کا رد کیا گیا اور اللہ سبحانہ کے اس ارشاد سے کہ اللہ سبحانہ کا وصف یہ ہے کہ ''وہ سننے والا دیکھنے والا ہے اس سے معطلہ فرقہ کا رد ہو گیا۔

ان کے خلاف وہ گروہ حق وصداقت پر ہے جو اللہ سبحانہ کے لئے بلا تمثیل صفات ثابت کرتے ہیں ،اور اللہ کو مخلوق کی مشابہت سے منزہ قرار دیتے ہیں لیکن منزہ قرار دیتے ہوئے اللہ سبحانہ کی صفات کا انکار نہیں کرتے ،چنانچہ یہ گروہ دو بہترین باتوں کا امتزاج ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کی صفات ہیں لیکن اللہ سبحانہ اپنی صفات کے لحاظ سے مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہے اس سے منزہ ہے، نیز یہ گروہ معطلہ اور مشبہہ فرقوں کے غلط نظریات سے الگ راہ صواب اختیار کرتے ہوئے اللہ سبحانہ کی ذات کے بارے میں ہر طرح کی گستاخی کے ارتکاب سے دور رہتے ہیں اور بے ادبی سے کنارہ کش رہتے ہیں۔



((وَهُمْ وَسْطٌ فِي بَابِ أَفْعَالِ اللّٰهِ بَيْنَ الْجَبَرِيَّةِ وَالْقَدَرِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ))

''اہل سنت والجماعت اللہ سبحانہ کے افعال کے بارے میں جبریہ قدریہ اور دیگر فرقوں کے نظریات سے الگ نظریات رکھتے ہیں اور راہ اعتدال پر گامزن ہیں۔''

شیخ علامہ محمد بن عبدالعزیز بن مانع اس عبارت پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''ذہن نشین کر لیجیے کہ بندوں کے افعال کے بارے میں لوگ اختلاف کرتے ہیں کیا بندوں کے افعال اللہ پروردگار کی قدرت کے تابع مہمل ہیں یا نہیں؟ چنانچہ جہم بن صفوان اور اس کے پیروکار جو جبریہ کے لقب سے متعارف ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''بندوں کا فعل رب تعالی کی قدرت کے ساتھ ہے بندے کی اپنی قدرت کے ساتھ نہیں ہے، اسی طرح کا قول اشعری اور اسکے پیروکاروں کا ہے کہ بندے کے فعل میں اصل موثر رب تعالی کی قدرت ہے بندے کی قدرت نہیں ہے اور جمہور معتزلہ جو کہ قدریہ ہیں یعنی جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں، ان کا قول ہے کہ رب تعالی بندے کی عین قدرت پر قادر نہیں ہے پھر ان میں اختلاف ہے کہ کیا اللہ سبحانہ بندے کی قدرت کے مثل پر قادر ہے؟ تو بصرہ کے معتزلہ ابوعلی اور ابو ہاشم نے اس کو ثابت کیا ہے جب کہ کعبی اور اس کے پیروکار بغدادیوں نے اس کا انکار کیا ہے۔

لیکن وہ لوگ جو راہ صواب پر ہیں وہ کہتے ہیں: ''بندے افعال کے سبب دو گروہوں میں منقسم ہیں ایک گروہ اطاعت شعار بندوں کا ہے دوسرا گروہ نافرمانیاں کرنے والا ہے اور تمام افعال اللہ کی مخلوق ہیں، اور حق تعالی سبحانہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں متفرد ہے اس کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے، لیکن جبریہ فرقہ تقدیر کے اثبات میں اس قدر غلو اختیار کرتے ہیں کہ بندوں کے فعل کی بالکل نفی کر دیتے ہیں جبکہ معتزلہ فرقہ جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں انہوں نے بندوں کو اللہ کے ساتھ ملا کر افعال کا خود خالق قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ معتزلہ کو اس امت کے مجوسی قرار دیا گیا ہے، لیکن اللہ تعالی نے ایمانداروں یعنی اہل سنت والجماعت کو اپنے حکم کے

((وَفِيْ بَابِ وَعِيْدِ اللهِ بَيْنَ الْمُرْجِئَةِ وَالْوَعِيْدِيَّةِ مِنَ الْقَدَرِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ))

''اور اللہ کی وعید کے مسئلہ میں فرقہ مرجیہ اور فرقہ وعیدیہ قدریہ وغیرہ کے درمیان اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔''

ساتھ اس مسئلہ میں راہ صواب پر چلنے کی توفیق عطا کی، اور اللہ سبحانہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت بخشتا ہے، انہوں نے برملا اس عقیدے کا اظہار کیا کہ بندے فاعل ہیں اور اللہ سبحانہ ان کے خالق ہیں بلکہ ان کے افعال کے بھی خالق ہیں۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا '' اللہ تمہارا اور تمہارے افعال کا خالق ہے۔'' (الصافات:۹۶) ذہن نشین کر لیں کہ ہم نے اصل عبارت کو اس لئے نقل کیا ہے کہ مسئلہ تقدیر کے بارے میں اور بندوں کے افعال کے بارے میں متکلمین کے مذاہب کو نہایت عمدہ انداز سے ملخص بیان کیا جا سکے۔

اہل سنت والجماعت کا گروہ وعید کے باب میں بھی راہ اعتدال پر گامزن ہے جبکہ معصیت اور وعید کے بارے میں مرجیہ فرقہ جو کہ اعمال کو ایمان کے ساتھ وابستہ نہیں کرتے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کسی گناہ کا مرتکب ہونا ضرر رساں نہیں ہے جیسا کہ کفر کے ہوتے ہوئے اطاعت الٰہی فائدہ نہیں بخشتی، بلکہ مرجیہ تو اس بات کے مدعی ہیں کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے اگرچہ زبان کے ساتھ ایمان کا اقرار نہ بھی کیا جائے۔ اسی وجہ سے انہیں مرجیہ کہا جاتا ہے کہ وہ اعمال کو ایمان سے موخر قرار دیتے ہیں۔

لیکن اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس معنی کے لحاظ سے ارجاء کفر ہے اور مرجیہ فرقہ اسلام سے خارج ہے اس لئے کہ ایمان میں ضروری ہے کہ زبان سے اقرار کیا جائے دل میں تصدیق موجود ہو اور عمل بالارکان کیا جائے اگر ان تینوں میں سے کسی شخص میں کوئی ایک موجود نہیں تو اس وقت اس شخص کو مومن نہیں کہا جائے گا۔

عام ارجاء یہی ہے لیکن وہ ارجاء جس کی نسبت اہل کوفہ کے مشہور امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ کی

جانب کی جاتی ہے، اس لئے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اعمال ایمان سے نہیں بلکہ خارج ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اہل سنت کی موافقت کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کبائر گناہوں کے مرتکب افراد میں سے جس کو آگ کے عذاب میں مبتلا کرنا چاہے گا، کرے گا، اس کے بعد اس کو شفاعت وغیرہ کے ساتھ عذاب سے نجات عطا کرے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگ ایمان کی تعریف کرتے ہوئے زبان کے ساتھ اقرار کرنے کی بھی قید لگاتے ہیں۔ نیز فرائض کے چھوڑنے پر مذمت اور عذاب خداوندی کا مستحق قرار دیتے ہیں، اس قسم کے ارجاء کو تو کفر قرار نہیں دیا جا سکتا اگر چہ ان کی یہ بات بالکل غلط اور دین اسلام میں ایک اضافہ ہے کہ انہوں نے اعمال کو ایمان سے خارج قرار دے دیا۔

وعید یہ فرقے سے مقصود وہ لوگ ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ عقلی طور پر اللہ کے لئے واجب ہے کہ وہ نافرمان کو عذاب میں مبتلا کرے جبکہ اللہ پر واجب ہے کہ اطاعت گذار شخص کو اطاعت کرنے پر ثواب عطا کرے، چنانچہ جو شخص کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ بلا توبہ مرجاتا ہے تو ان کے نزدیک اللہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ اللہ اس کو معاف کرے، بلکہ ان کا مذہب کتاب و سنت کے مخالف ہے اور اس لحاظ سے باطل ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "بے شک اللہ شرک کو معاف نہیں کرتا اور شرک کے علاوہ دیگر گناہ جس کے چاہے معاف کر دے۔" (النسا:۴۸) چنانچہ کثرت کے ساتھ اس مضمون کی احادیث موجود ہیں کہ نافرمان موحدین دوزخ سے نکالے جائیں گے اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا چنانچہ اہل سنت والجماعت کا مذہب فرقہ مرجیہ اور قدریہ کے درمیان ہے۔ اس لئے کہ مرجیہ فرقہ وعید کی نفی کرتا ہے اور قدریہ فرقہ وعید کو لازم قرار دیتا ہے، لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک جو شخص کبائر کا مرتکب ہوتا ہے اور اسی حالت میں فوت ہو جاتا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر اللہ چاہے تو اسے عذاب میں مبتلا کرے اگر چاہے تو اس کو معاف کرے جیسا کہ پہلے ذکر کردہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے لیکن اگر کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے سبب اسے سزا دے گا تو اسے کفار کی طرح ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا نہیں رکھے گا بلکہ اسے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرے گا۔

((وَفِي بَابِ أَسْمَاءِ الْإِيْمَانِ وَالدِّيْنِ بَيْنَ الْحُرُوْرِيَّةِ وَالْمُعْتَزِلَةِ وَبَيْنَ الْمُرْجِئَةِ وَالْجَهْمِيَّةِ))

"اور دنیا میں مومن اور کافر نام رکھنے میں اور آخرت میں ان کے احکام کے لحاظ سے اہل سنت والجماعت کا مسلک فرقہ حروریہ اور معتزلہ کے درمیان اور فرقہ مرجیہ اور جہمیہ کے درمیان ہے۔"

اسلام میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے درمیان سب سے پہلے جو اختلاف رونما ہوا وہ نام کا اختلاف تھا جب معاویہ اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان سیاسی اختلاف رونما ہوا اور جنگ وجدال کی نوبت آ پہنچی جس کے نتیجہ میں خوارج، روافض اور قدریہ فرقے نمودار ہوئے اور اس نزاع کے دوررس اثرات ظہور پذیر ہوئے کہ کیا آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرنے والوں کو مسلمان ایماندار کہا جائے یا کافر، فاسق کا لقب دیا جائے، اور آخرت میں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے یا کچھ عرصے کے بعد انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور دنیوی لحاظ سے کیا ان کا مال اور خون مباح ہے یا نہیں؟

چنانچہ خوارج حروریہ اور معتزلہ نے واضح کیا کہ صرف اس شخص کو مومن کہا جائے جو صدق دل سے ایمان لائے اور زبان کے ساتھ اقرار کرنے کے بعد جملہ فرائض کی ادائیگی پر کاربند رہے اور تمام کبائر گناہوں سے دور رہے چنانچہ ان کا مذہب یہ ہے کہ کبائر کے مرتکب کو مومن نہ کہا جائے اس کے بعد ان میں اختلاف رونما نہ ہوا کہ کیا اسے کافر کہا جائے گا یا نہیں؟ چنانچہ خوارج نے اسے کافر قرار دیا اور اس کے خون اور مال کو مباح قرار دیا اسی بنیاد پر انہوں نے علی معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے رفقاء کو کافر قرار دیا اور ان کے خون اور مال کو مباح سمجھا جیسا کہ کافر کا خون اور مال مباح ہوتا ہے۔

البتہ معتزلہ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ کبائر کے مرتکب شخص سے ایمان خارج ہو جاتا ہے لیکن وہ کافر بھی نہیں ہوتا گویا کہ اس کا مقام ان دونوں کے درمیان ہے معتزلہ مذہب جن اصولوں پر قائم ہے ان میں یہ بھی ایک اصول ہے۔

((وَفِيْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بَيْنَ الرَّافِضَةِ وَالْخَوَارِجِ))

''رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا مسلک روافض اور خوارج کے نظریات کے درمیان ہے۔''

البتہ اس بات پر دونوں فرقوں کا اتفاق ہوا کہ جو شخص کبائر کا مرتکب ہوا اور ان سے تائب نہیں ہوا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا پس ان دو امور پر ان دونوں فرقوں کا اتفاق ہے۔ امر اول: کبائر کا مرتکب شخص مومن نہیں ہے۔

امر دوم: وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کفار کے ساتھ رہے گا۔

اس کے علاوہ دو باتوں میں ان کا اختلاف ہوا ایک یہ کہ اسے کافر کہا جائے اور دوسرا یہ کہ دنیا میں اس کے خون اور مال کو مباح سمجھا جائے، ہاں فرقہ مرجیہ کے مذہب کا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ایمان کے ساتھ اللہ کی نافرمانی ضرررساں نہیں ہے چنانچہ فرقہ مرجیہ کے نزدیک کبائر کا مرتکب کامل ایماندار ہے وہ ہرگز دوزخ میں داخل نہیں گا۔

لیکن اہل سنت والجماعت کا مذہب ذکر کردہ دونوں مذہبوں کے درمیان ہے چنانچہ کبائر کا مرتکب شخص ان کے نزدیک مومن تو ہے لیکن اس کا ایمان ناقص ہے جس قدر اس نے نافرمانیاں کی ہیں اسی قدر ایمان ناقص ہے، وہ خوارج اور معتزلہ کی طرح اس سے ایمان کی نفی نہیں کرتے اور نہ جہمیہ اور مرجیہ کی طرح اسے کامل ایمان والا شخص سمجھتے ہیں ان کے نزدیک آخرت میں اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ عزوجل اسے معاف فرمائیں گے اور ابتداً اسے جنت میں داخل کریں گے یا اس کے گناہوں کی پاداش میں اسے عذاب میں مبتلا کریں گے پھر اسے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرمائیں گے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، چنانچہ یہ حکم بھی اعتدال کا ہے اس لئے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا جبکہ کچھ لوگ اس نظریہ کے حامل ہیں کہ وہ کسی نافرمانی کی وجہ سے ہرگز کسی سزا کا مستحق نہ ہوگا۔

مشہور ہے رافضیہ فرقہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں دیتے ہیں ان پر تبرا بھیجتے ہیں انہیں ملعون قرار دیتے ہیں بلکہ بسا اوقات انہیں کافر کہتے ہیں یا کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں ان میں

اکثریت ایسے افراد کی ہے جو اکثر صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کو گالیاں دینے کے ساتھ ساتھ علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے غایت درجہ محبت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ انہیں خدائی کا درجہ دیتے ہیں، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی ان اعتقادات کے حامل لوگ ظہور پذیر ہو گئے تھے ان کا سرغنہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ وہ بظاہر اسلام لایا اس کا نقطہ نظر اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ فریب کرنا تھا جبکہ یہودیوں نے عیسائیوں کے خلاف سازشیں کیں اور ان میں بگاڑ پیدا کیا، چنانچہ ان کے فتنہ کو فرو کرنے کے لئے علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال کر جلا دیا، اور ان کے بارے میں ان سے ایک مشہور شعر بھی مروی ہے۔

لَمَّا رَأَيْتُ الْأَمْرَ أَمْرًا مُنْكَرًا
أَجَّجْتُ نَارِي وَدَعَوْتُ قُنْبُرًا

''جب میں نے معاملہ کو سنگین محسوس کیا تو میں نے انہیں جلانے کے لئے آگ کو مشتعل کیا اور اپنے قنبر نامی غلام کو بلایا۔''

لیکن خوارج نے روافض کے مقابلہ میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھ شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دیا بلکہ ان کے ساتھ لڑائیاں کیں اور ان کے خون و مال کو مباح قرار دیا۔

البتہ اہل سنت والجماعت گروہ نے میانہ روی اختیار کی نہ تو روافض کی مانند غلو اختیار کیا اور نہ خوارج کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کافر قرار دیا بلکہ اللہ پاک نے انہیں ہدایت کی توفیق عطا کی انہوں نے اپنے پیغمبر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم وفضل کا اعتراف کیا اور ان کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ امت مسلمہ میں سے صحابہ کرام ایمان، اسلام اور علم وحکمت کے لحاظ سے مکمل ترین لوگ ہیں، البتہ ان کی محبت میں انہوں نے غلو اختیار نہ کیا اور انہیں معصوم عن الخطا نہ سمجھا لیکن ان کے حقوق کا خیال رکھا اور ان کے عظیم کارناموں کی وجہ سے جو انہوں نے اسلام کی اعانت کے لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے انہوں نے سرانجام دیئے ان کی عظمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے محبت کا اظہار کیا۔

((وَقَدْ دَخَلَ فِيمَا ذَكَرْنَاهُ مِنَ الْإِيمَانِ بِاللهِ اَلْإِيمَانُ بِمَا أَخْبَرَ اللهُ بِهِ فِي كِتَابِهِ وَتَوَاتَرَ عَنْ رَسُوْلِهِ وَأَجْمَعَ عَلَيْهِ سَلَفُ الْأُمَّةِ مِنْ أَنَّهُ سُبْحَانَهُ فَوْقَ سَمَاوَاتِهِ عَلٰى عَرْشِهِ بَائِنٌ عَلٰى خَلْقِهِ، وَهُوَ سُبْحَانَهُ مَعَهُمْ أَيْنَمَا كَانُوْا يَعْلَمُ مَا هُمْ عَامِلُوْنَ كَمَا جَمَعَ بَيْنَ ذٰلِكَ فِيْ قَوْلِهِ))

''اللہ سبحانہ کی ذات کے بارے میں ایمان لانے کی بحث میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں یہ بھی شامل ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لایا جائے جن کے بارے میں اللہ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے اور جو باتیں تواتر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور جن پر امت کے سلف صالحین کا اجماع ہے کہ اللہ سبحانہ آسمانوں میں عرش پر ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں اسے ان سب کاموں کا علم ہے جو وہ کرتے ہیں جیسا کہ ان تمام باتوں کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔''

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (الحديد: ٤)

''وہی ذات جس نے آسمان وزمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا وہ ان چیزوں کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور جو زمین سے نکلتی ہیں اور جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں اور جو آسمان کی جانب چڑھتی ہیں اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہوتے ہو۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔''

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام میں اللہ تعالیٰ کے علو اور اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کو واضح کیا ہے جبکہ وہ اپنی مخلوق سے بالکل الگ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اس کے بارے میں

مطلع کیا ہے اسی طرح اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے خبر متواتر مروی ہے نیز اس پر امت کے سلف صالحین کا بھی اجماع ہے جو علم اور ایمان کے لحاظ سے سب سے اکمل تھے اس سے اس مسئلہ کی تائید ہو رہی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس نے اس مسئلہ کی بحث میں شدت کے ساتھ ان لوگوں کا رد کیا ہے جن کا تعلق جھمیہ، معتزلہ اور ان کے متبعین اشاعرہ کے ساتھ ہے اس کے بعد اس نے واضح کیا ہے کہ اللہ کا عرش پر مستوی ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اللہ کی معیت اور اس کا قرب اس کی مخلوق کے ساتھ نہیں ہے۔

اس لئے کہ معیت سے مقصود ہرگز اختلاط اور محسوس قسم کی مجاورت نہیں ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے چاند کی مثال پیش کی ہے کہ چاند آسمان میں ہے لیکن وہ چلنے والے، نہ چلنے والے کے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی وہ ہے چاند وہیں موجود ہے اور چاند کی روشنی بھی موجود ہے جب چاند کے بارے میں یہ کیفیت درست ہے حالانکہ چاند اللہ تعالیٰ کی بہت کم جسم والی مخلوق ہے تو اللہ سبحانہ کے بارے میں اس کیفیت کو کیسے درست تسلیم نہ کیا جائے جو لطیف اور خبیر اوصاف والا ہے جس نے اپنے علم اور قدرت کے ساتھ اپنے تمام بندوں کا احاطہ کیا ہوا ہے اور وہ ان کا نگران اور محافظت کرنے والا ہے ان کی باتوں کو سنتا انہیں دیکھتا ہے اور ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کا علم رکھتا ہے، بلکہ تمام عالم پر اس کا علم محیط ہے تمام آسمان و زمین عرش سے فرش تک سبھی اللہ سبحانہ کے سامنے ہیں جیسا کہ ہم میں سے کسی شخص کے ہاتھ میں بندوق ہوتی ہے، کیا جس ذات کی یہ شان ہے اس ذات کے بارے میں درست نہیں کہ کہا جائے کہ اللہ سبحانہ مخلوق پر بلند ہونے کے ساتھ ساتھ مخلوق کے ساتھ ہے۔ ان سے جدا عرش پر ہے بلکہ اللہ کے مخلوق پر بلند ہونے اور مخلوق کے ساتھ ہونے دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے، نیز اس اعتقاد کے ساتھ کہ ذکر کردہ تمام اوصاف صحیح ہیں اور مبنی بر حقیقت ہیں لیکن ہرگز ان کے فہم میں کوئی غلط انداز اختیار نہ کیا جائے اور نہ غلط معانی پر محمول کیا جائے مثال کے طور پر کہ اللہ تعالی کے اس قول کہ (اللہ تمہارے ساتھ ہے) سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ کی معیت سے مقصود اختلاط اور امتزاج ہے جیسا کہ فرقہ حلولیہ اس نظریہ کا قائل ہے، یا اللہ کے اس قول کہ اللہ آسمانوں میں ہے، سے سمجھا جائے کہ آسمان اللہ کے لئے ظرف ہے اللہ پر حاوی ہے اسے گھیرے ہوئے ہے۔

﴿وَلَيْسَ مَعْنَى قَوْلِهِ ((وَهُوَ مَعَكُمْ)) أَنَّهُ مُخْتَلِطٌ بِالْخَلْقِ فَإِنَّ هٰذَا لَا تُوْجِبُهُ اللُّغَةُ، بَلِ الْقَمَرُ آيَةٌ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ مِنْ أَصْغَرِ مَخْلُوْقَاتِهِ، وَهُوَ مَوْضُوْعٌ فِي السَّمَآءِ، وَهُوَ مَعَ الْمُسَافِرِ وَغَيْرِ الْمُسَافِرِ أَيْنَمَا كَانَ۔﴾

اللہ کے اس ارشاد کہ ''اللہ تمہارے ساتھ ہے'' سے مقصود یہ نہیں ہے کہ اللہ مخلوق سے ملا ہوا ہے عربی زبان میں اس کا یہ مفہوم درست نہیں ہے بلکہ غور فرمائیں کہ چاند اللہ سبحانہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور چاند اللہ تعالیٰ کی بہت کم حجم والی مخلوق ہے اسے آسمان میں ٹکایا گیا ہے لیکن وہ چلنے والے اور نہ چلنے والے سب کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہے۔''

﴿وَهُوَ سُبْحَانَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ رَقِيْبٌ عَلَى خَلْقِهِ مُهَيْمِنٌ عَلَيْهِمْ مُطَّلِعٌ عَلَيْهِمْ إِلَى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ مَّعَانِيْ رَبُوْبِيَّتِهِ، وَكُلُّ هٰذَا الْكَلَامِ الَّذِيْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ۔ مِنْ أَنَّهُ فَوْقَ الْعَرْشِ وَ أَنَّهُ مَعَنَا﴾

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ عرش پر ہے اپنی مخلوق پر نگہبان ہے مخلوق کی محافظت فرماتا ہے ان پر اس کو اطلاع ہے اس کے علاوہ ربوبیت والے تمام اوصاف اس میں ہیں، اور اللہ کا کلام جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں مطلع کیا ہے کہ اللہ سبحانہ عرش پر ہے نیز اللہ سبحانہ ہمارے ساتھ ہے۔

﴿حَقٌّ عَلَى حَقِيْقَتِهِ لَا يَحْتَاجُ إِلَى تَحْرِيْفٍ، وَلٰكِنْ يُصَانُ عَنِ الظُّنُوْنِ الْكَاذِبَةِ مِثْلَ أَنْ يَّظُنَّ أَنَّ ظَاهِرَ قَوْلِهِ (فِي السَّمَآءِ) أَنَّ السَّمَآءَ تُظِلُّهُ أَوْ تُقِلُّهُ، وَهٰذَا بَاطِلٌ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْإِيْمَانِ، فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَهُوَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾

یہ سب اوصاف حقیقت پر مبنی ہیں ان میں ہرگز تحریف کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ ناروا اور غلط قسم کے تخیلات سے اللہ کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر یہ خیال کرنا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد کہ (اللہ آسمانوں میں ہے) آسمانوں نے اس کو سایہ کیا ہوا ہے یا اسے اٹھایا ہوا ہے، یہ معنی مراد لینا باطل ہے اس کے باطل ہونے پر اہل سنت اور اہل علم کا اجماع ہے، اور اس میں ذرا برابر شک کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کرسی نے آسمانوں، زمین کو گھیر رکھا ہے، نیز اللہ سبحانہ نے آسمانوں اور زمین کو تھاما ہوا ہے کہ کہیں وہ دونوں ختم نہ ہو جائیں نیز اللہ سبحانہ نے آسمانوں کو روکا ہوا ہے کہ وہ زمین پر گریں البتہ اس کے حکم کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے نیز اللہ سبحانہ کی وحدت کی علامات سے ہے کہ آسمان و زمین اس کے حکم کے ساتھ قائم ہیں۔

کیسے اس فہم کو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ اس کی کرسی نے تمام آسمان و زمین کا احاطہ کیا ہوا ہے اور اللہ سبحانہ وہی ذات ہے جس نے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے البتہ اس کے حکم کے ساتھ آسمان گر سکتے ہیں، پس اللہ کی ذات پاک ہے جہاں کسی کا وہم نہیں پہنچ سکتا نہ کسی کا فہم اس کا ادراک کر سکتا ہے۔

جس طرح اللہ سبحانہ نے اپنی ذات کے اوصاف بیان کئے ہیں کہ اللہ قریب ہے دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے، اللہ سبحانہ اس شخص کے بالکل نزدیک ہے جو اس کو پکارتا ہے اور اس سے سرگوشی کرتا ہے، وہ ان کی پکار اور سرگوشیوں کو سنتا ہے اور جب چاہتا ہے جیسا چاہتا ہے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا کرتا ہے اللہ کا قرب علم اور احاطہ کے لحاظ سے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”بلا شبہ ہم نے انسان کو پیدا فرمایا اور ہم اس کے نفس کے وسوسوں کا علم رکھتے ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں (ق ۱۶)“

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کتاب و سنت میں اللہ کے قرب اور معیت کے بارے میں جو

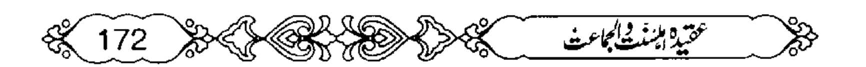
﴿وَقَدْ دَخَلَ فِيْ ذٰلِكَ الْإِيْمَانُ بِأَنَّهٗ قَرِيْبٌ مُجِيْبٌ كَمَا جَمَعَ بَيْنَ ذٰلِكَ فِيْ قَوْلِهٖ(وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ) قوله صلی اللہ علیہ وسلم ((إِنَّ الَّذِيْ تَدْعُوْنَهٗ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ))﴾

نیز اللہ سبحانہ کے ساتھ ایمان لانے میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ سبحانہ قریب ہے دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے جیسا کہ اس کا ذکر اللہ سبحانہ کے اس ارشاد میں ہے کہ ''جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو انہیں بتا دیجئے کہ میں نزدیک ہوں'' (البقرة ١٨٦)

نیز ارشاد نبوی ہے کہ

''بے شک وہ ذات جس کو تم پکارتے ہو وہ تم میں سے ہر شخص کی سواری کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے''

ذکر کیا گیا ہے، نیز کتاب وسنت میں جو اللہ کے علو اور فوقیت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، ان دونوں میں ہرگز منافات نہیں ہے پس یہ اللہ کے اوصاف ہیں جیسے اللہ پاک کی ذات کے ساتھ لائق ہے اللہ کے کسی وصف میں اللہ کے مثل کوئی نہیں ہے۔ مولف نے اس بات پر ایمان لانے کو کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اللہ پر ایمان لانے میں داخل کیا ہے اس لئے قرآن پاک بھی اللہ کا وصف ہے، پس اللہ پاک پر ایمان لانا تب صحیح ہوگا جب اللہ کے اوصاف پر ایمان ہوگا، ظاہر ہے کہ کلام کرنا متکلم کا وصف ہے اور اللہ سبحانہ متکلم ہیں جو چاہیں جب چاہیں کلام فرمائیں، اور وہ ہمیشہ سے متکلم ہے اور ہمیشہ متکلم ہوگا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا کلام قدیم ہے یعنی نوع کے لحاظ سے قدیم ہے جبکہ کلام کے افراد اللہ پاک کی حکمت کے مطابق لحظہ بہ لحظہ وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔



﴿وَمَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِن قُرْبِهِ وَمَعِيَّتِهِ لَا يُنَافِي مَا ذُكِرَ مِن عُلُوِّهِ وَفَوقِيَّتِهِ/فَإِنَّهُ سُبحَانَهُ لَيسَ كَمِثلِهِ شَيْءٌ فِيْ جَمِيعِ نُعُوتِهِ، وَهُوَ عَلِيٌّ فِي دُنُوِّهِ قَرِيبٌ فِيْ عُلُوِّهِ﴾

''ذہن نشین کرلیں کہ کتاب وسنت میں اللہ کے جس قرب اور معیت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اللہ سبحانہ کے علو اور اس کے تفوق کے منافی نہیں ہے/اس لئے کہ اللہ سبحانہ کی مثل اس کی تمام صفات کے لحاظ سے کوئی چیز نہیں ہے اللہ سبحانہ بلند ہونے کے ساتھ قریب بھی ہے اور نزدیک ہونے کے ساتھ بلند بھی ہے۔''

ہم نے گذشتہ اوراق میں واضح کیا ہے کہ ''قرآن پاک اللہ کا کلام ہے'' کی ترکیب میں اضافت دراصل صفت کی موصوف کی طرف ہے معلوم ہوا کہ قرآن پاک اللہ کا وصف ہے اور اللہ پاک نے قرآن پاک کے الفاظ اور معانی کے ساتھ حقیقی طور پر اپنی آواز کے ساتھ کلام کیا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پاک مخلوق ہے جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے وہ اللہ پر افتراء باندھتے ہیں اور اللہ کا کلام جو اللہ کا وصف ہے اس کی اللہ سے نفی کرتے ہیں اور اسے مخلوق کا وصف قرار دیتے ہیں بلکہ عربی زبان پر بھی ظلم کرتے ہیں عربی زبان میں متکلم سے مقصود یہ نہیں ہے کہ وہ کلام کا خالق ہے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پاک جو ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ اس کلام کی حکایت ہے جیسا کہ کلابیہ فرقے کا قول ہے یا قرآن پاک اللہ کے کلام سے عبارت ہے جیسا کہ اشاعرہ کا قول ہے، تو انہوں نے معتزلہ کے قول کے نصف قول کے برابر کہا ہے جبکہ انہوں نے الفاظ اور معانی میں فرق کیا ہے، کہ الفاظ کو مخلوق قرار دیا ہے اور معانی کو قدیم وصف سے عبارت بنا دیا، جیسا کہ عیسائیوں نے کہا کہ ''لاھوت'' یعنی اللہ کا کلمہ ''ناسوت'' یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے جسم میں حلول پذیر ہو گیا ہے اور کہا کہ معانی الفاظ میں حلول کر گئے ہیں جبکہ معنی قدیم ہیں اور الفاظ مخلوق ہیں۔ اور الفاظ معانی کے لئے اجسام ہیں۔

﴿وَمِنَ الْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَكُتُبِهِ الْإِيْمَانُ بِأَنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللّٰهِ مُنَزَّلٌ غَيْرَ مَخْلُوْقٍ، مِنْهُ بَدَأَ وَإِلَيْهِ يَعُوْدُ، وَأَنَّ اللّٰهَ تَكَلَّمَ بِهِ حَقِيْقَةً، وَأَنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ الَّذِيْ أَنْزَلَهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ هُوَ كَلَامُ اللّٰهِ حَقِيْقَةً لَا كَلَامُ غَيْرِهِ وَلَا يَجُوْزُ إِطْلَاقُ الْقَوْلِ بِأَنَّهُ حِكَايَةٌ عَنْ كَلَامِ اللّٰهِ أَوْ عِبَارَةٌ بَلْ إِذَا قَرَأَهُ النَّاسُ أَوْ كَتَبُوْهُ فِي الْمَصَاحِفِ لَمْ يَخْرُجْ بِذٰلِكَ عَنْ أَنْ يَكُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ تَعَالٰى حَقِيْقَةً﴾

﴿فَإِنَّ الْكَلَامَ إِنَّمَا يُضَافُ حَقِيْقَةً إِلٰى مَنْ قَالَهُ مُبْتَدِئًا لَا إِلٰى مَنْ قَالَهُ مُبَلِّغًا مُؤَدِّيًا﴾

''اللہ سبحانہ اور اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانے سے مقصود یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اللہ کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ غیر مخلوق ہے، اللہ ہی سے اس کا آغاز ہے اور اللہ ہی کی جانب اس کا لوٹنا ہے، اور اللہ نے فی الحقیقت قرآن پاک کے ساتھ کلام کیا، اور اللہ نے اس قرآن پاک کو محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ قرآن پاک واقعی اللہ کا کلام ہے اس کے غیر کا کلام نہیں ہے، یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ قرآن پاک اللہ کے کلام کی حکایت یا عبارت ہے بلکہ جب لوگ اس کو پڑھتے ہیں یا مصاحف میں لکھتے ہیں تو وہ بھی اللہ کا واقعی کلام ہے اس لئے کہ حقیقتاً کلام کی نسبت اس کی طرف ہوتی ہے جس نے اس کا آغاز کیا ہو اور اس کو پہنچایا ہو۔''

اور قرآن پاک اللہ کا کلام ہے خواہ اس میں جس طرح تصرف کیا جائے، خواہ اسے مصاحف میں لکھا جائے یا اسے زبان کے ساتھ تلاوت کیا جائے کسی صورت میں بھی اسے کلام اللہ کے وصف سے نہیں نکالا جا سکتا، ظاہر ہے کہ کلام کی نسبت اس متکلم کی طرف ہوتی ہے جس نے کلام پہلے کیا ہے اس متکلم کی جانب نہیں جس نے اس کو پہنچایا۔

﴿وَهُوَ كَلَامُ اللهِ حُرُوْفُهُ وَمَعَانِيهِ لَيْسَ كَلَامَ اللهِ الْحُرُوْفُ دُوْنَ الْمَعَانِيْ وَلَا الْمَعَانِيْ دُوْنَ الْحُرُوْفِ﴾

''پس اس کے حروف اس کے معانی اللہ کا کلام ہیں، یہ درست نہیں کہ حروف کو تو اللہ کا کلام کہا جائے، معانی کو اللہ کا کلام نہ کہا جائے اور یہ بھی درست نہیں کہ معانی کو اللہ کا کلام کہا جائے حروف کو اللہ کا کلام نہ کہا جائے۔''

اور سلف صالحین کے اس قول کہ ''اللہ کے کلام کا اس سے آغاز ہوا اور اللہ ہی کی جانب اس کا لوٹنا ہوگا'' یعنی اللہ نے ابتدا میں اس کے ساتھ کلام کیا اور اس کے علاوہ کسی اور چیز سے اس کا آغاز نہیں ہوا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسکا معنی آغاز کا نہ ہو بلکہ ظاہر کا ہونا ہو مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک نے قرآن پاک کے ساتھ کلام کیا اور کلام کا ظہور اللہ سے ہوا، اللہ کے غیر سے نہیں ہوا، اور کلام جو اللہ کا وصف ہے اسے اللہ کی جانب ہی لوٹنا ہے جبکہ یہ اللہ کا وصف ہے اور اللہ کے ساتھ قائم ہے ایک قول یہ ہے کہ آخر زمانہ میں جبکہ قرآن پاک کو اوراق اور سینوں سے اٹھا لیا جائے گا تو قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائے گا جیسا کہ علامات قیامت کے ضمن میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

اور اس بات پر ایمان لانا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس بات کو شامل ہے کہ دیگر کتابوں پر ایمان لایا جائے جو منزل من اللہ ہیں اس لئے کہ کسی شخص کا ان منزل من اللہ کتابوں پر ایمان تب صحیح قرار دیا جائے گا جبکہ کسی شخص کا ایمان یہ ہو کہ کلام کے الفاظ و معنی کے ساتھ اللہ متکلم ہے، اور یہ سب اللہ کا کلام ہے کسی اور کا کلام نہیں ہے پس اللہ ہی تورات میں عبرانی زبان اور انجیل میں سریانی زبان اور قرآن میں پاک فصیح عربی زبان میں متکلم ہوا۔

ایماندار لوگ جنت میں اپنے پروردگار عزوجل کا دیدار کریں گے اس مضمون کا ذکر پہلے گذر چکا ہے جیسا کہ آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ صریحہ سے اس کی وضاحت ہو رہی ہے اس لئے ہم ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں اس پر دوبارہ کچھ تحریر کیا جائے البتہ یہ قول کہ

﴿وَقَدْ دَخَلَ اَيْضًا فِيمَا ذَكَرْنَا مِنَ الْإِيْمَانِ بِهٖ وَ بِكُتُبِهٖ وَبِمَلَائِكَتِهٖ وَبِرُسُلِهٖ، اَلْإِيْمَانُ بِأَنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ يَرَوْنَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَيَانًا بِأَبْصَارِهِمْ كَمَا يَرَوْنَ الشَّمْسَ صَحْوًا لَيْسَ بِهَا سَحَابٌ وَكَمَا يَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا يُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ يَرَوْنَهٗ سُبْحَانَهٗ وَهُمْ فِيْ عَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ ، ثُمَّ يَرَوْنَهٗ بَعْدَ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ كَمَا يَشَآءُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

''ہم نے گذشتہ اوراق میں جو ذکر کیا ہے کہ اللہ، اس کی کتابوں، اس کے فرشتوں اس کے رسولوں پر ایمان لایا جائے ، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ ایمان دار لوگ قیامت کے دن اللہ کو واضح طور پر اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ جیسا کہ سورج کو بالکل صحیح دیکھتے ہیں جبکہ بادل نہ ہو، اور جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں کہ اس کو دیکھتے وقت ہرگز بھیڑ وغیرہ کی ضرورت پیش نہیں آتی ، کہ لوگ اللہ سبحانہ کو قیامت کے میدان میں دیکھیں گے، پھر جنت میں داخل ہونے کے بعد اللہ پاک کا دیدار کریں جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا ہوگا۔''

﴿وَمِنَ الْإِيْمَانِ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَلْإِيْمَانُ بِكُلِّ مَا أَخْبَرَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ مِمَّا يَكُوْنُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُؤْمِنُوْنَ بِفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَبِعَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيْمِهٖ﴾

﴿فَأَمَّا الْفِتْنَةُ فَإِنَّ النَّاسَ يُمْتَحَنُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ ، فَيُقَالُ لِلرَّجُلِ : مَنْ رَّبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ ؟ فَيُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾

قیامت کے دن ایمان لانے سے مقصود یہ ہے کہ ان تمام باتوں پر ایمان ہو موت

کے بعد جن کے بارے میں نبی ﷺ نے ذکر کیا ہے چنانچہ فتنہ قبر اور قبر میں عذاب ہونے اور قبر میں انعامات الٰہیہ سے ہمکنار ہونے ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ فتنہ قبر یہ ہے کہ قبروں میں لوگوں کا امتحان لیا جائے گا، ہر شخص سے سوال ہوگا تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تو اللہ ان لوگوں کو اس آزمائش میں ثابت قدمی عطا کریگا جو ایمان دار ہوں گے وہ درست جواب دیں گے۔

"ایماندار اللہ سبحانہ کو قیامت کے دن میدان حشر میں دیکھیں گے" سے وہم لاحق ہوتا تھا کہ یہ دیکھنا ایمانداروں کے ساتھ ہی خاص ہے جبکہ صحیح مسلک یہ ہے کہ میدان حشر میں سبھی لوگ جو موجود ہوں گے اللہ کا دیدار کریں گے جبکہ رب تعالی اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے آئیں گے جیسا کہ ارشاد باری ہے

"یہ لوگ پس اس انتظار میں ہیں کہ بادلوں کے سائے میں اللہ ان کے پاس آئے۔" (البقرة ۲۱۰)

خیال رہے کہ میدان حشر کے لئے عربی زبان میں لفظ (عرصات) استعمال ہوا ہے جس کا واحد عرصہ ہے ہر اس جگہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو فراخ ہو اور اس میں کوئی عمارت نہ ہو۔

﴿فَيَقُولُ الْمُؤْمِنُ رَبِّيَ اللّٰهُ وَالْإِسْلَامُ دِيْنِيْ وَ مُحَمَّدٌ ﷺ نَبِيِّيْ، وَأَمَّا الْمُرْتَابُ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهٗ فَيُضْرَبُ بِمَرْزُبَةٍ مِنْ حَدِيْدٍ فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانُ وَلَوْ سَمِعَهَا الْإِنْسَانُ لَصَعِقَ ثُمَّ بَعْدَ هٰذِهِ الْفِتْنَةِ إِمَّا نَعِيْمٌ وَإِمَّا عَذَابٌ إِلٰى أَنْ تَقُوْمَ الْقِيَامَةُ الْكُبْرٰى فَتُعَادُ الْأَرْوَاحُ إِلَى الْأَجْسَادِ﴾

چنانچہ مومن شخص کہے گا کہ میرا رب اللہ ہے اور اسلام میرا دین ہے اور محمد ﷺ میرے نبی ہیں۔ اور وہ شخص جس کا ایمان مشکوک ہوگا وہ جواب دے گا ''ہائے ہائے مجھے کچھ علم نہیں میں نے جو کچھ لوگوں سے سنا اس طرح میں نے بھی کہا'' ایسے شخص کو ہتھوڑے کے ساتھ مارا جائے گا وہ اس قدر زبردست چیخے گا جسے انسان کے علاوہ سبھی سنیں گے، اگر کوئی انسان اس چیخنے کو سن پائے تو بے ہوش ہو جائے گا۔ اس آزمائش اور فتنہ کے بعد یا تو وہ شخص انعامات الٰہیہ میں یا قیامت کبری کے قائم ہونے تک عذاب الٰہی میں مبتلا رہے گا چنانچہ روحوں کو اجسام میں لوٹا دیا جائے گا[1]۔

آخرت کے دن پر ایمان رکھنا ان چھ ارکان میں شامل ہے جن پر ایمان کی عمارت قائم ہے۔ اس بات کے واضح ہونے میں ہرگز شک وشبہ نہیں کہ اللہ سبحانہ کی ذات پر ایمان لانا اس وقت تک کامل ومکمل نہیں ہوسکتا جب تک تمام مسلمان ان تمام غیبی باتوں پر ایمان نہ لائیں جن کے بارے میں نبی ﷺ نے آگاہ کیا ہے کہ ''وہ موت کے طاری ہونے کے بعد ہوں گے'' ان کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ تمام ممکن امور ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آگاہ کیا ہے اور ہر ممکن بات جس کے بارے میں صادق ومصدوق رسول اکرم ﷺ نے اطلاع دی ہے اس کے وقوع پذیر ہونے پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ جس طرح آپ ﷺ نے ہمیں آگاہ کیا ہے، اور یہ

[1] اخرجه البخاري، الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر، ح: ١٣٧٤۔ ومسلم الجنة، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار، ح: ٢٨٦٧.

بات بالکل واضح ہے کہ ان امور کا علم تو بس رسول اکرم ﷺ کے اطلاع دینے کے ساتھ ہے۔

چنانچہ اہل سنت والجماعت گروہ کا ان تمام باتوں پر ایمان ہے۔

جب کہ ملحد اور بد دین قسم کے گروہ اور فلاسفہ، معتزلہ ان ذکر کردہ امور کا انکار کرتے ہیں قبر میں جو سوال وجواب کا مسئلہ ہو یا قبر میں نعمتوں یا عذاب الٰہی سے ہمکنار ہونا ہو اسی طرح پل صراط اور ترازو وغیرہ کے مسائل ہیں چونکہ ان گروہوں کے ہاں عقل ہی بنیادی طور پر فیصلے کرتی ہے، وہ ہر بات کو عقل کی عینک سے دیکھنے کے قائل ہیں عقل کی رہنمائی کے بغیر کسی بات کو تسلیم کرنا ان کے ہاں درست نہیں ہے، چونکہ عقل ان کے مسائل کو ثابت کرنے سے قاصر ہے اس لئے وہ عقل کی حاکمیت کے پیش نظر ان احادیث کا بھی انکار کر دیتے ہیں جن سے ذکر کردہ مسائل ثابت ہوتے ہیں مزید برآں وہ ان احادیث کو آحاد کہتے ہیں جو اعتقادات میں قابل حجت نہیں ہوتیں اور جن آیات قرآنیہ سے ذکر کردہ مسائل ثابت ہوتے ہیں وہ ان کی تاویل کرتے ہوئے انہیں ظاہر معانی سے دور رکھتے ہیں چنانچہ حدیث رسول ﷺ میں فتنہ قبر کی ترکیب کو لفظ "فی" کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں یعنی وہ امتحان جو قبر میں ہوگا فتنے کا لفظ عربی میں سونے یا کسی دوسری دھات کو آگ میں ڈالنے پر بولا جاتا ہے تاکہ اسے اجنبی مادوں سے منقح کیا جائے، اس کے بعد اس کا استعمال امتحان کے معانی میں ہوتا ہے۔

اور قبر میں عذاب اور اللہ سبحانہ کی نعمتوں سے ہمکنار ہونا اس بات کا ثبوت اللہ سبحانہ کے اس ارشاد میں ہے جو آل فرعون کے حق میں وارد ہے کہ

" آل فرعون کو دوزخ پر صبح وشام پیش کیا جاتا ہے۔" (المؤمن: ٤٦)

نیز اللہ سبحانہ کا قول نوح علیہ السلام کے بارے میں وارد ہے کہ

"وہ اپنی غلطیوں کی وجہ سے غرق کیے گئے تو انہیں آگ میں داخل کیا گیا۔" (نوح: ٤٦)

نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ

" قبر تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔" [1]

---

[1] اسناده ضعیف، اخرجه الترمذی، صفة القيامة، تحت باب ماجاء في صفة دائم الحوض، ح:٢٥٧٨ـ ضعفه الالبانی فی ضعیف الجامع: ١٢٣١ـ والارناووط فی جامع الاصول: ٨٦٩٦.

﴿وَتَقُوْمُ الْقِيَامَةُ الَّتِيْ أَخْبَرَ اللّٰهُ بِهَا فِيْ كِتَابِهٖ وَعَلٰى لِسَانِ رَسُوْلِهٖ وَأَجْمَعَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُوْنَ۔ فَيَقُوْمُ النَّاسُ مِنْ قُبُوْرِهِمْ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا وَتَدْنُوْ مِنْهُمُ الشَّمْسُ وَيُلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ فَتُنْصَبُ الْمَوَازِيْنُ فَتُوْزَنُ بِهَا أَعْمَالُ الْعِبَادِ﴾

''اور قیامت قائم ہوگی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے اور اپنے رسول ﷺ کی زبان سے اس کی خبر دی ہے نیز اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، چنانچہ لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور رب العالمین کی بارگاہ میں ننگے پاؤں ننگے بدن بلا ختنہ کے اٹھیں گے سورج ان کے قریب ہوگا پسینہ ان کے منہ تک ہوگا، اور ترازو کھڑے کیے جائیں گے ان کے ذریعہ ان کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔''

حدیث میں لفظ المرزبہ وارد ہوا تھا جس کا معنی بھاری ہتھوڑا ہے، اسے عربی میں ارزبہ بھی کہا جاتا ہے یعنی ہمزہ اور باء مشددہ کے ساتھ۔

قیامت سے مقصود قیامت کبریٰ کا وقوع پذیر ہونا ہے اس سے مقصود قیامت صغریٰ نہیں ہے اس لئے کہ جب کسی شخص پر موت طاری ہوتی ہے تو اس پر قیامت صغریٰ واقع ہو جاتی ہے حدیث شریف میں ہے۔ ''جو شخص فوت ہو گیا اس پر قیامت واقع ہو گئی۔''[1]

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ عزوجل جب اس دنیا کے اختتام کا فیصلہ فرمائیں گے تو اسرائیل علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ وہ صور میں پہلی بار پھونک مارے اس سے آسمانوں اور زمین میں جو مخلوق ہوگی سب بے ہوش ہو جائے گی، سوائے ان کے جن کے بارے میں اللہ کی مشیت بے ہوش ہونے کی نہ ہو اور زمین چٹیل میدان بن جائے گی جس سے کوئی انگوری نمودار نہ ہوگی اور پہاڑ ریت کے ٹیلے بن جائیں گے جو گرنے والے ہوں گے، اور وہ تمام واقعات رونما ہوں گے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں خبر دی ہے۔ بالخصوص جن کا تذکرہ سورہ تکویر اور سورہ انفطار میں ہے دنیا کے دنوں میں سے یہ آخری دن ہوگا، پھر اللہ سبحانہ آسمان کو حکم دے گا کہ وہ چالیس روز تک۔

[1] ضعیف، السلسلة الضعیفة: ١١٦٦۔ وایضا ضعفه العراقي في تخريج الاحياء: ٤/ ٦٤.

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ ۝ وَتُنْشَرُ الدَّوَاوِيْنُ وَهِيَ صَحَائِفُ الْأَعْمَالِ ، فَآخِذٌ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ وَآخِذٌ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ أَوْمِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ﴾

''جن کے ترازو بوجھل ہوں گے وہ کامیاب ہوں گے اور جن کے ترازو ہلکے ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو خسارے میں رکھا ہوگا اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اعمال نامے ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے، کچھ وہ لوگ ہوں گے جن کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ہوں گے اور کچھ اعمال نامے بائیں ہاتھ میں ہوں گے یا انہیں کمر کے پیچھے سے پکڑا دیا جائے گا۔''

﴿كَمَا قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ (وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِيْ عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝﴾ (الاسراء: ۳۱)

جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں ''اور ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا اور ہم اس کو قیامت کے دن اس کا عمل نامہ پکڑائیں گے جو اس کے سامنے پھیلا دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ تو اپنا اعمال نامہ پڑھ لے خود تیرا وجود ہی آج کے دن تیرے خلاف محاسبہ کرنے کے لحاظ سے کافی ہے۔''

مردوں کے مادہ منویہ کی بارش برسائے تو اس سے لوگ اپنی کمر کے آخری مہرے کی ہڈی سے اپنی قبروں سے نمودار ہوں گے۔

ذہن نشین کرلیں کہ انسان کا مکمل ڈھانچہ سوائے ریڑھ کی ہڈی کے کنارے کے ریزہ ریزہ اور بوسیدہ ہو جائے گا لیکن جب ان کی تخلیق اور ترکیب تکمیل پذیر ہوگئی تو اللہ سبحانہ اسرافیل علیہ

السلام کو حکم دیں گے کہ وہ صور میں دوسری بار پھونک مارے تو لوگ اپنی قبروں سے زندہ اٹھیں گے تو اس وقت کفار اور منافق قسم کے لوگ کہیں گے۔ ہائے افسوس ہمیں کس نے ہماری قبروں سے اٹھالیا ہے۔

''یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ نے وعدہ فرمایا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا۔'' (یٰسٓ: ۵۲)

نیز اس مضمون کی تائید ذیل کی آیت سے بھی ہو رہی ہے کہ

''وہ لوگ جو علم اور ایمان عطا کئے گئے ہوں گے وہ کہیں گے۔''

پھر فرشتے انہیں میدان حشر میں جمع کریں گے پاؤں میں جوتے نہ ہوں گے بدن پر لباس نہ ہوگا سب بلا ختنہ کے ہوں گے، قیامت کے دن سب سے پہلے جناب ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا[1] جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے، اور وہاں میدان حشر میں سورج لوگوں کے سر کے قریب ہوگا اور پسینہ ان کے منہ تک کو ڈھانپ رہا ہوگا، کچھ وہ لوگ ہوں گے جن کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا اور بعض کا گھٹنوں تک، اور کچھ کا پستانوں تک ہوگا، جبکہ بعض کا پسینہ ہنس کی ہڈی تک ہوگا گویا اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا، لیکن کچھ لوگ اللہ کے سائے میں ہوں گے جب ان کا معاملہ شدید ہو جائے گا اور غم والم عظیم دکھائی دے گا۔

تو وہ بارگاہ الٰہی میں رسولوں اور انبیاء علیہم السلام کو سفارش کے لئے لے جائیں گے کہ اللہ ان کو اس حالت سے نجات عطا کرے، لیکن ہر پیغمبر اپنے سے بعد میں آنے والے پیغمبر کے حوالے کرے گا یہاں تک کہ وہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے آپ فرمائیں گے! مجھے سفارش کا استحقاق حاصل ہے چنانچہ ان کے بارے میں آپ کی سفارش قبول ہوگی تو سب لوگ فیصلے کی جگہ کی جانب چلے جائیں گے وہاں ترازو قائم ہوں گے جن کے ساتھ لوگوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا خیال رہے کہ ترازو حقیقی ہوں گے ہر ترازو کی ایک ڈنڈی اور دو پلڑے ہوں گے اور اللہ سبحانہ بندوں کے اعمال کو تبدیل فرمائے گا، (پہلے وہ اعراض تھے) اب انہیں اجسام کی شکل

---

[1] اخرجه البخاري، الرقاق، باب كيف الحشر، ح: ٦٥٢٦.

دی جائے گی جن کا بوجھ ہوگا چنانچہ اعمال صالحہ ایک پلڑے میں اور برے اعمال دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

''اور ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو کھڑا کریں گے کسی شخص پر کچھ ظلم نہ ہوگا اگر رائی کے وزن کے برابر عمل ہوگا تو ہم اسے لائیں گے اور ہم درست حساب کرنے والے ہیں۔'' (الانبیاء: ٤٧)

اس کے بعد اعمال کے صحیفوں کو تقسیم کیا جائے گا لیکن جس شخص کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ پکڑا دیا گیا اس کا حساب آسان ہوگا اور وہ اپنے گھر کی جانب خوش وخرم لوٹے گا لیکن جس شخص کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں یا اس کی کمر کے پیچھے سے دیا گیا تو وہ ہلاکت کو دعوت دے گا اور دوزخ میں داخل ہوگا اور وہ کہے گا کہ:

''اے کاش مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور مجھے علم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے:

''اعمال نامے رکھیں جائیں گے آپ دیکھیں گے مجرم لوگ اپنے اعمال ناموں سے ڈریں گے اور وہ کہیں گے ہائے افسوس! وہ کہیں گے کہ یہ کیسا اعمال نامہ ہے اس نے چھوٹے بڑے کام کو نہیں چھوڑا ہے سب کو شمار کر دیا ہے اور وہ اپنے اعمال کو موجود پائیں گے تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔'' (الکھف: ٤٩)

لیکن اللہ سبحانہ کا ارشاد:

''ہم ہر شخص کے اعمال نامے کو اس کی گردن میں لازم کر دیں گے۔''

امام راغب رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ (طائر) سے مقصود ہر انسان کا عمل ہے جو بھی اس سے صادر ہوا خواہ وہ عمل اچھا ہے یا غلط ہے لیکن اس سے ظاہر ہے کہ لفظ (طائر) سے مراد اس جگہ اس کا دنیا کا حصہ ہے اور جو اس کے لئے صحیفہ میں اس کا رزق اور اس کا عمل لکھا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے اعمال کا حصہ پہنچے گا'' (الاعراف: ٣٧)

﴿وَيُحَاسِبُ اللهُ الْخَلَائِقَ وَ يَخْلُو بِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ فَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ كَمَا وُصِفَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَأَمَّا الْكُفَّارُ فَلَا يُحَاسَبُوا مُحَاسَبَةَ مَنْ تُوزَنُ حَسَنَاتُهُ وَسَيِّئَاتُهُ فَإِنَّهُ لَا حَسَنَاتَ لَهُمْ وَلٰكِنْ تُعَدُّ أَعْمَالُهُمْ فَتُحْصٰى فَيُوقَفُونَ عَلَيْهَا وَيُقَرَّرُونَ بِهَا﴾

''اور اللہ سبحانہ اپنی مخلوق کا محاسبہ فرمائے گا اور اپنے مومن بندے کے ساتھ تنہائی کرے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا، کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں اس کا ذکر موجود ہے، البتہ کفار کا محاسبہ ان لوگوں جیسا نہیں ہوگا جن کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جائے گا ظاہر ہے کہ کفار کے نامۂ اعمال میں نیکیاں تو موجود ہی نہیں ہیں البتہ ان کے اعمال کو شمار کیا جائے گا پھر انہیں ان کے اعمال کے مطابق کھڑا کیا جائے گا۔''

یعنی اس کے اعمال نامہ میں جو تحریر کیا گیا ہے۔ محاسبہ سے مقصود انہیں خبر دینا ہے جو انہوں نے اچھے یا برے اعمال کیے ہیں اللہ نے ان کے اعمال کا احصاء کر لیا ہے لیکن انہوں نے انہیں فراموش کر دیا گیا ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''پھر ان کا ان کے پروردگار کی جانب لوٹنا ہے وہ انہیں ان کے اعمال کے بارے میں مطلع کرے گا۔''

صحیح حدیث میں ہے:

''جس شخص سے محاسبہ میں کرید کی گئی وہ تباہ و برباد ہو گیا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد الٰہی نہیں ہے؟ کہ عنقریب ان کا حساب آسان لیا جائے گا۔'' (الانشقاق: ۸)

آپ نے فرمایا:

''اس سے مراد صرف حساب پیش کرنا ہے البتہ جس شخص سے کرید کی گئی وہ تو برباد

ہو جائے گا۔“ ❶

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

”اللہ اپنے بندے کے ساتھ خلوت میں اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔“

بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں وارد ہے کہ:

”اللہ عزوجل اپنے مومن بندے کو اپنے قریب کرے گا اس پر اپنا پہلو رکھ کر اس کا محاسبہ کرے گا لیکن یہ محاسبہ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہوگا اللہ اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا، اللہ دریافت کرے گا! کیا تو نے فلاں فلاں دن فلاں عمل نہیں کیا تھا، یہاں تک کہ جب اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرا لیا جائے گا اور اس شخص کو یقین حاصل ہو جائے گا کہ اب وہ تباہ و برباد ہو گیا تو اللہ سبحانہ اس سے کہے گا! میں نے اس گناہ کا دنیا میں تجھ پر پردہ کیا اور آج میں تجھے معاف کرتا ہوں ❷۔ اور کفار کے پاس اعمال حسنہ نہ ہوں گے۔“

”اور کفار نے جو اعمال کیئے ہوں گے ہم انہیں ریت کے ذرات کی مانند اڑتے ہوئے بنا دیں گے۔“ (الفرقان: ۲۳)

نیز ارشاد الٰہی ہے:

”ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے پروردگار کو تسلیم نہ کیا خاکستر کی سی ہے جس کو ہوا تیز گرم لو والے دن میں تیزی سے لے جاتی ہے دن اعمال کے بدلہ میں کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے۔“ (ابراھیم: ۱۸)

صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد اعمال صالحہ ہیں جو کافر انسان کرتا ہے ان کا اسے صرف دنیا ہی میں بدلہ دیا جاتا ہے اور جب قیامت کے دن آئے گا تو اپنی نیکیوں کے اعمال نامہ کو خالی پائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ کفر کے علاوہ دیگر گناہوں کے عذاب میں اس سے تخفیف کی جائے گی۔

❶ اخرجه البخاری، العلم باب من سمع شیا فراجع فی بعرفه، ح: ۱۰۱ و ۴۹۳۹ و ۶۵۴۶ و ۶۵۳۷۔ ومسلم الجنة، باب اثبات الحساب، ح: ۲۸۷۶.

❷ اخرجه البخاری، الظالم و الغصب، باب قول الله تعالی الا لعنة الله علی الظالمین، ح: ۲۴۴۱ و ۴۶۸۵ و ۶۰۷۰ و ۷۵۱۴۔ ومسلم التوبة، باب قبول توبة القاتل وان کثر قتله، ح: ۲۷۶۸.

﴿وَفِي عَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ الْحَوْضُ الْمَوْرُوْدُ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاؤُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ، اٰنِيَتُهُ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَآءِ طُوْلُهُ شَهْرٌ وَعَرْضُهُ شَهْرٌ مَنْ يَشْرَبْ مِنْهُ شُرْبَةً لَا يَظْمَأُ بَعْدَهَا أَبَدًا﴾

''میدان حشر میں نبی ﷺ کے لیے حوض کوثر رکھا جائے گا جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا اس کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہوگی ، اس کا طول ایک ماہ کی مسافت کے برابر اور اس کی چوڑائی بھی ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے جو شخص اس سے ایک بار پی لے گا وہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔'' [1]

حوض کوثر کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں وہ تواتر کی حد تک ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس روایت کو کچھ اور تیس صحابہ نے روایت کیا ہے پس جو شخص اس حدیث کا انکار کرے گا وہ اس لائق ہے کہ اس کو حوض کوثر پر وارد ہونے سے روک دیا جائے جس دن سخت پیاس کا سامنا ہوگا۔

اور متعدد احادیث میں ذکر ہے کہ ''ہر پیغمبر کے لئے حوض ہوگا جب کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کا حوض تمام پیغمبروں کے حوض سے بڑا اور زیادہ شیریں ہوگا اور سب سے زیادہ لوگ اس حوض پر وارد ہونیوالے ہوں گے [2] اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ساتھ ہمیں ان سے بنائے ۔ (آمین)

---

[1] اخرجه البخاري، الرقاق، باب في الحوض، ح: ٦٥٧٩۔ ومسلم الفضائل، باب اثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، ح: ٢٢٩٢.

[2] اخرجه البخاري، الرقاق، باب في الحوض، ح: ٦٥٧٩و ٦٥٨٠.

﴿وَالصِّرَاطُ مَنْصُوْبٌ عَلٰى مَتْنِ جَهَنَّمَ وَهُوَ الْجِسْرُ الَّذِيْ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ يَمُرُّ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمُرُّ كَلَمْحِ الْبَصَرِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ كَالْبَرْقِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ كَالرِّيْحِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ كَالْفَرَسِ الْجَوَادِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ كَرِكَابِ الْاِبِلِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَّعْدُوْ عَدْوًا، وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمْشِيْ مَشْيًا وَمِنْهُمْ مَنْ يَّزْحَفُ زَحْفًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُّخْطَفُ خَطْفًا وَيُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ﴾

''اور پل صراط دوزخ کے اوپر رکھی ہوئی ہے پل صراط دراصل ایک پل ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہے لوگ اپنے اعمال کے مطابق اس پر سے گزریں گے کچھ لوگ آنکھ کے جھپکنے کے برابر وقت میں گزر جائیں گے اور کچھ لوگ بجلی کی رفتار سے، کچھ لوگ تیز آندھی اور کچھ لوگ عمدہ گھوڑے کی مانند اور کچھ لوگ اونٹ سوار کی مانند اور کچھ لوگ دوڑتے ہوئے، کچھ لوگ عام رفتار کے مطابق چلتے ہوئے اور کچھ لوگ گھسیٹتے ہوئے جبکہ کچھ لوگوں کو اٹھا کر دوزخ میں گرایا جائے گا۔

لفظ صراط کا معنی کھلا راستہ ہے اس کا نام صراط اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ اس پر چلنے والوں کو نگل لیتا ہے، جبکہ کبھی اس کا اطلاق اس راستے پر بھی ہوتا ہے جو معنوی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور یہ میرا راستہ سیدھا ہے تم نے اس راستے پر چلنا ہوگا۔'' (الانعام: ۱۵۳)

﴿فَإِنَّ الْجِسْرَ عَلَيْهِ كَلَالِيبُ تَخْطِفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ فَمَنْ مَرَّ عَلَى الصِّرَاطِ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَإِذَا عَبَرُوا عَلَيْهِ وَقَفُوا عَلَى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ، فَيَقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ ، فَإِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا أُذِنَ لَهُمْ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ﴾

''اس لئے کہ پل صراط پر کچھ کنڈیاں لٹکی ہوں گی جو لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گیں۔ پس جو شخص پل صراط عبور کر لے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، جب پل صراط عبور کر رہے ہوں گے تو جنت، دوزخ کے درمیان ایک پل پر انہیں روکا جائے گا تا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بدلہ دلوایا جائے، جب وہ ہر قسم کے معاملات سے پاک ہو جائیں گے تو پھر انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔''

لیکن قیامت کے دن کی پل صراط دراصل وہ پل ہے کہ جسے جنت دوزخ کے درمیان جہنم پر پھیلا دیا گیا ہے پل صراط پر ایمان لانا حق ہے اس میں ذرا برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اس کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان کے صحیح ہونے میں ذرا بھر شک نہیں ہے اور جو شخص اللہ کے راستے پر سیدھا چلتا رہا یعنی دنیا میں دین اسلام پر عمل پیرا رہا تو وہ آخرت میں پل صراط پر بھی درست طور پر چل سکے گا۔

پل صراط کے بارے میں ایک حدیث میں وضاحت ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔

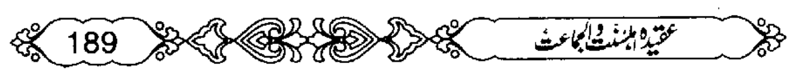
﴿وَأَوَّلُ مَنْ يَسْتَفْتِحُ بَابَ الْجَنَّةِ مُحَمَّدٌ ﷺ ، وَأَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنَ الْأُمَمِ أُمَّتُهُ ، وَلَهُ ﷺ فِي الْقِيَامَةِ ثَلَاثُ شَفَاعَاتٍ: أَمَّا الشَّفَاعَةُ الْأُولَى فَيَشْفَعُ فِي أَهْلِ الْمَوْقِفِ حَتَّى يُقْضَى بَيْنَهُمْ بَعْدَ أَنْ يَتَرَاجَعَ الْأَنْبِيَاءُ آدَمُ وَنُوحٌ وَ إِبْرَاهِيمُ وَمُوسَى وَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ عَنِ الشَّفَاعَةِ حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَيْهِ﴾

''سب مخلوق سے پہلے محمد ﷺ جنت کے دروازے پر دستک دیں گے، اور دیگر تمام امتوں سے پہلے آپ کی امت جنت میں داخل ہوگی، قیامت کے دن نبی ﷺ تین قسم کے لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ پہلی شفاعت تو ان لوگوں کے بارے میں ہوگی جو میدان حشر میں کھڑے ہوں گے تاکہ اللہ سبحانہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے جب کہ آپ سے دیگر تمام انبیاء آدم ،نوح ،ابراہیم ،موسیٰ ،عیسیٰ بن مریم علیہم السلام شفاعت کرنے سے انکار کردیں گے تو آپ شفاعت فرمائیں گے۔''

پہلے وہ شخص جو جنت کا کنڈا کھٹکھٹائیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے تو آپ کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا'' قیامت کے روز میں آدم کی اولاد میں سردار ہوں گا اس میں کچھ فخر نہیں ہے، اور میں ہی پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی پہلے قبر پھٹے گی اور اس میں کچھ فخر نہیں ہے اور میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو جنت کا کنڈا کھٹکھٹائے گا تو میں جنت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ جنت میں میری امت کے فقیر بے نوا لوگ داخل ہوں گے [1] لیکن اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور پیغمبروں کے داخل ہونے کے بعد داخل ہوں گے۔

بہرحال امت محمدیہ میں سے پہلے میری امت کے فقیر بے نوا لوگ داخل ہوں گے۔

قیامت کے دن نبی ﷺ تین شفاعتیں فرمائیں گے۔ خیال رہے شفاعت عربی زبان کا لفظ



ہے جس کا معنی ملانا ہوتا ہے، اور شفاعت کرنے والے کو شافع اس لئے کہا جاتا ہے کہ شفاعت کرنے والا اپنی درخواست اور اپنی امید کو اس شخص کی درخواست کے ساتھ ملاتا ہے جس کے لئے وہ سفارش کر رہا ہے۔

شفاعت کا ثبوت کتاب وسنت میں وارد ہے اور شفاعت کے اثبات کی احادیث متواتر ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''اللہ پاک کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا۔''

(البقرة: ٢٥٥)

چنانچہ اجازت کے ساتھ شفاعت کے اثبات کے بعد اس شفاعت کی نفی کی ہے جو بلا اجازت ہو چنانچہ فرشتوں کی شفاعت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں کہ ان کی شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی البتہ اس وقت فائدہ دے گی جب اللہ پاک جس کیلئے چاہیں گے اس کی اجازت دیں گے۔'' (النجم: ٢٦)

پس اللہ پاک نے واضح کر دیا ہے کہ صحیح شفاعت تو اللہ پاک کی اجازت کے ساتھ ہوگی اور اس شخص کے لئے ہوگی جس کے قول اور عمل کو اللہ پسند کرے گا۔

اور وہ دلائل جن کی بناء پر خوارج اور معتزلہ شفاعت کی نفی کرتے ہیں اللہ پاک کا قول ہے کہ:

''دوزخیوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی۔''

نیز اللہ پاک کا قول ہے کہ:

''دوزخیوں سے بدلہ قبول نہ ہوگا اور نہ انہیں شفاعت فائدہ دے گی نیز دوزخی اعتراف کریں گے کہ ہمارا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔''

(البقرة: ١٢٣)

---

❶ اسناده ضعيف، اخرجه الترمذي المناقب عن رسول اللّٰه باب في فضل النبي ﷺ، ح: ٣٦١٦.

لیکن ذکر کردہ آیات میں جس شفاعت کی نفی کی ہے وہ شرک کرنے والوں کی شفاعت کی نفی ہے۔ اس طرح اس شفاعت کی نفی ہے جس کو مشرکین اپنے معبودوں کے لئے ثابت کرتے ہیں اور عیسائی مسیح علیہ السلام اور پادریوں کے لئے ثابت کرتے ہیں یہ وہ شفاعت ہے جو اللہ کی اجازت اور رضا کے بغیر ہے۔

اور پہلی شفاعت سے مراد شفاعت عظمیٰ ہے جو میدان حشر میں تمام انسانوں کے لئے ہوگی تاکہ ان کے درمیان فیصلے کا آغاز ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام محمود میں فرمائیں گے اور مقام محمود وہ مقام ہے کہ اس مقام کے سبب تمام پیغمبر آپ پر رشک کریں گے لیکن اللہ پاک نے آپ علیہ السلام کے ساتھ اس کا وعدہ فرمایا ہے۔

ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں:

''آپ کا پروردگار آپ کو ضرور مقام محمود میں بھیجے گا۔'' (الاسراء:۷۹)

یعنی ایسا مقام ہے کہ حشر کے میدان میں جو لوگ جمع ہوں گے وہ تمام مقام محمود میں آپ کے تشریف لانے کے سبب آپ کی حمد وثناء کریں گے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اذان کے کلمات سننے کے بعد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد ذیل کے کلمات کے ساتھ دعا کریں۔ جن کا مفہوم یہ ہے

''اے اللہ اس کامل ومکمل دعوت اور قائم کی جانے والی نماز کے رب آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرمائیں اور آپ کو اس مقام محمود میں بھیج جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔''[1]

[1] اخرجه البخاری، الاذان، باب الدعاء، عند النداء، ح: ٦١٤.

﴿وَأَمَّا الشَّفَاعَةُ الثَّانِيَةُ فَيَشْفَعُ فِيْ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَنْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَهَاتَانِ الشَّفَاعَتَانِ خَاصَّتَانِ لَهُ وَأَمَّا الشَّفَاعَةُ الثَّالِثَةُ فَيَشْفَعُ فِيمَنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَهٰذِهِ الشَّفَاعَةُ لَهُ وَلِسَائِرِ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَغَيْرِهِمْ فَيَشْفَعُ فِيمَنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ أَنْ لَّا يَدْخُلَهَا وَيَشْفَعُ فِيمَنْ دَخَلَهَا أَنْ يَّخْرُجَ مِنْهَا۔﴾

اور آپ کی دوسری شفاعت سے وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو جنت میں داخل ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں، خیال رہے کہ یہ دونوں شفاعتیں آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں لیکن تیسری شفاعت ان لوگوں کے بارے میں ہوگی جو دوزخ میں داخل ہونے کا استحقاق رکھتے ہوں گے، اس شفاعت کا اعزاز آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام صدیقین اور دیگر اہل اسلام کو بھی حاصل ہوگا، وہ ان لوگوں کے بارے میں سفارش کریں گے جو دوزخ میں داخل ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں لیکن سفارش کے سبب انہیں دوزخ میں نہیں گرایا جائے گا جو دوزخ میں گرا دیے گئے ہوں گے لیکن ان کی سفارش سے انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔''

اور دوسری شفاعت ان لوگوں کے بارے میں ہوگی جنہیں جنت میں داخل ہونا ہوگا جنہیں جنت میں داخل ہونے کا استحقاق حاصل ہوگا البتہ انہیں آپ کی شفاعت کے بعد جنت میں داخل کیا جائے گا[1] اور یہ دونوں شفاعتیں یعنی میدان حشر میں جمع لوگوں کے لئے سفارش اور جنت میں داخل کئے جانے والوں کے لئے سفارش آپ کی خصوصیت ہے، ان دونوں کے ساتھ ایک تیسری سفارش بھی ہوگی کہ آپ کی سفارش سے بعض دوزخیوں کے عذاب میں تخفیف رونما ہوگی جیسا کہ آپ کی سفارش سے آپ کے چچا کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور وہ ٹخنے کے برابر آگ میں رہے گا جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کا ذکر ہے[2]۔

---

[1] اخرجه مسلم، الايمان، باب ادنى اهل الجنة منزلة فيها، ح: ٣١٦.

[2] اخرجه البخاری، مناقب الانصار، باب قصة الى طالب، ح: ٣٨٨٣ ومسلم، الايمان، باب شفاعة النبیّ لابی طالب والتخفيف عنه بسببه، ح: ٣٥٧.

﴿وَيُخْرِجُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ أَقْوَامًا بِغَيْرِ شَفَاعَةٍ بَلْ بِفَضْلِهِ وَرَحْمَتِهِ وَيَبْقَى فِي الْجَنَّةِ فَضْلٌ عَمَّنْ دَخَلَهَا مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا فَيُنْشِئُ اللّٰهُ لَهَا أَقْوَامًا فَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ﴾

''جب کہ کچھ لوگوں کو اللہ سبحانہ بلا سفارش اپنے فضل و رحمت کے ساتھ دوزخ سے نکالیں گے اور جنت میں داخل فرمائیں گے، لیکن جنت میں ابھی وسعت ہو گی جب کہ دنیا کے لوگوں کو ان میں داخل کر دیا گیا ہوگا، تو پھر اللہ سبحانہ جنت کو بھرنے کے لئے کچھ لوگوں کو پیدا فرمائے گا اور انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔''

جب کہ تیسری شفاعت ان لوگوں کے لئے ہوگی جو دوزخ میں داخل ہونے کے حق دار ہوں گے۔ لیکن خوارج اور معتزلہ اس سفارش کا انکار کرتے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ جو دوزخ کا حق دار ہے وہ لازمی طور پر دوزخ میں داخل ہوگا اور جو شخص دوزخ میں داخل ہو گیا وہ شفاعت وغیرہ کے ساتھ دوزخ سے نہیں نکل سکے گا لیکن احادیث مشہورہ، متواترہ ان کے اس نظریہ کا رد کر رہی ہیں اور ان کے نظریہ کو باطل قرار دے رہی ہیں [1]۔

سمجھ لیجیے اچھے اور برے اعمال پر جزا کا قانون جیسا کہ نقلی دلائل سے ثابت ہے اللہ پاک نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر انسانوں کی عقل و دانش کو اس طرف متنبہ کیا ہے۔

---

[1] اخرجه البخاری، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، ح: ٦٥٥٨ و ٦٥٥٩.

﴿وَأَصْنَافُ مَا تَضَمَّنَتْهُ الدَّارُ الْآخِرَةُ مِنَ الْحِسَابِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَتَفَاصِيلُ ذٰلِكَ مَذْكُوْرَةٌ فِي الْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ مِنَ السَّمَآءِ وَالْآثَارِ مِنَ الْعِلْمِ الْمَأْثُوْرِ عَنِ الْأَنْبِيَآءِ وَفِي الْعِلْمِ الْمَوْرُوْثِ عَنْ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ ذٰلِكَ مَا يَشْفِيْ وَيَكْفِيْ فَمَنِ ابْتَغَاهُ وَجَدَهُ﴾

''عالم آخرت جن مسائل کو متضمن ہے یعنی اعمال کا حساب جزا، سزا اور جنت، دوزخ ان سب کی تفصیل ان کتابوں میں موجود ہے جو آسمان سے نازل کی گئی ہیں اور ان کے بارے میں آثار اس علم میں موجود ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے منقول ہیں، نیز اس علم میں جو محمد ﷺ سے منقول ہے ایسی وضاحت ہے جس سے شفاء ہوتی ہے اور کفایت حاصل ہوتی ہے جو شخص ان مسائل کے حق کا متلاشی ہے اسے ان کی وضاحت حاصل ہوگی۔''

ارشاد ربانی ہے:

''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔'' (المومنون: ۱۱۵)

نیز فرمایا:

''کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے بے کار بنایا گیا ہے۔'' (القیامہ: ۳۶)

بلاشبہ اللہ حکیم کی حکمت کے لئے لائق نہیں کہ لوگوں کو بے کار غافل بنا دیا جائے، نہ انہیں کسی کام کا حکم دیا جائے، نہ انہیں کسی کام سے روکا جائے، نہ انہیں اچھے اعمال پر بدلہ دیا جائے، اور نہ برے اعمال پر سزا دی جائے جیسا کہ اللہ کے عدل اور حکمت کے لائق نہیں ہے کہ مومن، کافر، نیکوکار اور بدکار کے درمیان برابری نہ کی جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

''کیا ہم ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو زمین پر فساد انگیزی کرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدمعاشوں

﴿((وَتُؤْمِنُ الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ وَالْإِيْمَانُ بِالْقَدْرِ عَلٰى دَرَجَتَيْنِ كُلُّ دَرَجَةٍ تَتَضَمَّنُ شَيْئَيْنِ﴾

''اہل سنت والجماعت گروہ جو نجات پانے والا ہے ان کا تقدیر پر ایمان ہے خواہ تقدیر بہتر ہو خواہ تقدیر بری ہو اور تقدیر پر ایمان لانے کے دو درجات ہیں ہر درجہ دو چیزوں کو متضمن ہے۔''

جیسا بنا دیں گے۔'' (ص: ۸۲)

بلاشبہ عقل سلیم اس کا شدت سے انکار کرتی ہے اسی طرح اللہ نے انسانوں کو خبردار کیا ہے جب کہ دنیا میں مختلف واقعات سے انہیں متنبہ کیا ہے کہ اطاعت کرنے والوں کو عزت و اکرام سے نوازا ہے، اور سرکشوں کو ذلیل و خوار کیا ہے، جزا و سزا کی تفصیلات اور جس جزا اور سزا کے عمل کو دکھایا گیا ہے ان کا ادراک تو نقلی دلائل سے ہو رہا ہے اور وہ پیغمبر جو معصوم ہیں جو اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے ہیں ان پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں اور سلام ہو ان سے جو صحیح باتیں منقول ہیں ان سے وضاحت ہو سکتی ہے۔

اچھی بری تقدیر سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے اس پر ایمان لانا چھ ارکان میں سے ایک ہے جن پر ایمان کا دارومدار ہے جیسا کہ اس پر حدیث جبریل اور دیگر احادیث دال ہیں اور جیسا کہ اس پر اللہ عزوجل کی کتاب کی واضح آیات دلالت کر رہی ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ نے یہاں ذکر کیا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانے کے دو درجات ہیں اور ان میں سے ہر درجہ دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ پہلا درجہ اس بات کو متضمن ہے کہ اللہ کے علم پر ایمان رکھا جائے کہ وہ قدیم ہے وہ تمام اشیاء کا احاطہ کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم قدیم کے ساتھ معلوم ہے (وہ علم قدیم جس کے ساتھ اللہ ازل سے اور ہمیشہ ہمیشہ موصوف ہے) کہ مستقبل میں مخلوق کیا کام کرے گی اور اسے ان کے تمام احوال کا علم ہے خواہ وہ فرماں برادری کے ہیں یا نافرمانی کے ہیں خواہ مخلوق کی روزی ہے یا ان کی اجل، پس وہ تمام چیزیں جو اعیان اور اوصاف ہیں اور جو افعال اور واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں تو وہ اللہ کے علم کے مطابق ہیں جو علم اللہ کو ازل سے ہے۔

﴿فَالدَّرَجَةُ الْأُوْلٰى الْإِيْمَانَ بِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلِيْمٌ بِالْخَلْقِ وَهُمْ عَامِلُوْنَ بِعِلْمِهِ الْقَدِيْمِ الَّذِيْ هُوَ مَوْصُوْفٌ بِهِ أَزَلًا وَأَبَدًا وَعِلْمِ جَمِيْعَ أَحْوَالِهِمْ مِّنَ الطَّاعَاتِ وَالْمَعَاصِيْ وَالْأَرْزَاقِ وَالْآجَالِ ثُمَّ كَتَبَ اللّٰهُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مَقَادِيْرَ الْخَلْقِ﴾

''پہلا درجہ اس بات پر ایمان لانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کا علم ہے اور مخلوقات اللہ تعالیٰ کے قدیم علم کے مطابق کرنے والے ہیں جس علم کے ساتھ اللہ ازل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موصوف ہے اور مخلوق کے تمام احوال کا اس کو علم ہے احوال سے مقصود فرمابرداری کرنا نافرمانی کرنا نیز رزق اور اجل ہے اس کے بعد اللہ نے لوح محفوظ میں تمام کائنات کی تقدیر کو ثبت فرمادیا ہے۔''

دوسری اس بات کو بھی متضمن ہے کہ اللہ سبحانہ نے ان تمام باتوں کو تحریر کر دیا ہے اور انہیں لوح محفوظ میں ثبت فرمادیا ہے، پس جن چیزوں کے معرض وجود میں آنے اور ان کے وقوع کا علم مخلوق کی تقدیر اور ان موجودات کی اقسام سے اور ان کے تابع احوال، اوصاف، افعال، چھوٹے امور، بڑے امور ان تمام کے تحریر کرنے کا حکم اللہ نے قلم کو دیا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر کو آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تحریر فرمادیا تھا اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا[1] اور جیسا کہ اس حدیث میں ذکر ہے جس کو مؤلف نے ذکر کیا ہے۔

[1] اخرجه مسلم، القدر، باب حجاج ادم وموسى، ح: ٢٦٥٣.

﴿فَأَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ قَالَ لَهُ اُكْتُبْ قَالَ مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ اُكْتُبْ مَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَمَا أَصَابَ الْإِنْسَانَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ وَمَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ جُفَّتِ الْأَقْلَامُ وَطُوِيَتِ الصُّحُفُ كَمَا قَالَ تَعَالٰى (أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابٍ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ٥)﴾ (الحج:۷۰)

”چنانچہ سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اس سے کہا کہ تو تحریر کر! اس نے سوال کیا کہ میں کیا لکھوں؟ اللہ نے کہا کہ تو ان تمام باتوں کو تحریر کر جو قیامت تک ہونے والی ہیں اور جو تکلیف کسی انسان کو پہنچنی ہے وہ اس سے خطا نہیں کر سکتی اور جس مصیبت نے اس سے خطا کرنا ہے وہ اسے پہنچ نہیں سکتی قلمیں خشک ہو چکی ہیں اور رجسٹر لپیٹ دیئے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ”کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمان وزمین میں ہیں بے شک یہ سب لوح محفوظ میں ہے بیشک یہ اللہ پر آسان ہے۔“

﴿وَقَالَ (مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ٥) وَهٰذَا التَّقْدِيرُ التَّابِعُ لِعِلْمِهِ سُبْحَانَهُ يَكُونُ فِيْ مَوَاضِعَ جُمْلَةً وَّتَفْصِيلًا فَقَدْ كَتَبَ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مَا شَآءَ﴾ (الحديد:۲۲)

نیز فرمایا! ”جو بھی مصیبت زمین پر آتی ہے اور تمہاری جانوں کو پہنچتی ہے تو یہ لوح محفوظ میں ثبت ہے اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں بے شک یہ بات اللہ کے لئے آسان ہے۔ اور یہ تقدیر اللہ سبحانہ کے علم کے تابع ہے یہ علم متعدد مقامات میں اجمالا اور تفصیلا ہے اللہ نے جو چاہا لوح محفوظ میں تحریر کر دیا ہے۔“

کہ اولاً اللہ نے قلم کو پیدا فرمایا اسے تحریر کرنے کا حکم دیا اس نے دریافت کیا میں کیا تحریر

کروں؟ اللہ نے فرمایا وہ سب کچھ تحریر کر جو قیامت تک ہونے والا ہے ❶۔ خیال رہے لفظ اول جو عربی عبارت میں ہے ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس کا عامل لفظ (قال) ہے یعنی جیسے ہی اللہ نے قلم کو پیدا فرمایا تو پہلا جو کام اس سے کہا وہ یہ تھا کہ وہ تحریر کرے لیکن لفظ (اول) پر پیش پڑھی جاتی ہے کہ (اول) متبدا ہے اور اس کی خبر (القلم) ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کا عرش اور قلم کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کس کو پہلے پیدا کیا گیا، علامہ ابن قیم نے اس کے بارے میں دو قول ذکر کئے ہیں لیکن اس قول کو بہتر قرار دیا ہے کہ عرش کو قلم سے پہلے پیدا کیا گیا، علامہ ابن قیم قصیدہ نونیہ میں رقم طراز ہیں۔

وَالنَّاسُ مُخْتَلِفُوْنَ فِي الْقَلَمِ الَّذِيْ

كَتَبَ الْقَضَاءَ بِهِ مِنَ الدَّيَّانِ

هَلْ كَانَ قَبْلَ الْعَرْشِ أَوْ هُوَ بَعْدَهُ

قَوْلَانِ عِنْدَ أَبِي الْعَلَاءِ الْهَمَدَانِيْ

وَالْحَقُّ أَنَّ الْعَرْشَ قَبْلُ لِأَنَّهُ

وَقْتَ الْكِتَابَةِ كَانَ ذَا أَرْكَانِ

وَكِتَابَةُ الْقَلَمِ الشَّرِيْفِ تَعَقَّبَتْ

إِيْجَادَهُ مِنْ غَيْرِ فَصْلِ زَمَانِ

لوگوں کا قلم کے بارے میں اختلاف ہے جس کے ساتھ اللہ کی تقدیر کو تحریر کیا گیا ہے

کیا قلم کو عرش سے پہلے پیدا کیا گیا یا قلم کو عرش کے بعد پیدا کیا گیا۔ ابو العلاء ہمدانی کے اس کے بارے میں دو قول ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ عرش پہلے پیدا کیا گیا اس لئے کہ قلم کے لکھنے کے وقت عرش کے ارکان موجود تھے۔

جب کہ قلم شریف کا تحریر کرنا عرش بنانے کے بعد بلا فصل کسی زمانہ کے ہے۔

---

❶ صحیح اخرجه ابوداود، السنه، باب في القدر، ح: ٤٧٠٠ ـ والبيهقي: ١٠/ ٢٠٤ ـ من حديث ابي داود وله شاهد عند ابي يعلى، ح: ٢٣٢٩ .

﴿وَإِذَا خَلَقَ جَسَدَ الْجَنِينِ قَبْلَ نَفْخِ الرُّوحِ فِيهِ بَعَثَ إِلَيْهِ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيُقَالُ لَهُ اُكْتُبْ رِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَعَمَلَهُ وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ وَنَحْوُ ذٰلِكَ فَهٰذَا التَّقْدِيرُ قَدْ كَانَ يُنْكِرُهُ غُلَاةُ الْقَدَرِيَّةِ قَدِيمًا وَ مُنْكِرُوهُ الْيَوْمَ قَلِيلٌ﴾

''اور جب اللہ سبحانہ کسی بچے کے وجود کو اس میں روح پھونکنے سے پہلے پیدا فرماتا ہے تو اس کی جانب ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے تو اس کا رزق اس کی اجل اس کا عمل اور اس کا بد بخت یا نیک بخت ہونا اور اس طرح کی باتیں تحریر کر یہ ایسی تقدیر ہے غالی قسم کے قدریہ قدیم عرصہ سے اس کا انکار کرتے ہیں لیکن آج کے دور میں اس کا انکار کرنے والے کم ہیں۔''

اور جب قلم نے قیامت کے دن تک کے تمام واقعات کو قلم بند کر دیا تو جو کائنات اور واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں وہ قلم کی تحریر کے مطابق ہوتے ہیں پس جس مصیبت نے کسی انسان کو پہنچنا ہے وہ کبھی اس سے خطا نہیں کر سکتی اور جس نے اس سے خطا کرنا ہے وہ اس کو کبھی نہیں پہنچ سکے گی [1] جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے۔

اور یہ تقدیر جو قدیم علم کے تابع ہے کبھی اجمالا ہوتی ہے جیسا کہ لوح محفوظ میں ہے کہ اس میں ہر چیز کی تقدیر ہے، جب کہ کچھ مقامات میں تفصیلا ہوتی ہے وہ ہر فرد کے لئے خاص ہوتی ہے جیسا کہ وہ چار کلمات جن کے تحریر کرنے کا فرشتے کو حکم دیا جاتا ہے جب وہ بچے میں روح پھونکتا ہے کہ اس کا رزق، اس کی اجل اور اس کا عمل اس کا بد بخت یا نیک بخت ہونا تحریر کیا جاتا ہے [1] یہ خاص تقدیر ہے اور یہ تقدیر جو اشیاء کے وجود سے قبل ہے غالی قدریہ جیسے معبد جہنی اور غیلان دمشقی قدیم زمانہ سے اس کا انکار کرتے ہیں بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ تمام معاملات اپنے انداز سے ہیں۔

---

[1] اخرجه البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملئكة، ح: ٣٢٠٨ - ومسلم القدر، باب كيفية الخلق الآدمي، ح: ٢٦٤٣.

﴿وَأَمَّا الدَّرَجَةُ الثَّانِيَةُ: فَهِيَ مَشِيئَةُ اللهِ النَّافِذَةُ وَقُدْرَتُهُ الشَّامِلَةُ وَهُوَ الْإِيمَانُ بِأَنَّ مَاشَاءَ اللهُ كَانَ ، وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ ، وَأَنَّهُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ حَرَكَةٍ وَلَا سُكُونٍ إِلَّا بِمَشِيئَةِ اللهِ سُبْحَانَهُ لَا يَكُونُ فِي مِلْكِهِ مَا لَا يُرِيدُهُ﴾

''تقدیر کا دوسرا درجہ اللہ کی مشیت ہے جو نافذ ہونے والی ہے اور اللہ کی قدرت ہے جو تمام امور کو حاوی ہے مقصود یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لایا جائے جو کچھ اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے، اور جس کو اللہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا، بلکہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ آسمان وزمین میں ہر قسم کی حرکت اور عدم حرکت تو بس اللہ سبحانہ کی مشیت کے ساتھ ہے اس کی بادشاہت میں ہرگز کوئی ایسا کام نہیں ہوسکتا جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا۔

﴿وَأَنَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ مِنَ الْمَوْجُودَاتِ وَالْمَعْدُومَاتِ، فَمَا مِنْ مَخْلُوقٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ إِلَّا اللهُ خَالِقُهُ سُبْحَانَهُ لَا خَالِقَ غَيْرُهُ وَلَا رَبَّ سِوَاهُ۔ وَمَعَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَمَرَ الْعِبَادَ طَاعَتَهُ وَطَاعَةَ رُسُلِهِ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ وَهُوَ سُبْحَانَهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ وَالْمُحْسِنِينَ وَالْمُقْسِطِينَ وَيَرْضَى عَنِ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُو الصَّالِحَاتِ وَلَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ وَلَا يَرْضَى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ، وَلَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَلَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۔﴾

اور اللہ سبحانہ موجودات اور معدومات ہر چیز پر قادر ہیں پس زمین وآسمان میں جو بھی مخلوق ہے اللہ سبحانہ اس کا خالق ہے اللہ کے علاوہ اس کا کوئی خالق نہیں کوئی پروردگار نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے بندوں کو اپنی اور اپنے پیغمبروں کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور انہیں اپنی نافرمانی سے روکا ہے اور اللہ سبحانہ پرہیزگاروں احسان کرنے والوں انصاف کرنے والوں کو محبوب جانتا ہے اور ان لوگوں سے خوش ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ پر مداومت کرتے ہیں



لیکن کفار سے وہ محبت نہیں کرتا اور فسق و فجور کرنے والوں سے خوش نہیں ہے اور
اللہ سبحانہ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتا اور وہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے
بندے کفر کریں نیز وہ ان کی فساد انگیزی کو بھی اچھا نہیں جانتا''۔

تقدیر کچھ نہیں ہے۔ تقدیر کے اس درجہ کا انکار کرنے والے کافر ہیں اس لئے کہ انہوں نے ایسی چیز کا انکار کیا ہے جو فی البدیہہ دین اسلام میں معلوم ہے جو کتاب وسنت اور اجماع کے ساتھ ثابت ہے۔

تقدیر کا دوسرا درجہ بھی دو بنیادی باتوں کو متضمن ہے ان دونوں میں سے پہلی بات اللہ تعالیٰ کی عام مشیت پر ایمان لانا ہے اور اللہ سبحانہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور اس کی بادشاہت میں کوئی ایسا کام نہیں ہوتا جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا اور اللہ کے بندوں افعال اور نیکیاں اور برائیاں اللہ کی مشیت عامہ کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں اللہ کی مشیت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے خواہ اللہ اسے پسند کرتا ہے یا پسند نہیں کرتا اور دوسری بات اس چیز پر ایمان لانا ہے کہ تمام باتیں اللہ کی قدرت کے ساتھ وقوع پذیر ہوتی ہیں اور وہ تمام اللہ کی مخلوق ہیں اللہ کے علاوہ ان کا کوئی خالق نہیں ہے اس میں کچھ امتیاز نہیں کہ وہ بندوں کے افعال ہیں یا بندوں کے علاوہ دیگر مخلوق کے افعال ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ تمہارا اور تمہارے افعال کا خالق ہے۔'' (الصافات ٩٦)

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ احکام شرعیہ پر ایمان لایا جائے اور بے شک اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو مکلف بنایا ہے انہیں اپنی اور اپنے پیغمبروں کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اپنی نافرمانی سے منع کیا ہے اور اس میں ہرگز کوئی تضاد نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ کی مشیت تمام چیزوں کے لئے عام ہے اور اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو جن مامورات اور منھیات سے اپنی مشیت کے مطابق مکلف بنایا ہے، لیکن یہ مشیت بندوں کی آزادی اور بالفعل خودمختاری کے مخالف نہیں ہے اس لئے اللہ سبحانہ نے دونوں مشیتوں کو اکھٹا اور یکجا کردیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تم میں سے جو اس کے لئے سیدھی راہ پر چلنا چاہے اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ رب العالمین چاہے'' (التکویر : ۲۸)

جیسا کہ اس مشیت اور امر شرعی کے درمیان جس کا تعلق اللہ کی محبت اور رضا کے ساتھ ہے کچھ تلازم نہیں ہے اس لئے کہ اللہ سبحانہ کی مشیت ان امور کے ساتھ بھی ہے جن کو وہ پسند نہیں کرتا اور ایسے امور بھی ہیں جن کو وہ پسند کرتا ہے لیکن اللہ کی مشیت ان کے ساتھ نہیں ہے۔ پہلے قاعدہ کی مثال جیسے اللہ کی مشیت ابلیس اور اس کے لشکر کے وجود کے ساتھ ہے لیکن اللہ سبحانہ انہیں اچھا نہیں جانتا اور دوسرے قاعدہ کی مثال جیسے کفار کے ایمان لانے کو اور فاسق فاجر لوگوں کی اطاعت شعاری اور ظالموں کے عدل وانصاف اور فساق وفجار کی توبہ کو محبوب جانتا ہے جبکہ اللہ کی مشیت ان کے ساتھ نہیں واضح بات یہ ہے کہ جو کچھ معرض وجود میں آتا ہے وہ اللہ کی مشیت کے ساتھ ہے اور جو کچھ معرض وجود میں نہیں آتا اس کے ساتھ اللہ کی مشیت نہیں۔

اس میں کچھ منافات نہیں کہ اللہ تعالی بالعموم ہر چیز کا خالق ہے اور ہر شخص اپنے افعال کا فاعل ہے پس انسان کو اس کے افعال کی وجہ سے مومن، کافر، نیکوکار، بدکار، نمازیں ادا کرنے والا، روزے رکھنے والا کہا جاتا ہے، لیکن اللہ سبحانہ انسانوں کا خالق ہے اور انسانوں کے افعال کا بھی خالق ہے اس لئے کہ اللہ نے ان میں قدرت اور ارادے کو پیدا فرمایا ہے جن کے ہوتے ہوئے انسان مختلف افعال سرانجام دیتا ہے۔

﴿وَالْعِبَادُ فَاعِلُوْنَ حَقِيْقَةً وَاللهُ خَلَقَ أَفْعَالَهُمْ وَالْعَبْدُ هُوَ الْمُؤْمِنُ وَالْكَافِرُ وَلْبَرُّ وَالْفَاجِرُ وَالْمُصَلِّيْ وَالصَّائِمُ وَلِلْعِبَادِ قُدْرَةٌ عَلٰى أَعْمَالِهِمْ وَلَهُمْ إِرَادَةٌ وَاللهُ خَالِقُهُمْ وَإِرَدَتُهُمْ كَمَا قَالَ تَعَالٰى (لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيْمَ وَمَا تَشَآؤُوْنَ إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ)o﴾ (التکویر:۲۸-۲۹)

''انسان درحقیقت فاعل ہیں جبکہ اللہ سبحانہ ان کے افعال کا خالق ہے اور اللہ کے بندے کچھ ایماندار ہیں جبکہ کچھ کافر ہیں کچھ نیکوکار کچھ بدکار کچھ نمازیں ادا کرنے والے، روزے رکھنے والے ہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ انسانوں کو اپنے اعمال پر قدرت حاصل ہے اور ان کا ارادہ اور مشیت نافذ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اس شخص کے لئے جو تم سے صراط مستقیم پر رہنے کے لئے گامزن رہنا چاہے لیکن تم تو صرف وہی کچھ چاہتے ہو جو رب العالمین چاہتا ہے۔''

علامہ شیخ عبدالرحمان بن ناصر آل سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بے شک جب انسان نماز ادا کرتا ہے، روزے رکھتا ہے، نیک کام کرتا ہے یا برے کام کرتا ہے تو اچھے یا برے عمل کا فاعل تو بلاشک وشبہ انسان کرنے والا ہوتا ہے اس کے اختیار سے فعل وقوع پذیر ہوتا ہے اس کے کرنے کی وہ ضرورت محسوس کرتا ہے وہ کام کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ چاہتا تو نہ کرتا اور واقعہ یہی ہے اللہ سبحانہ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں اس کو واضح کر دیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے الم نشرح کیا ہے جبکہ اعمال صالحہ ہوں یا اعمال درست نہ ہوں سب کی نسبت انسانوں کی طرف کی ہے اور واضح کیا ہے کہ ان افعال کے فاعل انسان ہیں اگر ان کے اعمال درست ہوئے تو قابل

ستائش ہوتے ہیں اور وہ ثواب سے ہمکنار ہوتے ہیں لیکن اگر اعمال برے ہیں تو انہیں ان کی وجہ سے ملامت کی جاتی ہے اور وہ مستوجب سزا ہوتے ہیں۔"

پس بلاشک وشبہ یہ حقیقت الم نشرح ہوگئی ہے کہ لوگوں کے افعال ان کے اپنے اختیار کے ساتھ ہیں اور جب وہ چاہتے ہیں افعال سرانجام دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہیں اور یہ حقیقت عقل، احساس، شریعت اور مشاہدہ کی نظر میں صحیح ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ جب آپ معلوم کرنا چاہیں کہ انسانوں کے افعال اگرچہ اسی طرح انسانوں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں انہیں کیسے اللہ کی تقدیر اور اس کی مشیت میں داخل کیا جاسکتا ہے؟ ہم کہیں گے! یہ اعمال اچھے اور برے جو انسانوں سے وقوع پذیر ہو رہے ہیں وہ انسانوں کی قدرت اور ارادے کے ساتھ ہو رہے ہیں ہر شخص اس کا اقرار کرتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قدرت، ارادہ اور مشیت کا خالق کون ہے؟ اس کا جواب یہ ہے جسے ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ ان کی قدرت اور ارادے کا خالق اللہ پاک ہے، اور جس ذات نے قدرت کو پیدا فرمایا ہے اس کے ساتھ افعال وقوع پذیر ہوتے ہیں تو وہی ذات افعال کی خالق ہے۔ پس اس وضاحت کے ساتھ اشکال ختم ہو جاتا ہے اور انسان کو قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ خود سمجھے کہ تقدیر اور اختیار کا اجتماع ممکن ہے، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کو اسباب اور مختلف قسم کی معاونتوں اور مہربانیوں سے نوازا ہے اور ان سے رکاوٹوں کو دور فرمایا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لیکن وہ شخص جس کا شمار سعادت والوں سے ہوتا ہے اسے سعادت والوں کی توفیق سے نوازا جاتا ہے"[1] (اور اسی طرح فساق وفجار قسم کے لوگوں کو رسوا فرمایا ان کے ساتھ معاونت نہ کی اور انہیں ان کی طرف سپرد کیا اس لئے کہ وہ اللہ پر ایمان نہ لائے نہ انہوں نے اللہ سبحانہ پر بھروسہ کیا تو اللہ نے انہیں اس طرف پھیر دیا جس طرف انہوں نے خود کو پھیر لیا۔

اہل سنت والجماعت کے مذہب کا مسئلہ تقدیر اور انسانوں کے افعال کے بارے میں خلاصہ یہ ہے جو کتاب وسنت کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ تمام اعیان، اوصاف، افعال

[1] اخرجه البخاري، الجنائز، باب موعظة المحدث عند القبر وقعود اصحابه حوله، ح: ١٣٦٢۔ ومسلم القدر باب كيفية خلق الآدمي في بطن امه، ح: ٢٦٤٧۔ ابو داود، ح: ٤٦٩٤.

وغیرہ کا خالق ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت عام ہے اور تمام کائنات کو شامل ہے پس جو کچھ بھی وقوع پذیر ہوتا ہے وہ اللہ سبحانہ کی مشیت کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ کا تمام چیزوں کو پیدا فرمانا اللہ کی مشیت کے ساتھ اس کے قدیم علم کے موافق ہے، اور اس علم کے مطابق ہے جس کو اس نے لوح محفوظ میں تقدیر میں تحریر فرما دیا ہے لیکن بندوں کی قدرت اور ان کے ارادے کے ساتھ ان سے افعال سرزد ہوتے ہیں اور بندے فی الحقیقت ان افعال کے فاعل ہیں اس لئے کہ انہیں افعال کرنے کا اختیار حاصل ہے اس لیے وہ جزا اور سزا کے مستحق ہوتے ہیں اچھے افعال پر قابل ستائش اور ثواب کے مستحق ہوتے ہیں اور برے افعال پر قابل مذمت اور عذاب کے حق دار ہوتے ہیں اور بندوں کے افعال کی نسبت عمل کے لحاظ سے بندوں کی طرف کرنا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ افعال کی نسبت اللہ سبحانہ کی جانب ایجاد اور پیدا کرنے کے لحاظ سے ہو اس لئے کہ اللہ ہی تمام اسباب کا خالق ہے جن کے ساتھ افعال وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

ذہن نشین کر لیجیے کہ مسئلہ تقدیر میں دو گروہ گمراہ ہو گئے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ (پہلا گروہ) قدریہ کا ہے جو تقدیر کا انکار کرنے والے ہیں جن کو ایک صحیح مرفوع، موقوف حدیث میں اس امت کے مجوسی قرار دیا گیا ہے یہ فرقہ کوتاہی اور تقدیر کے انکار کے سبب گمراہ ہو گیا ان کا وہم یہ ہے کہ جو چیز بالضرورۃ ثابت ہے کہ بندے کو اس کے فعل میں اختیار ہے اور اس سے اس کے فعل کے بارے میں سوال ہوگا اور جن چیزوں پر نصوص دلالت کرتی ہیں کہ فعل اللہ کی مشیت کے تابع ہے تو اس وجہ سے وہ گروہ اپنے خیال میں بندے کی مسئولیت کو باطل قرار دیتے ہیں کہ اس کے افعال پر اس سے باز پرس نہ ہوگی اور وہ مکلّف نہیں ہوگا انہوں نے امر و نہی کی جانب کو ترجیح دیتے ہوئے ان نصوص کو خاص کر دیا ہے جو خلق اور مشیت کی عمومیت پر بندوں کے افعال کے علاوہ دلالت کرتے تھے اور انہوں نے ثابت کیا کہ بندہ اپنے فعل کا اپنی قدرت اور ارادے کے ساتھ خالق ہے، تو انہوں نے اللہ کے علاوہ متعدد خالق ثابت کر دیے اسی لئے انہیں اس امت کے مجوسی قرار دیا گیا۔ اس لئے مجوسی گمان کرتے ہیں کہ شیطان، شر اور ایذا رساں چیزوں کا خالق ہے تو انہوں نے اللہ کے ساتھ ساتھ شیطان کو بھی خالق ثابت کر دیا اور اسی طرح ان لوگوں نے بندوں کو اللہ کے ساتھ خالق بنا لیا۔

﴿وَهٰذِهِ الدَّرَجَةُ مِنَ الْقَدْرِ يُكَذِّبُ بِهَا عَامَّةُ الْقَدَرِيَّةِ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ مَجُوْسَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَيَغْلُو فِيْهَا قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْإِثْبَاتِ حَتّٰى سَلَبُوا الْعَبْدَ قُدْرَتَهُ وَاخْتِيَارَهُ وَيُخْرِجُوْنَ عَنْ أَفْعَالِ اللّٰهِ وَأَحْكَامِهِ حِكَمَهَا وَمَصَالِحَهَا﴾

لیکن تقدیر کے اس درجہ کی عام طور پر تکذیب کرنے والا فرقہ قدریہ ہے جنہیں اللہ کے نبی محمد ﷺ نے اس امت کے مجوسی قرار دیا ہے ❶ لیکن کچھ لوگوں نے مسئلہ تقدیر میں غلو اختیار کرتے ہوئے مسئلہ تقدیر کو ثابت کرتے ہوئے انسانوں سے ان کی قدرت اور ان کے اختیار کو چھین لیا ہے نیز اللہ کے افعال اور احکام سے ان کی حکمتوں اور مصلحتوں کا انکار کر دیا ہے۔

اور دوسرا گروہ جبریہ ہے انہوں نے تقدیر کے اثبات میں غلو اختیار کیا یہاں تک کہ انہوں نے فی الحقیقت بندوں کے افعال کا انکار کر دیا بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ بندوں کو افعال میں ہرگز آزادی نہیں ہے بندے کی حیثیت تو پرندے کے پر جیسی ہے جو ہواؤں کے چلنے سے ادھر ادھر اڑتا پھرتا ہے اور افعال کی نسبت بندوں کی جانب مجازی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے نماز ادا کی روزہ رکھا، فلاں نے قتل کیا ور چوری کی جیسا کہ یوں کہا جاتا ہے سورج طلوع ہوا، ہوا چل پڑی، بارش برسنے لگی اس انداز سے انہوں نے اپنے پروردگار کو ظلم کے ساتھ موصوف کیا کہ اللہ بندوں کو اتنی تکلیف دیتا ہے جس کی ان میں استطاعت نہیں ہے اور اللہ انہیں ایسے افعال پر عذاب میں مبتلا کرتا ہے جو ان کے افعال نہیں ہوتے نیز انہوں نے اللہ سبحانہ کو متہم قرار دیا کہ اس نے بے فائدہ بندوں کو مکلف بنایا ہے اور مامورات اور منہیات میں حکمتوں اور مصالح کو باطل قرار دیا ہے۔ (خبردار ان کے فیصلے نہایت غلط ہیں)

---

❶ اسناده ضعيف اخرجه ابو داود، السنه، باب فى القدر، ح: ٤٦٩١۔ وحاكم: ١/ ٨٥۔ من حديث موسى بن اسماعيل والسنه منقطع وللحديث شواهد ضعيفة.

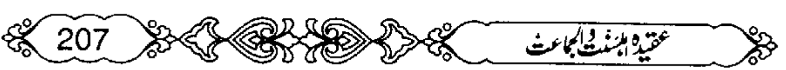
﴿وَمِنْ أُصُولِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَنَّ الدِّيْنِ وَالْإِيْمَانَ قَوْلٌ وَعَمَلٌ قَوْلُ الْقَلْبِ وَاللِّسَانِ ، وَعَمَلُ الْقَلْبِ وَاللِّسَانِ وَالْجَوَارِحِ، وَأَنَّ الْإِيْمَانَ يَزِيْدُ بِالطَّاعَةِ وَيَنْقُصُ بِالْمَعْصِيَةِ﴾

''اہل سنت والجماعت گروہ کے اصولوں سے ہے کہ دین، ایمان، قول اور عمل کا نام ہے دل اور زبان کا قبول کرنا، نیز دل زبان اور جوارح کے عمل کا نام دین اور ایمان ہے، اور اطاعت سے۔ایمان میں اضافہ ہوتا ہے لیکن معصیت سے ایمان میں کمی ہوتی ہے۔''

﴿وَهُمْ مَعَ ذٰلِكَ لَا يُكَفِّرُوْنَ أَهْلَ الْقِبْلَةِ بِمُطْلَقِ الْمَعَاصِيْ وَالْكَبَائِرِ كَمَا يَفْعَلُهُ الْخَوَارِجُ بَلِ الْأُخُوَّةُ الْإِيْمَانِيَّةُ ثَابِتَةٌ مَعَ الْمَعَاصِيْ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهُ (فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ)﴾ (البقرة: ۱۷۸)

''لیکن اہل سنت والجماعت کا گروہ اس کے باوجود مطلق معاصی اور کبائر کے ارتکاب کے سبب قبلہ والوں کو کافر قرار نہیں دیتے ہیں جیسا کہ خوارج انہیں کافر کہتے ہیں بلکہ نافرمانیوں کے باوجود اخوت ایمانیہ موجود رہتی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ پس جس شخص کو اس کے بھائی کی جانب سے کچھ عفو مل جائے تو اچھے انداز کے ساتھ پیروی کرنا ہے۔''

اسماء اور احکام کے مسئلہ میں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا گروہ اس اعتقاد کا حامل ہے کہ ایمان زبان کے ساتھ اقرار کرنے، دل کے ساتھ اعتقاد رکھنے اور جوارح کے ساتھ عمل کرنے کا نام ہے اور یہ تینوں باتیں مطلق ایمان کے مسمی میں داخل ہیں اور مطلق ایمان میں مکمل دین ظاہراً باطناً اصول وفروع کے سمیت داخل ہے پس مطلق ایمان کا اطلاق ان تمام کے ہونے کے ساتھ ہے ان میں سے کوئی چیز کم نہ ہو۔



﴿قَالَ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (الحجرات: ۹)

''اگر ایمانداروں سے دو جماعتیں آپس میں لڑائی کریں تو ان دونوں جماعتوں کے درمیان مصالحت کرائیں اگر ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم اس جماعت سے لڑائی کرو جو زیادتی کرے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی جانب رجوع کرے اگر وہ رجوع کرے تو ان دونوں کے درمیان عدل وانصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصالحت کراؤ اور انصاف کرو بیشک اللہ پاک انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے'' نیز فرمایا:

اور جب اعمال اقوال ایمان کے مسمی میں داخل ہیں تو ایمان کمی بیشی کو قبول کرتا ہے اطاعت کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا ہے اور گناہ کے ساتھ اس میں کمی رونما ہوتی ہے، جیسا کہ کتاب و سنت کے واضح دلائل اس پر دلالت کر رہے ہیں اور یہی بات ظاہر نظر آ رہی ہے اور اس کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ ایماندار لوگ عقائد اور دلوں کے اعمال اور جوارح کے اعمال کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متفاوت ہیں۔

اور ایمان کی زیادتی اور کمی پر دلائل میں سے یہ بھی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ نے ایمانداروں کو تین گروہوں میں تقسیم فرمادیا ہے چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

''پھر ہم نے کتاب اللہ کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں سے منتخب فرمایا ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے آپ پر ظلم کروانے والے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو درمیان درمیان حالت میں جب کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے حکم کے ساتھ اعمال صالحہ میں سبقت لے جانے والے ہیں۔'' (فاطر: ۳۲)

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾ (الحجرات:١٠)
وَلَا يَسْلُبُونَ الْفَاسِقَ الْمِلِّيَّ الْإِسْلَامَ بِالْكُلِّيَّةِ وَلَا يُخَلِّدُونَهُ فِي النَّارِ كَمَا تَقُولُ الْمُعْتَزِلَةُ بَلِ الْفَاسِقُ يَدْخُلُ فِي اِسْمِ الْإِيْمَانِ الْمُطْلَقِ كَمَا فِي قَوْلِهِ: ﴿وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ (النسآء:٩٢)

''بلا شبہ تمام ایماندار ایک دوسرے کے بھائی ہیں پس تم نے اپنے بھائیوں کے درمیان مصالحت کرنی ہوگی'' اور اہل سنت والجماعت کا گروہ فاسق شخص سے مکمل طور پر اسلام کی نفی نہیں کرتے ہیں اور نہ اس پر مخلد فی النار ہونے کا حکم لگاتے ہیں جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے بلکہ فاسق پر مطلق مومن کا اطلاق ہوسکتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''پس غلام مومن کو آزاد کرنا ہے۔''

پس اعمال صالحہ کے لحاظ سے سبقت: لے جانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے واجبات بلکہ مستحبات کو ادا کیا اور محرمات بلکہ مکروہات کو چھوڑا یہ لوگ مقربین کا گروہ ہیں، اور درمیانی قسم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے صرف واجبات کو ادا کیا اور صرف محرمات کو چھوڑا، جبکہ ظالم وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعض محرمات کا دلیری کے ساتھ ارتکاب کیا اور بعض فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی اس کے باوجود اس پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے۔

اسی طرح ایمان کی کمی بیشی ایمان دار لوگ ایمان کے علوم میں الگ الگ مقامات پر فائز ہیں کچھ ایسے اہل علم ہیں جو ایمان کی تفاصیل سے باخبر ہیں اور عقائد کے خیر کثیر سے ان کے دامن بھرے ہوئے ہیں اس وجہ سے ان کا یقین اور ایمان مکمل ہے جبکہ کچھ لوگ ان سے کم درجہ کے ہیں یہاں تک کہ درجات کے لحاظ سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو صرف اجمالی ایمان کا تصور رکھتے ہیں، انہیں تفصیلات کا کچھ علم نہیں اس کے باوجود وہ مومن ہیں، اسی طرح بہت سے دل اور جوارح اعمال کے لحاظ سے اور اطاعت الٰہیہ کی کثرت اور قلت کے لحاظ سے درجات میں متفاوت ہیں۔

﴿وَقَدْ لَا يَدْخُلُ فِي اسْمِ الْإِيمَانِ الْمُطْلَقِ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا) (الانفال: ٢)

وَقَوْلُهُ ﷺ (لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ)﴾

''بلا شبہ مومن تو وہ لوگ ہیں جب ان کے پاس اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپنے لگ جاتے ہیں اور جب ان پر آیات الٰہیہ کی تلاوت ہوتی ہے تو ان سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے'' نیز ارشاد نبوی ہے ''زانی شخص زنا کرتے وقت مومن نہیں ہوتا چوری کرنے والا چوری کرتے وقت مومن نہیں ہوتا شراب خور شراب خوری کرتے وقت مومن نہیں ہوتا اور ایسا لوٹنے والا کہ لوٹتے وقت لوگ اس کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کے دیکھیں تو وہ بھی لوٹنے کے وقت ایمان دار نہیں ہوتا۔'' ❶

﴿وَنَقُولُ هُوَ مُؤْمِنٌ نَاقِصُ الْإِيمَانِ ، أَوْ مُؤْمِنٌ بِإِيمَانِهِ فَاسِقٌ بِكَبِيرَتِهِ، فَلَا يُعْطَى الْإِسْمَ الْمُطْلَقَ وَلَا يُسْلَبُ مُطْلَقَ الْإِسْمِ۔﴾

''ہم کہتے ہیں ایسا شخص مومن ہے لیکن اس کا ایمان ناقص ہے یا ایمان کے سبب مومن ہے اور کبیرہ گناہ کے سبب فاسق ہے نہ ایسے شخص کو مطلق طور پر مومن کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی مطلق طور پر مومن کے وصف کو ختم کیا جا سکتا ہے۔''

لیکن جن لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے اس میں کمی بیشی کا امکان نہیں ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دیگر آئمہ سے منقول ہے ان کا مذہب ان دلائل کی روشنی میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے باطل ہے۔ ارشاد نبوی ہے

''ایمان کی کچھ اور ستر شاخیں ہیں سب سے اونچے درجے والی شاخ کلمہ توحید کا اقرار کرنا

ہے اور سب سے کم درجہ والی شاخ یہ ہے کہ راہ گذر سے تکلیف دہ چیز کو ہٹایا جائے۔"❶

اور اس کے باوجود کہ ایمان مطلق اقوال، افعال اور اعتقادات کے مجموعے سے عبارت ہے لیکن ان سب کا درجہ ایک نہیں ہے یعنی تمام ایک دوسرے کے برابر نہیں ہیں بلکہ عقائد کو ایمان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور جو شخص ان باتوں میں سے جن کا اعتقاد اللہ پر اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں یا آخرت کے دن پر رکھنا ضروری ہے یا وہ باتیں جو بالضرورۃ دین اسلام میں معروف ہیں جیسے نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت اور زنا، قتل نفس کی حرمت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اس انکار کی وجہ سے دین اسلام سے خارج ہے۔

البتہ وہ فاسق شخص جو ملت اسلام کے ساتھ وابستہ ہے لیکن کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اگر چہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ انہیں حرام سمجھتا ہے تو اہل سنت اس شخص سے بالکلیہ اسلام کا لیبل نہیں اتارتے اور نہ اسے معتزلہ، خوارج کی طرح مخلد فی النار کہتے ہیں بلکہ ایسا شخص ان کے نزدیک ایسا مومن ہے جس کا ایمان اس کی معصیت کے برابر کم ہے یا اسے مومن لیکن فاسق کا لقب دیتے ہیں اس پر مطلق مومن کا اطلاق نہیں کرتے اور نہ اس سے مطلق ایمان کی نفی کرتے ہیں۔

چنانچہ کتاب وسنت کے دلائل مؤلف کے بیان کے مطابق اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ معصیت کے ساتھ مطلق ایمان کی نفی نہیں کی جاسکتی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔" (الممتحنہ: ۱)

آیت مذکورہ میں اللہ پاک نے جن لوگوں کو مومن کے لقب کے ساتھ ملقب فرمایا ہے وہ چونکہ کفار کے ساتھ موالات کر کے معصیت کا ارتکاب کر رہے ہیں اس کے باوجود انہیں مومن کہہ کر حکم دیا گیا ہے کہ تم اس معصیت سے باز آجاؤ۔

فائدہ: شرعی ایمان اور اسلام وجود میں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں کسی ایک کا وجود بدوں دوسرے کے نہیں پایا جاسکتا بلکہ جب صحیح ایمان قابل اعتبار پایا جائے گا تو اس کے ساتھ

❶ اخرجه البخاری المظالم، باب النهبة بغير اذن صاحبه، ح: ۲٤۷٥ـ ومسلم، الایمان: باب بيان نقصان الايمان باالمعاصی، ح: ۱۰۰.

❷ اخرجه البخاری الایمان، باب امور الایمان، ح: ۹ـ ومسلم الایمان: باب بيان عدد شعب الايمان وافضلها وادناها، ح: ٥۷.

﴿وَمِنْ أُصُولِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ سَلَامَةُ قُلُوبِهِمْ وَأَلْسِنَتِهِمْ لِأَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَمَا وَصَفَهُمُ اللهُ بِهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (وَالَّذِينَ جَاؤُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ) ۝﴾ (الحشر: ۱۰)

''اہل سنت والجماعت گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ ان کے دل اور زبانیں رسول اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں محفوظ رہیں جیسا کہ اللہ پاک نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اور وہ لوگ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آئے وہ دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے گناہ معاف فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمانداروں کے بارے میں کینہ نہ ڈال اے ہمارے پروردگار! بے شک تو شفقت کرنیوالا مہربان ہے۔''

اسلام بھی پایا جائے گا اسی طرح صحیح اسلام کے ساتھ صحیح ایمان بھی پایا جائے گا اس لئے کبھی کبھی ان دونوں میں سے ایک کا ذکر کرنا دوسرے کے ذکر کرنے سے مستغنی کر دیتا ہے کہ جس کو ذکر نہیں کیا ہے وہ ذکر کردہ میں داخل ہے اور جب دونوں کو اکٹھا ذکر کیا جائے تو اس وقت ایمان سے مقصود تصدیق اور اعتقاد ہوتا ہے جبکہ اسلام سے مقصود ظاہری اطاعت یعنی زبان کے ساتھ اقرار اور اعضاء کے ساتھ عمل کرنا مقصود ہوتا ہے البتہ یہ مفہوم مطلق ایمان کے لحاظ سے ہے جبکہ ایمان مطلق اسلام سے خاص ہے اور کبھی اسلام بدون ایمان پایا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''بدویوں نے کہا ہم مومن ہیں آپ ان سے کہیں کہ تم خود کو مومن نہ کہو البتہ کہو کہ ہم مسلمان ہیں۔'' (الحجرات: ۱٤)

اس آیت میں انہیں اسلام کے ساتھ موصوف کیا ہے لیکن ان سے ایمان کی نفی کی ہے جبکہ جبرائیل علیہ السلام کی حدیث میں اسلام، ایمان، احسان تین مراتب کا ذکر کیا گیا ہے معلوم ہوا ان



میں سے ہر ایک اپنے پہلے سے خاص ہے۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! اہل سنت والجماعت گروہ جو اپنے مخالفین صراط مستقیم سے ہٹ کر ٹیڑھے راہ پر چلنے والوں اور گمراہ فرقوں سے الگ اپنے اصولوں کی روشنی میں اس بات کے قائل ہیں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کو معیوب نہیں گردانتے ہیں نہ کسی کو ملعون قرار دیتے ہیں نہ کسی صحابی کے بارے میں ان کے دل میں دشمنی اور کینہ ہے اور نہ کسی کو حقیر سمجھتے ہیں ان کے دل اور ان کی زبانیں ان تمام قسم کے مطاعن سے پاک ہیں اور ان کے بارے میں بس وہی کلمات زبان پر لاتے ہیں جن کی ان کی جانب سے اللہ پاک نے حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعد آنے والے اپنے سے پہلوں کے لئے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے گناہ معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔'' (الحشر: ۱۰)

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعد آنے والوں کی یہ دعا جو ان سے صادر ہو رہی ہے اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ انہیں کمال محبت تھی اور وہ اس محبت اور اکرام کے حق دار بھی تھے اس لئے کہ وہ فضیلتوں کے حامل تھے اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تلمذ حاصل رہا اور پوری امت پر ان کا احسان ہے اس لئے کہ صحابہ کرام نے پوری امت مسلمہ تک ان تمام اوامر و منہیات کو پہنچایا جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا پس جس شخص کے پاس بھی کوئی علم کی بات یا کوئی خبر پہنچی ہے تو وہ ان کی وساطت سے پہنچی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توقیر میں پیش پیش تھے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں برا بھلا کہنے اور ان کی شان کو گھٹانے سے روکا ہے اور خوب وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمولی سا عمل دیگر انسانوں کے عمل کثیر پر فضیلت رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کمال درجہ کا اخلاص اور جذبہ صادقہ کارفرما تھا البتہ صحابہ کرام میں سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت ہے جنہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے مال و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا اس لئے کہ اس کا ذکر سورہ حدید میں واضح الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

﴿وَطَاعَةُ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ (لَاتَسُبُّوْا أَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ اَحَدَكُم أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ) وَيَقْبَلُوْنَ مَا جَاءَ بِهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَالْإِجْمَاعُ مِنْ فَضَائِلِهِمْ وَمَرَاتِبِهِمْ وَيُفَضِّلُوْنَ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَهُوَ صُلْحُ الْحُدَيْبِيَّةِ وَقَاتَلَ عَلٰى مَنْ أَنْفَقَ مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلَ ،﴾

نیز ارشاد نبوی کی اطاعت ضروری ہے آپ فرماتے ہیں کہ: ''میرے صحابہ کو گالی مت دو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ کرام کے ایک مد اور نصف مد تک بھی نہ پہنچ پائے گا۔''[1] اس کے ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت کا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ کتاب وسنت اور اجماع امت کی صورت میں صحابہ کرام کے جو فضائل اور مراتب بیان کیے گئے ہیں انہیں تسلیم کیا جائے لیکن ان صحابہ کرام کو جنہوں نے فتح مکہ یعنی صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام کی سربلندی کے لئے مال و دولت خرچ کیا اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا ان صحابہ کرام پر فضیلت عطا کی جائے جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد مال ودولت خرچ کیا اور جہاد کیا۔

صلح حدیبیہ سے پہلے مال خرچ کرنے اور جہاد کرنے والے اور صلح حدیبیہ کے بعد مال خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں صلح حدیبیہ سے پہلے مال خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنیوالوں کا مقام اور مرتبہ بہت بلند ہے اگرچہ دونوں گروہوں سے اللہ پاک نے خیال رہے کہ صلح حدیبیہ کو مکہ فتح کرنے کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ صلح کے نتائج زبردست بارآور ثابت ہوئے اسلام کو غلبہ عطا ہوا، اسلام کی قوت کو تسلیم کیا گیا اور صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی اشاعت کا کام خاصہ وسیع ہوا اور کثرت کے ساتھ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اگرچہ صحیح بات یہی ہے کہ سورہ فتح صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی۔

[1] اخرجہ البخاری، فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا، ح:۳۶۷۳۔ ومسلم فضائل صحابہ، باب تحریم سب الصحابہ، ح: ۲۵۴۰.

﴿وَيُقَدِّمُوْنَ الْمُهَاجِرِيْنَ عَلَى الْأَنْصَارِ وَيُؤْمِنُوْنَ بِأَنَّ اللهَ قَالَ لِأَهْلِ بَدْرٍ وَكَانُوْا ثَلَاثَمِائَةٍ وَبِضْعَةَ عَشَرَ ((اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ)) وَبِأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ كَمَا أَخْبَرَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ بَلْ لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ﴾ (الحدید: ١٠)

''نیز مہاجرین اولین صحابہ کرام کو انصار صحابہ کرام پر مقدم کیا جائے نیز اہل سنت اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ پاک نے جنگ بدر میں شریک صحابہ کرام جن کی تعداد تین سو سے کچھ زیادہ تھی ان کے بارے میں فرمایا: ''اب تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے[1] نیز وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دوزخ میں ان صحابہ کرام میں سے کوئی داخل نہیں ہوگا جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی[2] جیسا کہ ان کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے مطلع فرمایا ہے بلکہ اللہ نے ان سے اپنی رضامندی اور اظہار جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔''

اور اولین مہاجرین کو انصار پر فوقیت حاصل ہے اس لئے کہ اولین مہاجرین کو دونوں اعزاز حاصل تھے انہوں نے آپ کی مدد بھی کی اور وطن کو خیر باد بھی کہا، یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین اور دیگر عشرہ مبشرہ اصحاب مہاجرین میں سے تھے۔ مزید برآں سورہ توبہ اور الحشر میں مہاجرین کا تذکرہ انصار سے پہلے ہے۔ خیال رہے کہ مہاجرین کی یہ فضیلت فی الجملہ ہے لیکن اگر انصار میں کوئی شخص بعض مہاجرین سے افضل ہے تو یہ اس کے منافی نہیں ہے۔

[1] اخرجه مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل اهل البدر وقصة حاطب بن ابی بلتعة، ح:٢٤٩٤ ـ والبخاری المغازی: باب فضل من شهد بدرا، ح: ٣٩٨٣.

[2] اخرجه مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل الصابة الشجرة اهل بيعة الرضوان رضی الله عنهم، ح: ٢٤٩٦.

﴿وَرَضُوا عَنْهُ وَكَانُوا أَكْثَرَ مِنْ أَلْفٍ وَأَرْبَعِمِائَةٍ وَيُشْهَدُونَ بِالْجَنَّةِ لِمَنْ شَهِدَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَالْعَشَرَةِ وَثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الصَّحَابَةِ﴾

''اور بتایا کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہیں ان کی تعداد چودہ سو سے کچھ زیادہ تھی نیز اہل سنت ان لوگوں کے بارے میں جنت کی گواہی دیتے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ نے جنت کی گواہی دی ہے ان سے عشرہ مبشرہ صحابہ کرام و ثابت بن قیس بن شماس اور دیگر صحابہ کرام مراد ہیں۔''

نیز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ثقیفہ بنو ساعدہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''ہم مہاجرین ہیں اور ہم تم سے یعنی انصار سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اور قرآن پاک میں ہمارا تذکرہ تم سے پہلے ہے اس لئے امارت کے حق دار ہم ہیں البتہ وزارت کا منصب تمھارے لیے ہے۔''

نیز اہل سنت والجماعت اس اعتقاد کی حامل ہے کہ اللہ تعالی نے جنگ بدر میں شریک صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا کہ ''تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے جب حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ارادہ فرمایا جبکہ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں حاضر تھے۔

قتل کرنے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے قریش مکہ کو ایک خط تحریر کر کے مطلع کیا کہ رسول اکرم ﷺ مکہ پر حملہ کرنیوالے ہیں تو رسول اکرم ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا کہ ''اے عمر! تجھے معلوم نہیں کہ اللہ پاک نے بدری صحابہ کرام کی جانب جھانکتے ہوئے انہیں بشارت دی تھی کہ ''تم جو بھی عمل کرو میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔''[1]

---

[1] اخرجه مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل اهل بدر رضي الله عنهم، وقصة حاطب بن ابي بلتعة، ح: ٢٤٩٤.

﴿وَيُقِرُّوْنَ بِمَا تَوَاتَرَ بِهِ النَّقْلُ عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَغَيْرِهِ مِنْ أَنَّ خَيْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ وَيُثَلِّثُوْنَ بِعُثْمَانَ وَيُرَبِّعُوْنَ بِعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ كَمَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْآثَارُ﴾

''وہ اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں جو امیر المومنین علی بن ابی طالب سے اور دیگر صحابہ کرام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اس امت کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت محمدیہ میں سب سے بہتر شخص سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد دوسرے نمبر پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور تیسرے نمبر پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جبکہ چوتھے نمبر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جیسا کہ آثار اس پر دلالت کرتے ہیں۔''

﴿وَكَمَا أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلَى تَقْدِيمِ عُثْمَانَ فِي الْبَيْعَةِ مَعَ أَنَّ بَعْضَ أَهْلِ السُّنَّةِ كَانُوْا قَدِ اخْتَلَفُوْا فِيْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا۔ بَعْدَ اتِّفَاقِهِمْ عَلَى تَقْدِيمِ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ؟ فَقَدَّمَ قَوْمٌ عُثْمَانَ وَسَكَتُوْا وَرَبَّعُوْا بِعَلِيٍّ وَقَدَّمَ قَوْمٌ عَلِيًّا،﴾

''اور جیسا کہ صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ بیعت کرنے کے لحاظ سے مقدم ہیں اس کے ساتھ ساتھ بعض اہل سنت عثمان اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں کہ ان میں سے کس کو افضلیت حاصل ہے لیکن ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو مقدم قرار دینے پر اتفاق ہے ان کے بعد کچھ صحابہ کرام نے عثمان رضی اللہ عنہما کو مقدم ٹھرایا اور خاموشی اختیار کی اور علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا نمبر دیا لیکن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علی رضی اللہ عنہ کو مقدم قرار دیا۔''[1]

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا جنہوں نے درخت کے نیچے صلح

[1] اخرجه مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل اهل بدر رضي الله عنهم وقصة حاطب بن ابي بلتعة، ح: ٢٤٩٤.

﴿وَقَوْمٌ تَوَقَّفُوْا، لٰکِنِ اسْتَقَرَّ أَمْرُ أَهْلِ السُّنَّةِ عَلٰی تَقْدِيْمِ عُثْمَانَ ثُمَّ عَلِيٌّ، وَإِنْ كَانَتْ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةُ۔ مَسْأَلَةُ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ لَيْسَتْ مِنَ الْأُصُوْلِ الَّتِيْ يُضَلَّلُ الْمُخَالِفُ فِيْهَا عِنْدَ جَمْهُوْرِ أَهْلِ السُّنَّةِ لٰكِنِ الَّتِيْ يُضَلَّلُ فِيْهَا مَسْأَلَةُ الْخِلَافَةِ﴾

''جبکہ کچھ صحابہ کرام نے توقف اختیار کیا لیکن اہل سنت والجماعت کا گروہ اس بات پر قائم رہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ مقدم ہیں ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اگرچہ یہ مسئلہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما ان اصولی مسائل میں سے نہیں ہے کہ جن میں جمہور اہل سنت کے نزدیک مخالف رائے رکھنے والے کو گمراہ قرار دیا جائے البتہ مسئلہ خلافت ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں وہ لوگ برائی سے دور نہیں ہیں جو اہل سنت کی ترتیب کا انکار کرتے ہیں۔''

حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان کی تھی کہ:

''اللہ ان مومنوں پر خوش ہے جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔(الفتح: ۱۸)

''تو اللہ کا ان پر خوش ہونا ان کو عذاب میں مبتلا کرنے کے ارادے سے رکاوٹ ہے اور ان کی عزت افزائی اور ان کے کارہائے نمایاں پر انہیں ثواب عطا کرنے پر مستلزم ہے۔

اور اہل سنت والجماعت اس اعتقاد کی بھی حامل ہے کہ جن صحابہ کرام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے وہ بھی ان کے بارے میں گواہی دیتی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دس صحابہ کرام سے مقصود ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید بن زید، عبدالرحمن بن عوف اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم ہیں ان کے علاوہ ثابت بن قیس، عکاشہ بن محصن عبداللہ بن سلام اور ہر وہ صحابی شامل ہے جن کے بارے میں صحیح حدیث میں بشارت ہے کہ وہ جنتی ہے۔

﴿وَذٰلِكَ أَنَّهُمْ يُؤْمِنُوْنَ أَنَّ الْخَلِيْفَةَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَبُوْبَكْرٍ، وَعُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ وَمَنْ طَعَنَ فِيْ خِلَافَةِ أَحَدٍ مِّنْ هٰؤُلَاءِ فَهُوَ أَضَلُّ مِنْ حِمَارِ أَهْلِهِ﴾

''اس لئے کہ اہل سنت کا اس بات پر ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ بلافصل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں اور جو لوگ ان چاروں میں سے کسی کی خلافت کے بارے میں طعن کرتا ہے وہ گھریلو گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

نیز ان کا ایمان ہے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اس امت کے پیغمبر محمد ﷺ کے بعد امت سے بہترین شخص ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ شہر کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اور ان سے ایک بات کو جم غفیر نے سنا انہوں نے فرمایا: ''جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو ہم اس یقین پر تھے کہ آپ کی وفات کے بعد اب سب سے افضل شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ہم اس یقین پر تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اب عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔''

نیز اہل سنت والجماعت اس نظریے کے حامل ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے اور علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ برحق تھے جمہور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ خلفائے راشدین خلافت کی ترتیب کے مطابق منقبت وفضیلت کے حامل ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ پر عثمان رضی اللہ عنہ کو تفوق عطا کرتے ہیں اور وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ سے مقدم رکھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی البتہ بعض اہل سنت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت عطا کرتے ہیں، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد ہونے والے فضائل ومناقب زیادہ ہیں جبکہ بعض اہل سنت والجماعت توقف اختیار کرتے ہیں۔ بہر حال بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیگر صحابہ کرام پر فضیلت

﴿وَيُحِبُّوْنَ اٰلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَيَتَوَلَّوْنَهُمْ وَيَحْفَظُوْنَ فِيهِمْ وَصِيَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَيْثُ قَالَ يَوْمَ غَدِيْرِ خُمٍّ (أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي)﴾

''اور اہل سنت والجماعت رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے محبت کرتے ہیں ان کے ساتھ رشتہ موالات رکھتے ہیں اور اہل بیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کا احترام کرتے ہیں جس میں آپ نے غدیر خم کے مشہور واقعہ میں فرمایا: ''میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ پاک کو یاد دلاتا ہوں یعنی نصیحت کرتا ہوں۔''[1]

عطا کرنے کا مسئلہ کوئی اسلام کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے کہ جو لوگ اس تفصیل کے قائل نہ ہوں انہیں گمراہ قرار دیا جائے بلکہ یہ مسئلہ تو فروعی مسائل سے ہے جن میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ البتہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ ان کی خلافت صحیح تھی اس لئے کہ انہیں ان چھ افراد کے مشورہ سے خلیفہ نامزد کیا گیا جنہیں عمر رضی اللہ عنہ نے نامزد فرمایا تھا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلیفہ کا انتخاب کریں اور جو لوگ اس نظریے کی حمایت کرتے ہیں کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہونا صحیح نہ تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے جانے کے ان سے زیادہ حق دار تھے وہ لوگ بدعتی اور گمراہ ہیں ان پر شیعیت کا غلبہ ہے۔ بایں ہمہ ان کا یہ نظریہ مہاجرین اور انصار کو داغدار بنانے والا ہے۔ واللہ اعلم

اہل بیت میں وہ لوگ داخل ہیں جن پر صدقہ لینا حرام ہے ان سے مقصود آل علی، آل جعفر، آل عقیل، آل عباس اور بنو ہاشم کے تمام افراد اور ساتھ بنوالمطلب بھی شامل ہیں اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''یہ لوگ جاہلیت اور اسلام میں ہم سے الگ نہیں

[1] اخرجه مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن ابي طالب، ح: ٢٤٠٨۔ وابن ابي شيبة: ٨/ ٦٥٧۔ ٥٩٠٩۔ والطبراني في الكبير: ٥٠٢٨۔ وابن ابي عاصم في السنة: ١٥٩٥.

﴿وَقَالَ أَيْضًا لِلْعَبَّاسِ عَمِّهِ- وَقَدْ اِشْتَكٰى إِلَيْهِ أَنَّ بَعْضَ قُرَيْشٍ يَجْفُوْ بَنِيْ هَاشِمٍ- فَقَالَ(وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحِبُّوْكُمْ لِلّٰهِ وَلِقَرَابَتِيْ) وَقَالَ(إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى بَنِيْ إِسْمَاعِيْلَ وَاصْطَفٰى مِنْ بَنِيْ إِسْمَاعِيْلَ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ كِنَانَةَ قُرَيْشًا وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ﴾

''نیز آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا (جب کہ عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے شکوہ کیا کہ قریش میں سے کچھ افراد بنو ہاشم کو ان کا صحیح مقام عطا نہیں کرتے ہیں)''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ اس وقت تک ایماندار کہلانے کے حقدار نہیں جب تک کہ وہ تم سے رضائے الٰہی حاصل کرتے ہوئے اور میری قرابت داری کا خیال کرتے ہوئے محبت نہ کریں''[1]

نیز آپ نے فرمایا:''بے شک اللہ نے تمام مخلوق میں سے بنو اسماعیل کا انتخاب کیا پھر بنو اسماعیل میں سے کنانہ قبیلے کا اور کنانہ سے قریش کا اور قریش سے بنو ہاشم اور بنو ہاشم سے میرا انتخاب کیا۔''[2]

ہوئے[3] اس لحاظ سے اہل سنت والجماعت ان کا احترام کرتے ہیں اور ان سے رسول اللہ ﷺ کی قرابت داری کے سبب اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ ہیں جیسا کہ ان کے اسلام لانے میں سبقت

---

[1] اخرجه مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ، وتسليم الحجر عليه قبل النبوة، ح: ٢٢٧٦۔ والترمذی المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، ح: ٣٨٤٨۔ وقال هذا حديث حسن صحيح.

[2] اسناده صحيح اخرجه الترمذی، المناقب، باب ابی الفضل عم النبی ﷺ وهو العباس بن عبدالمطلب، ح: ٤٠١١۔ وقال هذا حديث حسن صحيح واحمد فی مسنده: ١٧٤٤٤۔ ١٧٧٢ وايضًا الحاكم فی المستدرك: ٣/ ٣٣٣.

[3] اسناده صحيح، اخرجه النسائی، قسم الفیئ وابو داود، الخراج والفیئ والامارة باب فی بيان مواضع قسم الخمس وسهم ذی القربی، ح: ٢٩٨٠.

لے جانے اور اللہ عزوجل کے دین میں مدد کرنے میں ان کے کارہائے نمایاں سرانجام لانے کے سبب ان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ غدیر خم کی ترکیب میں حرف خاء پر پیش ہے خم ایک زرگر شخص کا نام ہے جس کے نام کی جانب لفظ غدیر کی اضافت ہے جو کہ مکہ مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اور یہ جحفہ کے قریب ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک جنگلی کا نام ہے لفظ غدیر کی اس کی جانب نسبت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہیں کہ میری قرابت داری اور اللہ کی رضا کا خیال کرتے ہوئے تم سے محبت نہ کریں مقصود یہ ہے کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک تکمیل پذیر نہیں ہوسکتا جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے رضائے الٰہی یا آپ کی قرابت داری اور آپ کی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ محبت کرنا اور رشتہ موالات رکھنا ضروری ہے اور اس لئے بھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کا مقام و مرتبہ اور نسبی تعلق ہے۔

آپ کی بیویوں میں وہ عورتیں داخل ہیں جن سے آپ نے رشتہ زوجیت قائم کیا اور ان کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا ان میں سے پہلی بیوی خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں آپ نے ان کے ساتھ نبوت سے قبل مکہ مکرمہ میں نکاح کیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی جبکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ سوائے ابراہیم بچے کے باقی تمام اولاد خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی خدیجہ وہ پہلی خاتون ہیں جو آپ پر ایمان لائیں اور رسالت کے بھاری بوجھ کے اٹھانے پر آپ کی مدد کی اور آپ کو تقویت پہنچائی لیکن ہجرت سے تین سال قبل پینسٹھ سال کی عمر میں فوت ہو گئیں۔ اس کے بعد آپ نے سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جبکہ ان کی عمر چھ سال تھی لیکن مدینہ منورہ میں ہجرت فرمانے کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی عمل میں آئی جب کہ وہ نو سال کی تھیں:

﴿وَيَتَوَلَّوْنَ أَزْوَاجَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيُؤْمِنُوْنَ بِأَنَّهُنَّ أَزْوَاجُهُ فِي الْآخِرَةِ خُصُوْصًا خَدِيْجَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أُمُّ أَكْثَرِ أَوْلَادِهِ وَأَوَّلُ مَنْ آمَنَ بِهِ وَعَاضَدَهُ عَلَى أَمْرِهِ وَكَانَ لَهَا مِنْهُ الْمَنْزِلَةُ الْعَالِيَةُ ، وَالصِّدِّيْقَةُ بِنْتُ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا الَّتِي قَالَ فِيْهَا النَّبِيُّ ﷺ (فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ).﴾

''اہل سنت والجماعت رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن امہات المومنین سے اظہار محبت کرتے ہیں اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ سبھی آخرت میں آپ کی بیویاں ہوں گی خاص طور پر خدیجہ اس لئے کہ وہ آپ کی کثیر اولاد کی والدہ ہیں اور وہ ان اوّلین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شمار ہوتی ہیں جو آپ پر ایمان لائے آپ کے مشن کو تقویت پہنچائی یہی وجہ ہے کہ خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کا مقام آپ کے ہاں بہت اونچا تھا اس کے بعد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''دیگر بیویوں پر عائشہ کی فضیلت اسی طرح ہے جس طرح کہ ثرید کو دیگر کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔''[1]

آپ کی دیگر ازواج مطہرات میں سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں جن سے آپ نے ان کے خاوند ابوسلمہ کی وفات کے بعد نکاح کیا اور اس کے بعد زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں جن سے آپ نے زید بن حارثہ کے طلاق دینے کے بعد نکاح کیا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ نے زینب کے ساتھ نکاح کرایا اور جویریہ بنت حارث، صفیہ بنت حی، حفصہ بنت عمر اور زینب بنت خزیمہ تمام کی تمام امہات المومنین ہیں اور یہ آخرت میں آپ کی بیویاں ہوں گی، لیکن مطلق طور پر ان سب سے زیادہ فضیلت خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے۔

[1] اخرجه البخاري الانبياء، باب اذ قالت الملئكة يمريم، ح: ٣٤٣٣ ـ ومسلم فضائل الصحابة: باب فضائل خديجة ام المومنين، ح: ٢٤٣٠.

﴿وَيَتَبَرَّؤُوْنَ مِنْ طَرِيْقَةِ الرَّوَافِضِ الَّذِيْنَ يُبْغِضُوْنَ الصَّحَابَةَ وَيَسُبُّوْنَهُمْ وَطَرِيْقَةِ النَّوَاصِبِ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ أَهْلَ الْبَيْتِ بِقَوْلٍ أَوْعَمَلٍ وَيُمْسِكُوْنَ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّ هٰذِهِ الْآثَارَ الْمَرْوِيَّةَ فِيْ مَسَاوِيْهِمْ مِّنْهَا مَا هُوَ كِذْبٌ وَمِنْهَا مَا قَدْ زِيْدَ فِيْهِ وَنُقِصَ وَغُيِّرَ عَنْ وَجْهِهٖ وَالصَّحِيْحُ مِنْهُ عَمَّا فِيْهِ مَعْذُوْرُوْنَ إِمَّا مُجْتَهِدُوْنَ وَإِمَّا مُجْتَهِدُوْنَ مُخْطِئُوْنَ وَهُمْ مَعَ ذٰلِكَ لَا يَعْتَقِدُوْنَ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ مَعْصُوْمٌ عَنْ كَبَائِرِ الْإِثْمِ وَصَغَائِرِهٖ﴾

﴿بَلْ يَجُوْزُ عَلَيْهِمُ الذُّنُوْبُ فِي الْجُمْلَةِ وَلَهُمْ مِّنَ السَّوَابِقِ وَالْفَضَائِلِ مَا يُوْجِبُ مَغْفِرَةَ مَا يَصْدُرُ مِنْهُمْ إِنْ صَدَرَ حَتّٰى إِنَّهُمْ يَغْفِرُلَهُمْ مِّنَ السَّيِّئَاتِ مَالَا يَغْفِرُ لِمَنْ بَعْدَهُمْ لِأَنَّ لَهُمْ مِنَ الْحَسَنَاتِ الَّتِيْ تَمْحُوْ السَّيِّئَاتِ مَا لَيْسَ لِمَنْ بَعْدَهُمْ﴾

''اہل سنت والجماعت، رافضیوں یعنی شیعوں کے انداز سے برات اختیار کرتے ہیں اس لئے کہ شیعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا سمجھتے ہیں ان سے دشمنی رکھتے ہیں اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت خارجیوں کے انداز سے بھی برات کا اظہار کرتے ہیں اس لئے کہ وہ زبان یا عمل کے ساتھ اہل بیت کو تکلیف پہنچاتے ہیں نیز اہل سنت اس نظریہ کے حامل ہیں کہ صحابہ کرام کے درمیان اختلافات کے بارے میں خاموش رہا جائے اور وہ کہتے ہیں کہ جن واقعات سے ان کے عیوب مترشح ہوتے ہیں ان میں سے کچھ واقعات تو جھوٹ کا پلندہ ہیں اور بعض واقعات کے بیان کرنے میں کمی بیشی سے کام لیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ صحیح صورت حال نظروں سے اوجھل ہوگئی البتہ جو واقعات اسنادی کیفیت کے لحاظ سے درست ہیں ان میں ہم اسے معذور سمجھتے ہیں ہم صحابہ کرام کو

مجتہد تسلیم کرتے ہیں جنہوں نے راہ صواب اختیار کیا اور جن سے اجتہادات میں خطائیں بھی سرزد ہوئیں، اس کے ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ تمام صحابہ کرام کبائر اور صغائر گناہوں سے معصوم تھے بلکہ ''ان کے بارے میں یہ بات درست ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوئے یعنی وہ معصوم نہیں تھے۔ لیکن ان کے کارہائے نمایاں اور ایسی خصوصیتیں موجود ہیں جو ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کی مغفرت کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہیں۔ خواہ جو گناہ بھی ان سے سرزد ہوا یہاں تک کہ جس قدر ان کی برائیوں کو معاف کیا جائے گا اس قدر ان لوگوں کی برائیوں کو معاف نہیں کیا جائے گا، جو ان کے بعد آئے اس لئے کہ ان کی اس قدر حسنات ہیں جو ان لوگوں کی نہیں ہیں جو ان کے بعد ہیں انہوں نے ان کی غلطیوں کو مٹا دیا ہے۔''

مقصود یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت شیعہ کے انداز سے خود کو بری سمجھتے ہیں اس لئے کہ شیعہ فرقہ کے لوگ جنہیں رافضیہ بھی کہا جاتا ہے یہ لوگ علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے ساتھ محبت کرنے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور ان کے علاوہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں انہیں گالیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں کافر تک کہتے ہیں ان کو رافضیہ کا لقب سب سے پہلے زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا سبب یہ تھا کہ انہوں نے زید بن علی سے مطالبہ کیا کہ وہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما شیخین کی امارت وخلافت سے برات کا اظہار کریں پھر وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے لیکن زید بن علی نے انکار کیا تو وہ اسے چھوڑ کر بھاگ گئے اس وقت زید بن علی نے ان سے کہا تم نے مجھے چھوڑ دیا اس دن سے اسے رافضیہ کہا جانے لگا۔

یاد رہے کہ شیعہ کے بہت زیادہ فرقے ہیں کچھ وہ ہیں جن میں غلو ہے اور بعض وہ ہیں جن میں غلو کم ہے۔ اہل سنت جس طرح شیعہ سے برات کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح اہل سنت خارجیوں کے انداز سے بھی برات کا اظہار کرتے ہیں خارجیوں نے خاندان نبوت کے ساتھ دشمنی کو برقرار رکھا دشمنی کے اسباب کچھ سیاسی نوعیت کے تھے کتب تاریخ میں وہ مشہور ہیں لیکن اب

خارجیوں کا وجود نہیں ہے اہل سنت والجماعت کا گروہ ان جھگڑوں سے خود کو بری قرار دیتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان وقوع پذیر ہوئے بالخصوص عثمان رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کے بعد علی، طلحہ زبیر رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد علی، معاویہ، عمرو بن لعاص اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان جو جھگڑے رونما ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت کا گروہ اس رائے کا حامل ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقائص اور ان کی کمزوریوں کے بارے میں جس قدر آثار مروی ہیں ان میں اکثر آثار بے بنیاد ہیں جھوٹ کا پلندہ ہیں یا صحیح صورتحال سے تحریف کر کے انہیں پیش کیا گیا ہے اور جہاں تک ان کے بارے میں صحیح آثار ہیں اہل سنت والجماعت کا گروہ صحابہ کرام کو ان کے بارے میں معذور گردانتا ہے اور انہیں مجتہد اور تاویل کرنے والا قرار دیتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ انہیں کبیرہ صغیرہ گناہوں سے معصوم نہیں سمجھتا البتہ ان کے فضائل اور ان کے احسانات اور ان کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہنا اور آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا بلاشبہ ان کے گناہوں کو جو ان سے عقل وفہم کی لغزش کی وجہ سے صادر ہوئے انہیں اس لئے معاف کر دیا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دور کو بہترین اور افضل قرار دینے کی گواہی دی ہے اور ان کے ایک مد یا آدھا مد صدقہ کرنے کو ان سے بعد والے لوگوں کو احد کے برابر سونا خرچ کرنے سے افضل قرار دیا ہے پس ان کی اس قدر کثرت کے ساتھ حسنات کے لحاظ سے ان کی لغزشوں کو معاف کر دیا گیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اس بات کی نفی کی جائے کہ کوئی صحابی ایسی حالت میں فوت ہوا جس کی وجہ سے وہ اللہ کی ناراضگی کا مستحق ہوا ہو بلکہ اگر کسی صحابی سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہوا ہے تو یا تو اس صحابی نے وفات سے قبل اس گناہ سے توبہ کر لی ہے یا اس نے اتنے اعمال صالحہ کئے ہیں جنہوں نے اس کے اس گناہ کو ختم کر دیا ہے بلکہ مٹا دیا ہے یا چونکہ اسلام میں اسے کچھ فضائل حاصل ہیں جن کی وجہ سے اسے معاف کر دیا گیا ہے جیسا کہ بدری صحابہ اور بیعت رضوان والے صحابہ کو معاف کر دیا گیا ہے یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی وجہ سے انہیں معاف کر دیا گیا حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کی شفاعت کے زیادہ مستحق اور سعادت والے ہیں۔

﴿وَقَدْ ثَبَتَ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَنَّهُمْ خَيْرُ الْقُرُوْنِ وَأَنَّ الْمُدَّ مِنْ أَحَدِهِمْ إِذَا تَصَدَّقَ بِهِ كَانَ أَفْضَلَ مِنْ جَبَلِ أُحُدٍ ذَهَبًا مِمَّنْ بَعْدَهُمْ ثُمَّ إِذَا كَانَ قَدْ صَدَرَ مِنْ أَحَدِهِمْ ذَنْبٌ فَيَكُوْنُ قَدْ تَابَ مِنْهُ أَوْ أَتَى بِحَسَنَاتٍ تَمْحُوْهُ أَوْ غُفِرَلَهُ بِفَضْلِ سَابِقَتِهِ أَوْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ الَّذِيْ هُمْ أَحَقُّ النَّاسِ بِشَفَاعَتِهِ أَوِ ابْتُلِيَ بِبَلَاءٍ فِي الدُّنْيَا كُفِّرَ بِهِ عَنْهُ۔﴾

نیز رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے کہ صحابہ کرام تمام لوگوں سے بہتر ہیں اور کسی صحابی کا ایک مد کے برابر صدقہ دینا ان سے بعد میں آنے والے لوگوں کے احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرنے سے افضل ہے لیکن جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے اور اس نے اس گناہ سے توبہ کر لی ہے یا گناہ کے ارتکاب کے بعد اعمال صالحہ کئے ہیں جن سے اس کے گناہ مٹ گئے ہیں یا اس شخص کو بوجہ اس کے سابقین اولین یا محمد ﷺ کی وجہ سے جو تمام لوگوں سے آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہے یا اس گناہ کی وجہ سے دنیا میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا تو ان سب باتوں کے سبب اس کے گناہ اس سے دور ہو جائیں گے۔

یا اس صحابی کو جانی و مالی یا اس کی اولاد میں سے کسی کو مصیبت میں مبتلا کر دیا گیا تو وہ مصیبت اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گی جب ان کے بارے میں ان گناہوں کے متعلق جو ان سے سرزد ہوئے یہ اعتقاد ضروری ہے تو ان کے وہ گناہ جو اجتہادی ہیں انہیں ان کے بارے میں کیوں نہ یہ عقیدہ رکھا جائے اس لئے کہ اجتہادی امور میں خطا معاف ہو جاتی ہے پھر جب ان کی غلطیوں کا ان کے محاسن اور فضائل کے مقابلہ میں محاسبہ کیا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ ان کی غلطیاں اور خطائیں ان کے فضائل اور مناقب کے مقابلہ میں پانی کا ایک قطرہ ہیں جبکہ فضائل اور مناقب کی مثال سمندر کی مانند ہے۔

﴿فَإِذَا كَانَ هٰذَا فِي الذُّنُوبِ الْمُحَقَّقَةِ فَكَيْفَ الْأُمُورُ الَّتِي كَانُوا فِيهَا مُجْتَهِدِينَ إِنْ أَصَابُوا فَلَهُمْ أَجْرَانِ وَإِنْ أَخْطَأُوا فَلَهُمْ أَجْرٌ وَاحِدٌ وَالْخَطَأُ مَغْفُورٌ﴾

لیکن یہ وضاحت ان گناہوں کے بارے میں جو واقعی ان سے سرزد ہوئے لیکن وہ گناہ جو ان سے بصورت اجتہاد سرزد ہوئے اگر ان کا اجتہاد درست رہا تو وہ دو ثواب کے مستحق ٹھہرے اور ان کا اجتہاد درست نہیں تو پھر بھی انہیں ایک ثواب کا استحقاق حاصل ہے اور ان کی غلطیاں معاف کر دی جائیں گی۔

پس وہ اللہ جس نے تمام انبیاء علیہم السلام سے نبی اکرم ﷺ کو منتخب فرمایا اسی اللہ نے آپ کے لئے ان صحابہ کرام کا انتخاب فرمایا پس صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کے بعد بہترین مخلوق ہیں اور امت محمدیہ میں سے جو تمام امتوں میں سے بہتر برگزیدہ اور پسندیدہ منتخب افراد ہیں۔

اور جو شخص مؤلف رحمہ اللہ کے کلام کا صحابہ کے فضائل میں بغور جائزہ لے گا تو وہ زبردست تعجب کرے گا کہ کس طرح جاہل متعصب لوگوں نے مؤلف رحمہ اللہ کو متہم کیا اور انہوں نے ان کے خلاف الزام لگایا کہ وہ ان کی عزتوں کو پامال کرنے میں اور ان کے مقام کو نیچا دکھانے میں ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے اور صحابہ کرام کے اجماع کو باطل قرار دیتا ہے ان باتوں کے علاوہ انہوں نے مؤلف رحمہ اللہ کے خلاف جو باتیں کہی ہیں وہ ان کے باطل خیالات اور کذب آفرینیوں کا مجموعہ ہیں۔

کتاب وسنت کے نصوص متواترہ اور دور گذشتہ اور موجودہ دور کے واقعات اس بات کو واضح کر رہے ہیں کہ اللہ کے اولیاء کرام جو انبیاء علیہم السلام کے بنائے ہوئے راستوں پر گامزن رہے ان سے کرامات کا ظہور ہوتا رہا ہے یاد رہے کہ کرامت اس عمل کا نام ہے جو عادت مستمرہ کے خلاف ہو، اللہ کے اولیاء کرام میں کسی ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہوتا ہے اس کے کسی دینی یا دنیوی کام پر اس کی معاونت کرنا مقصود ہوتا ہے۔

ذہن نشین کرلیں کہ معجزہ اور کرامت میں یہ فرق ہے کہ معجزہ کا صدور کسی پیغمبر سے ہوتا ہے اور وہ اس کا مدعی ہوتا ہے جب کہ کرامت کا ظہور ادعا کے بغیر ہوتا ہے البتہ کرامات کا وقوع بہت سی حکمتوں اور مصالح پر مشتمل ہوتا ہے چند اہم مصلحتوں کا ذکر ہم ذیل میں کر رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ إِنَّ الْقَدَرَ الَّذِیْ یُنْکِرُ مِنْ فِعْلِ بَعْضِهِمْ قَلِیْلٌ نَزْرٌ مَغْفُوْرٌ فِیْ جَنْبِ فَضَائِلِ الْقَوْمِ وَمَحَاسِنِهِمْ مِنَ الْإِیْمَانِ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْجِهَادِ فِیْ سَبِیْلِهٖ وَالْهِجْرَةِ وَالنُّصْرَةِ وَالْعِلْمِ النَّافِعِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ وَمَنْ نَظَرَ فِیْ سِیْرَةِ الْقَوْمِ بِعِلْمٍ وَّبَصِیْرَةٍ وَمَا مَنَّ اللهُ عَلَیْهِمْ بِهٖ مِنَ الْفَضَائِلِ عَلِمَ یَقِیْنًا أَنَّهُمْ خَیْرُ الْخَلْقِ بَعْدَ الْأَنْبِیَاءِ﴾

''اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کے وہ افعال جنہیں درست نہیں سمجھا جاتا وہ ان کے فضائل اور مناقب کے لحاظ سے بہت کم اور شاذ و نادر ہیں، انہیں ان کے ایمان باللہ ایمان بالرسول اور جہاد فی سبیل اللہ ہجرت اور دین اسلام کی معاونت نافع علم کی اشاعت اور عمل صالح کی استقامت نے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا اور جو شخص علم کی روشنی اور بصیرت کی شمع کے ساتھ صحابہ کرام کی سیرت کا بغور جائزہ لے گا اور اللہ نے انہیں جن فضائل اور مناقب سے نوازا ہے غور کرے گا تو وہ یقین کے ساتھ فیصلہ کرے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق سے بہتر ہیں نہ ان جیسا پہلے کوئی ہوا اور نہ ان جیسا بعد میں کوئی ہوگا۔

﴿لَا کَانَ وَلَا یَکُوْنُ مِثْلُهُمْ، وَأَنَّهُمُ الصَّفْوَةُ مِنْ قُرُوْنِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الَّتِیْ هِیَ خَیْرُ الْأُمَمِ وَأَکْرَمُهَا عَلَی اللهِ﴾

''بلاشبہ صحابہ کرام امت مسلمہ کے تمام صدیوں سے منتخب اور پسندیدہ انسان گزرے ہیں اسی طرح امت محمدیہ بھی اللہ کے ہاں تمام امتوں سے بہتر اور عزت وتوقیر میں اونچے مقام پر ہے۔''

﴿وَمِنْ أُصُوْلِ أَهْلِ السُّنَّةِ اَلتَّصْدِیْقُ بِکَرَامَاتِ الْأَوْلِیَاءِ وَمَا یُجْرِی اللهُ عَلٰی أَیْدِیْهِمْ مِنْ خَوَارِقِ الْعَادَاتِ مِنْ أَنْوَاعِ الْعُلُوْمِ وَالْمُکَاشَفَاتِ وَأَنْوَاعِ الْقُدْرَةِ وَالتَّأْثِیْرَاتِ وَالْمَأْثُوْرِ عَنْ سَالِفِ الْأُمَمِ فِیْ سُوْرَةِ الْکَهْفِ وَغَیْرِهَا﴾

''اہل سنت والجماعت کے لوگ اولیاء کی کرامات کے قائل ہیں اور ان سے عادات الٰہیہ کے خلاف جو امور سرزد ہوتے ہیں انہیں بھی وہ تسلیم کرتے ہیں۔ خواہ ان کا تعلق مختلف قسم کے علوم اور مکاشفات سے ہو خواہ قدرت الٰہیہ اور تاثیرات ربانیہ سے ہو، چنانچہ سورہ الکہف قرآن پاک کی دیگر سورتوں میں''۔

﴿وَعَنْ صَدْرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَسَائِرِ فِرَقِ الْأُمَّةِ وَهِيَ مَوْجُوْدَةٌ فِيْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾

''جو محیر العقول واقعات بعض متقدمین اولیاء اللہ اور امت محمدیہ کے اوائل دور کے لوگوں صحابہ کرام، تابعین اور دیگر امت کے منتخب افراد سے منقول ہیں ان کی تصدیق کرتے ہیں مزید برآں وہ اس نظریہ کے حامل ہیں کہ امت محمدیہ کے ہر دور میں قیامت تک کرامات کا ظہور ہوتا رہے گا۔''

پہلی مصلحت: کرامت محیر العقول ہونے کے لحاظ سے معجزہ کی مانند ہے یہ بھی اللہ کی کمال قدرت اور مشیت نافذہ پر دلالت کرتی ہے اور اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ اللہ پاک جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ظاہری اسباب و وسائل اور عادات سے ماوراء کچھ ایسے مخفی اسباب ہیں جو انسانی دسترس سے باہر ہیں کسی شخص کو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی اور نہ وہ اپنی مساعی سے اسے حاصل کر سکتے ہیں جیسا کہ اصحاب کہف کا واقعہ ہے اور اللہ نے ان پر طویل عرصہ تک نیند کو مسلط کیا اس کے باوجود ان کے جسم محفوظ رہے ان میں کسی قسم کا ضعف، اضمحلال اور انحلال نمودار نہیں ہوا اور اسی طرح مریم بنت عمران علیہا السلام کو اکرام و اعزاز سے نوازتے ہوئے اسے پردہ غیب سے رزق پہنچایا جب کہ وہ محراب میں معتکف تھیں یہاں تک کہ اس کی حالت کو دیکھ کر زکریا علیہ السلام نے ازراہ تعجب اس سے استفسار کیا کہ تجھے یہ رزق کہاں سے میسر آیا؟ اسی طرح مریم علیہا السلام کا حاملہ ہونا اور عیسی علیہ السلام کا بلا باپ کے پیدا ہونا اور بچپن میں کلام کرنا وغیرہ ہے۔

دوسری مصلحت: بلا شبہ اولیاء اللہ سے کرامات کا وقوع پذیر ہونا درحقیقت انبیاء علیہم السلام کے

معجزات سے ہے اس لئے کہ اولیاء اللہ کا ان کرامات سے ہم کنار ہونا اس وجہ سے ہے کہ اولیاء اللہ نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی متابعت کی اوران کے بتائے ہوئے راہوں پر چلتے رہے تو ان کی برکت سے وہ کرامات کے اعزاز سے مشرف ہوئے۔

تیسری مصلحت: اولیاء کرام رحمہم اللہ کی کرامات ایسی بشارتیں ہیں جن سے اللہ پاک نے ان کو دنیا میں نوازا اس لئے کہ بشارت سے مقصود ہر وہ مبارک کام ہے جو ان کی ولایت کی غمازی کرتا ہے نیز ان کے اچھے انجام پر دلالت کناں ہے اوران تمام سے کرامات ہیں کرامات کا سلسلہ ہمیشہ سے چلتا آیا ہے اس کا کبھی انقطاع نہیں ہوا اور قیامت تک امت محمدیہ میں اس کا ظہور ہوتا رہے گا چنانچہ کرامات کے اسباب پر مشاہدہ بہت بڑی دلیل ہے لیکن فلاسفہ اولیاء کی کرامات کا انکار کرتے ہیں جس طرح کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں۔ان کے ساتھ ساتھ معتزلہ اور بعض اشاعرہ بھی کرامات اولیاء کا انکار کرتے ہیں، عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ کرامات کا التباس معجزات سے ہوتا ہے اس لئے ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں لیکن ان کے یہ خیالات باطل ہیں اس لئے کہ کرامات کا رسالت کے دعوے کے ساتھ کچھ واسطہ نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ دجال قسم کے شعبدہ باز بدعتی قسم کے لوگ جو خود کو صوفیاء کے زمرہ میں شامل کرتے ہیں وہ کچھ ایسے محیر العقول اور شیطانی ہتھکنڈے دکھاتے ہیں جیسا کہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں چھلانگ لگا دیتے ہیں اوراپنے جسم پر چھریاں اور کلہاڑیاں چلا دیتے ہیں اوراپنے ہاتھ میں سانپ پکڑ لیتے ہیں علاوہ ازیں غیب کی خبر بتاتے ہیں۔یہ سب شعبدہ بازیاں ہیں ان کا تعلق ہرگز کرامات سے نہیں ہے اس لئے کہ کرامات کا تعلق اولیاء اللہ کے ساتھ ہے جب کہ یہ لوگ تو شیطان کے دوست ہیں انہیں ہرگز اولیاء اللہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

﴿ثُمَّ مِنْ طَرِيقَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ اِتِّبَاعُ آثَارِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاطِنًا وَ ظَاهِرًا وَاتِّبَاعُ سَبِيلِ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَاتِّبَاعُ وَصِيَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي﴾

بعد ازاں اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول اقوال، افعال، تقریرات کا ظاہری اور باطنی طور پر اتباع کیا جائے نیز صحابہ کرام سابقین اولین مہاجرین اور انصار کے طریقوں کے مطابق چلا جائے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو پیش نظر رکھا جائے آپ ﷺ نے فرمایا......''

﴿وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. وَيَعْلَمُونَ أَنَّ أَصْدَقَ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَيُؤْثِرُونَ كَلَامَ اللّٰهِ عَلَى غَيْرِهِ مِنْ كَلَامِ أَصْنَافِ النَّاسِ﴾

''تم نے میرے بعد میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرنا ہوگا، تم نے مضبوطی کے ساتھ میری سنت پر عمل پیرا رہنا ہوگا اور تمسک اختیار کرنا ہوگا اور خود کو اپنی جانب سے نکالے گئے رستوں پر چلنے سے بچانا ہوگا اس لئے کہ ہر ایجاد کردہ کام بدعت ہے اور ہر قسم کی بدعت باعث گمراہی ہے۔''[1]

نیز وہ اس بات پر قائم ہیں کہ تمام کلاموں سے سچا کلام اللہ کا کلام ہے اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور وہ اللہ پاک کے کلام کو تمام قسم کے لوگوں کے کلام پر ترجیح دیتے ہیں۔

---

[1] اسنادہ صحیح، اخرجہ ابوداود، السنہ، باب لزوم السنۃ، ح: ٤٦٠٧۔ والترمذی العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ واجتنابہ البدعۃ، ح: ٢٦٧٦۔ وقال حسن صحیح۔

﴿وَيُقَدِّمُوْنَ هَدْيَ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلٰى هَدْيِ كُلِّ أَحَدٍ، وَلِهٰذَا سُمُّوْا أَهْلَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَسُمُّوْا أَهْلَ الْجَمَاعَةِ لِأَنَّ الْجَمَاعَةَ هِيَ الْإِجْمَاعُ وَضِدُّهَا الْفُرْقَةُ، وَإِنْ كَانَ لَفْظُ الْجَمَاعَةِ قَدْ صَارَ اِسْمًا لِنَفْسِ الْقَوْمِ الْمُجْتَمِعِيْنَ، وَالْإِجْمَاعُ هُوَ الْأَصْلُ الثَّالِثُ الَّذِيْ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ فِي الْعِلْمِ وَالدِّيْنِ﴾

﴿وَهُمْ يَزِنُوْنَ بِهٰذِهِ الْأُصُوْلِ الثَّلَاثَةِ جَمِيعَ مَا عَلَيْهِ النَّاسُ مِنْ أَقْوَالٍ وَأَعْمَالٍ بَاطِنَةٍ أَوْ ظَاهِرَةٍ مِمَّا لَهُ تَعَلُّقٌ بِالدِّيْنِ وَالْإِجْمَاعِ الَّذِيْ يَنْضَبِطُ هُوَ مَا كَانَ عَلَيْهِ السَّلَفُ الصَّالِحُ إِذْ بَعْدَهُمْ كَثُرَ الْإِخْتِلَافُ وَانْتَشَرَ فِي الْأُمَّةِ﴾

اور محمد ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ کو دیگر ہر شخص کے راستے پر مقدم گردانتے ہیں اسی لئے ان کا نام کتاب وسنت کے پیروکار یعنی اہل سنت والجماعت ہے کہ وہ سیدھے راہ پر اکٹھے ہیں ان میں ہرگز افتراق نہیں اگرچہ جماعت کا لفظ ان لوگوں پر بولا جاتا ہے جن کا ایک اجتماعی پروگرام ہو۔

تیسری بنیادی دلیل اجماع ہے جس پر علم اور دین اسلام کے امور کا استقرار ہے اہل سنت والجماعت گروہ کے لوگ ان ''تینوں بنیادی اصولوں کی روشنی میں ان تمام اقوال واعمال کا موازنہ کرتے ہیں جن کو ظاہری اور باطنی لحاظ سے عوام الناس روشنی کا مینار سمجھتے ہیں بالخصوص جب کہ ان کا تعلق دین اسلام کے ساتھ ہو اجماع کے بارے میں سلف صالحین کا ضابطہ یہ ہے کہ اس سے مقصود سلف صالحین کا کسی مسئلہ پر اجماع ہے، اس لیے کہ سلف صالحین کے بعد کے دور میں اختلافات زیادہ ہو گئے تھے اور امت مسلمہ میں انتشار رونما ہو گیا تھا۔''

اہل سنت والجماعت کا منہج یہ ہے کہ وہ بنیادی مسائل کے بعد دیگر تمام احکام دین اصول و

فروع کے استنباط میں تین بنیادی اصولوں کا اہتمام کرتے ہیں پہلا بنیادی اصول کتاب اللہ ہے جو تمام کاموں میں بہتر اور سچائی کے لحاظ سے سب سے اونچا ہے چنانچہ اہل سنت والجماعت گروہ اس نظریے کا حامل ہے کہ وہ کبھی بھی اللہ کے کلام پر لوگوں کے کلام کو مقدم نہیں کرتے اور دوسرا بنیادی اصول سنت رسول اللہ ہے اور جو باتیں آپ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں ان پر کسی شخص کے کلام کو مقدم نہیں کرتے ہیں۔

جب کہ تیسرا بنیادی اصول اجماع امت ہے جس بات پر امت کے پہلی صدی کے لوگوں کا اجماع ہوا جب کہ وہ ابھی فرقوں میں تقسیم نہیں ہوئے تھے نہ ان میں انتشار رونما ہوا تھا اور بدعات وغیرہ نے جنم نہیں لیا تھا اور جب اس دور کے بعد لوگوں کے اقوال پھیلنا شروع ہو گئے اور طرح طرح کی باتیں رونما ہونے لگیں تو اعتدال پسند لوگوں نے ان کا موازنہ ان تین بنیادی اصولوں کے ساتھ کیا جن سے مقصود کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ ہے اگر وہ باتیں بنیادی اصولوں کے مطابق ہوئیں تو انہوں نے اسے شرف قبولیت عطا کیا وگرنہ اس کا رد کیا خواہ اس کا قائل کوئی بھی شخص کیوں نہ تھا یہی وہ منہج ہے جو راستی کا منہج ہے اور ایسا صحیح راستہ ہے جس پر چلنے والا شخص کبھی صراط مستقیم سے سرکتا نہیں ہے اور اس کا اتباع کرنے والا کبھی بدنصیب قرار نہیں پاتا یہ راستہ ایسا درمیانہ راستہ ہے جس سے وہ لوگ دور ہیں جو نصوص الٰہیہ سے استہزاء کرتے ہیں اور ان کی غلط تاویلات کر کے اپنا دامن بچاتے ہیں احادیث صحیحہ کا انکار کرتے ہیں اور امت کے سلف صالحین کے اجماع کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور وہ لوگ بھی جادہ اعتدال سے دور ہیں جو اندھی اونٹنی کی طرح مخبوط الحواس ہو کر ادھر ادھر پاؤں رکھتے ہیں اور ہر رائے اور ہر قول کو قبول کرتے ہیں وہ ہرگز کچھ امتیاز نہیں کرتے کہ قول غلط ہے یا صحیح، حدیث ضعیف ہے یا قوی ہے۔

﴿ثُمَّ هُمْ مَعَ هٰذِهِ الْأُصُوْلِ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ عَلٰى مَا تُوْجِبُهُ الشَّرِيْعَةُ ، وَيَرَوْنَ إِقَامَةَ الْحَجِّ وَالْجِهَادِ وَالْجُمَعِ وَالْأَعْيَادِ مَعَ الْأُمَرَآءِ أَبْرَارًا كَانُوْا أَوْ فُجَّارًا وَيُحَافِظُوْنَ عَلَى الْجَمَاعَاتِ وَيَدِيْنُوْنَ بِالنَّصِيْحَةِ لِلْأُمَّةِ وَيَعْتَقِدُوْنَ مَعْنٰى قَوْلِهِ ﷺ ((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ﴾

''اہل سنت والجماعت گروہ ان اصولوں پر عمل پیرا رہنے کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامیہ کے تقاضوں کے مطابق اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دیتے ہیں اور منکر کاموں سے روکتے ہیں اور وہ اس نظریہ کے حامل ہیں کہ فریضہ حج جہاد، نماز جمعہ اور نماز عیدین کو اسلامی خلفاء اور امراء کی معیت میں ادا کیا جائے وہ نیکوکار ہوں یا فاسق وفاجر ہوں اور جماعتی ڈسپلن کا خاص خیال رکھا جائے امت مسلمہ کی خیر خواہی کا جذبہ ہمیشہ استوار رہنا چاہئے اور ارشاد نبوی کی حقیقت ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے کہ

''ہر ایماندار شخص اپنے مومن بھائی کے لئے اس قدر مضبوطی کا باعث ہو جیسے عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔

﴿بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ)) وَقَوْلُهُ ﷺ ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ بِالْحُمّٰى وَالسَّهَرِ))

وَيَأْمُرُوْنَ بِالصَّبْرِ عِنْدَ الْبَلَاءِ وَالشُّكْرِ وَالرِّضَا بِمُرِّ الْقَضَاءِ وَيَدْعُوْنَ إِلٰى مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَمَحَاسِنِ الْأَعْمَالِ وَيَعْتَقِدُوْنَ مَعْنٰى قَوْلِهِ ﷺ﴾

''آپ نے اس تمثیل کو بیان کرتے وقت سمجھانے کے لئے اپنی انگلیوں کو

دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کیا❶۔ نیز وہ اس نظریے کے حامل ہوں کہ سبھی ایماندار آپس میں محبت رحم دلی اور شفقت کے لحاظ سے ایک جسم کی مانند ہوں کہ جب جسم کا ایک عضو بیمار ہوتو اس کا تمام جسم بخار کی زد میں رہے اور بیدار رہے❷ اور ان کا شیوہ ہو کہ مصیبت آنے پر وہ صبر سے کام لیں اور خوشحالی کے وقت اللہ کا شکر ادا کریں اور اللہ کی تقدیر پر رضامندی کا اظہار کریں اچھے اخلاق اور بہترین افعال کی دعوت دیں اور اس حدیث نبوی ﷺ کے مفہوم

﴿((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا :وَيَنْدِبُوْنَ إِلَى أَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ ، وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ ، وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ ، وَيَأْمُرُوْنَ بِبِرِّ الْوَالِدَيْنِ وَصِلَةِ الْأَرْحَامِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى الْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالرِّفْقِ بِالْمَمْلُوْكِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْفَخْرِ وَالْخُيَلَاءِ﴾

کا اقرار کریں ''کہ تمام ایمانداروں سے مکمل ایماندار وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے بہتر ہو❸ اور وہ اس بات کی دعوت دیں کہ اس شخص سے صلہ رحمی کی جائے جو شخص قطع رحمی کرے اور اس شخص کو عطیات سے نوازا جائے جو تجھے محروم کرے اور اس شخص کو عفو و درگزر سے نوازا جائے جو تجھ پر ظلم ڈھائے'' ان کا وطیرہ ہے کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے ساتھ مروت اختیار کرنے غلاموں کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے، فخر، تکبر، ظلم و تعدی۔

❶ بخاری کتاب فی المظالم و الغضب، باب نصر المظلوم، ح: ٢٤٤٦۔ مسلم، البر والصلة باب تراحم المومنین و تعاطفهم و تعاضدهم، ح: ٢٥٨٥۔

❷ اخرجه البخاری، الادب، باب رحمة الناس با البهائم، ح: ٦٠١١۔ ومسلم البر والصلة، باب تراحم المومنین وتعاطفهم وتعاضدهم، ح: ٢٥٨٦۔

❸ اسناده صحیح، اخرجه الترمذی الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها، ح:١١٧٢۔ وقال حدیث حسن صحیح۔

﴿وَالْبُغْيِ وَالْاِسْتِطَالَةِ عَلَى الْخَلْقِ بِحَقٍّ أَوْ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَأْمُرُوْنَ بِمَعَالِي الْأَخْلَاقِ وَيَنْهَوْنَ عَنْ سَفْسَافِهَا وَكُلُّ مَا يَقُوْلُوْنَهُ وَيَفْعَلُوْنَهُ مِنْ هٰذَا وَغَيْرِهِ فَإِنَّمَا هُمْ فِيهِ مُتَّبِعُوْنَ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَطَرِيْقَتِهِمْ هِيَ دِيْنُ الْإِسْلَامِ الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ بِهِ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم لٰكِنْ لَمَّا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ أُمَّتَهُ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةٌ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ﴾

اور مخلوق پر بلا وجہ کسی سبب کی بناء پر زیادتی کرنے سے روکیں اور بہترین اخلاق کے ساتھ مزین ہونے کا حکم دیں اور اخلاق پستی سے روکیں اور وہ جو کچھ زبان سے کہیں یا جس عمل کا مظاہرہ کریں ان سب میں وہ کتاب وسنت کے تابعدار ہوں اور ان کا دین اسلام پر عمل ہو جس دین اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع فرمایا کہ امت محمدیہ مستقبل میں تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ایک جماعت کے علاوہ دیگر تمام فرقے دوزخی ہوں گے۔[1]

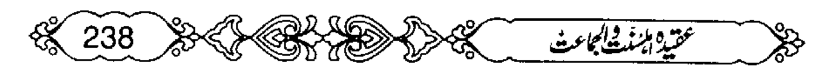
مؤلف رحمہ اللہ نے اس فصل میں ان بنیادی اخلاق حسنہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جن کے ساتھ اہل سنت والجماعت کا گروہ موصوف ہے چنانچہ امر بالمعروف ان کا خاص مشن ہے امر بالمعروف سے مقصود ان مستحسن اور عمدہ کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے جن کو نہ صرف عقل مستحسن قرار دیتی ہے بلکہ شریعت بھی عقل کی مؤید ہوتی ہے اور جہاں امر بالمعروف ان کا خاص مشن ہے وہاں منکر کاموں سے روکنا بھی ان کے پروگرام میں داخل ہے۔ خیال رہے منکر کاموں سے مقصود وہ قبیح امور ہیں جن کو نہ صرف عقل بلکہ شریعت بھی ان کو منکر اور قبیح گردانتی ہے اور نہی عن

[1] اسنادہ حسن، ابوداود، کتاب السنہ، باب شرح السنہ، ح: ٤٥٩٦ و ٤٥٩٧۔ اخرجہ الترمذی الایمان، باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ، ح: ٢٦٤٠۔ ابن ماجہ، ح: ٣٩٩١۔ من حدیث محمد بن عمرو اللیثی بہ وقال الترمذی حسن صحیح، مسند احمد: ٤/ ١٠٢۔

﴿وَفِي حَدِيثٍ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ ((هُمْ مَنْ كَانَ عَلَى مِثْلِ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي)) صَارَ الْمُتَمَسِّكُونَ بِالْإِسْلَامِ الْمَحْضِ الْخَالِصِ عَنِ الشَّوْبِ، هُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، وَفِيهِمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ وَالصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ أَعْلَامُ الْهُدَى وَمَصَابِيحُ الدُّجَى أُولُو الْمَنَاقِبِ الْمَأْثُورَةِ﴾

''جب کہ ایک دوسری حدیث میں اس کی تشریح موجود ہے کہ اس جماعت سے مقصود وہ لوگ ہیں جو اس راہ پر گامزن ہوں گے جس پر آج میں اور میرے صحابہ کرام گامزن ہیں پس اہل سنت والجماعت گروہ ہی ایسا گروہ ہے جو خالص واضح ہر قسم کی آلائشوں سے پاک اسلام کے ساتھ تمسک اختیار کرنے والے ہیں ان میں صدیقین، شہداء اور صالحین شمار ہوتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو ہدایت کے مینار ہیں اندھیرے میں روشنی بہم پہنچانے والے چراغ ہیں بہترین فضائل کے حامل ہیں اور ذکر کردہ بلند خوبیوں سے وہ موصوف ہیں ان میں مجددین امت کا بھی شمار ہوتا ہے''

المنکر کو فرض قرار دیتی ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ ''تم میں سے جو شخص کسی منکر کام کا ملاحظہ کرے تو اسے بزور بازو ختم کرنے کی کوشش کرے اگر بازو اسے ختم نہ کر سکے تو زبان کے ساتھ اس کی قباحت کو واضح کرے اگر زبان کے ساتھ بھی اس کی قباحت بیان کرنے سے معذور ہو تو دل کے ساتھ اسے قبیح سمجھے لیکن یہ ایمان کا کمتر درجہ ہے۔



﴿وَالْفَضَائِلِ الْمَذْكُورَةِ ، وَفِيهِمُ الْأَبْدَالُ، وَفِيهِمْ أَئِمَّةُ الدِّينِ الَّذِينَ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى هِدَايَتِهِمْ ، وَهُمُ الطَّائِفَةُ الْمَنْصُورَةُ الَّذِينَ قَالَ فِيهِمُ النَّبِيُّ ﷺ ((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورَةٌ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ وَلَا مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ))﴾

''ان میں آئمہ دین کا بھی شمار ہوتا ہے جن کے راہ صواب پر گامزن رہنے پر مسلمانوں کا اجماع ہے، دراصل یہی وہ جماعت ہے جن کی فتح ونصرت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے قبول کی ہے جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا ''میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر استوار رہے گا انہیں غلبہ نصیب رہے گا ان کی مخالفت کرنے والے اور ان کی مدد سے دستبردار ہونے والے لوگ انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہوگی۔''

﴿نَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَنَا مِنْهُمْ وَأَنْ لَّا يُزِيغَ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا وَأَنْ يَّهَبَ لَنَا مِنْ لَّدُنْهُ رَحْمَةً إِنَّهُ هُوَ الْوَهَّابُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔
وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيماً كَثِيرًا﴾

''ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اس گروہ سے بنائے اور ہمارے دلوں کو صراط مستقیم سے نہ پھیرے جبکہ اس نے ہمیں ہدایت سے نوازا اور وہ ہمیں اپنی رحمت سے نوازے بلاشبہ اللہ پاک ہی عطیات سے نوازتا ہے۔

وَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا''

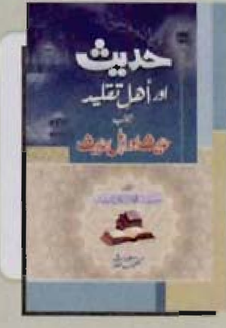
نیز ان کا مشن ہے کہ اسلامی حکومت کے حکمرانوں کے ساتھ مربوط رہا جائے چنانچہ جمعہ

المبارک کی نماز اور دیگر فرض نمازیں باجماعت ادا کی جائیں اور فریضہ حج کی ادائیگی اور کفار کے ساتھ جہاد کرنے میں امیر وقت کے ساتھ ہم آہنگی اختیار کی جائے اسلامی حکومت کے امراء خواہ نیکوکار ہوں یا بدکار ارشاد نبوی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ ہر نیکوکار اور بدکار کی اقتداء میں نماز ادا کرو اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کی جائے ارشاد نبوی ہے'' دین اسلام خیر خواہی کا نام ہے نیز اخوت ایمانیہ کے تقاضوں کو صحیح طور پر سمجھتے ہوئے آپس میں محبت الفت اور باہمی تعاون کے جذبہ کو اجاگر کیا جائے جیسا کہ ان احادیث کو ملحوظ خاطر رکھا جائے جن میں رسول اللہ ﷺ نے ایمانداروں کو مضبوط چونا گچ دیوار کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کی بنیادی اینٹیں نہایت مضبوطی کے ساتھ باہم مربوط ہیں یا ایسے جسم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کے تمام اعضاء باہم مربوط اور مستحکم ہیں اور چونکہ انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا ہے اس لئے کہ انہیں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ وہ مصائب کو برداشت کریں اور صبر کا مظاہرہ کریں اور انعامات الٰہیہ پر شکر الٰہی بجالائیں اور قضاوقدر پر صبر کریں اور اللہ کے فیصلوں کو برضاورغبت تسلیم کریں۔

متن میں صدیقین سے مقصود وہ لوگ ہیں جو تصدیق کے لحاظ سے اونچے مقام پر فائز ہوں چنانچہ امت محمدیہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہا پہلے صدیق ہیں، اور متن میں لفظ شہداء کا واحد شہید ہے اس سے مقصود وہ لوگ ہیں جو میدان کارزار میں شہادت کے منصب پر فائز ہوئے اور متن میں لفظ ابدال کا واحد بدل ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین اسلام کی تجدید و اصلاح اور دفاع میں ایک دوسرے کے بعد اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جادۂ مستقیم پر گامزن رہتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ہر سو سال بعد اللہ پاک اس امت میں ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا جو امور دین کی تجدید و اصلاح میں ہمہ وقت کوشاں رہیں گے۔

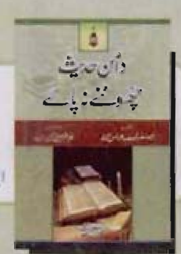
واللہ اعلم و صلی اللہ علی محمد والہ وصحبہ وسلم

مکتبہ اہل حدیث فیصل آباد کی علمی خدمات



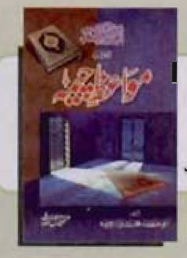
اس کتاب میں مولانا داؤد ارشد نے دیوبندی اکاذیب وافترائات اور ضعیف وموضوع روایات کا علمی رد کر کے عوام کی عدالت میں پیش کر دیا جسے بے حد مقبولیت حاصل ہوئی، انہوں نے ان صحیح و حسن روایات کو باحوالہ پیش کیا جنہیں نعیم الدین دیوبندی نے بنی اسرائیل کی تقلید میں چھپالیا تھا۔

حافظ زبیر علی زئی



منکرین حدیث کے اعتراضات کے مدلل جوابات
اور دفاع حدیث کے موضوع پر بہترین کتاب

ابو سعد آصف عباس کے قلم سے فضیلۃ الشیخ غلام مصطفےٰ ظہیر کی تحقیق وتخریج کے ساتھ



واعظین اور مبلغین کی سہولت کیلئے مختلف عناوین ومضامین کا مجموعہ
موضوع اور من گھڑت روایات کے بجائے صحیح احادیث کا التزام
یہ خطبات نہ صرف خطباء اور واعظین کیلئے بلکہ ہر لائبریری اور گھر کی بھی ضرورت



ان احادیث کا گلدستہ جن میں نبی ﷺ اور صحابہ کرام نے
وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ کے جملے سے قسم اٹھائی

تفضیل احمد ضیغم کے قلم سے علمی و تحقیقی کاوش

